هُوالحق

تحریکِ شیخ الہندؒ

انگریزی سرکار کی زبان میں

ریشمی خطوط سازش کیس

اور

کون کیا تھا

(محفوظ ریکارڈ کا اُردو ترجمہ)

مُرتّبہ

مولانا سید محمد میاں صاحب

ناشر:- الجمعیۃ بک ڈپو قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

سلسلہ مسلم محبانِ وطن کا حصہ اوّل

تحریکِ شیخ الہند

مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ

(انگریزی سرکار کی زبان میں)

ریشمی خطوط سازش کیس

(محفوظ ریکارڈ کا اُردو ترجمہ)

مرتبہ

مولانا سیّد محمد میاں صاحب

شائع کردہ

الجمعیۃ بک ڈپو ۔ دہلی

بحسنِ توجہ حضرت مولانا سیّد اسعد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند

ریشمی خطوط سازش کیس

انڈیا آفس ــــ لندن ــــ میں ــــ ریکارڈ ــــ محفوظ

 ریلیز ہونے کے بعد اس کا فلم لینے والے

محترم مولانا موسیٰ بھائی کرماڈی اور ان کے چند رفقاء

ترجمہ ــــ از جناب رفیق عزیز بیگ صاحب چیف ایڈیٹر روزنامہ الجمعیۃ

ترتیب ــــ از مولانا محمد میاں صاحب مصنف شاندار ماضی و علماء حق و سیرۃ مبارکہ

ناسخ - (مسودہ کو صاف کرنے والے) - مولانا اشیر الدین صاحب

ناشر ــــ الجمعیۃ بکڈپو - دہلی طابع ــــ الجمعیۃ پریس - دہلی

قیمت :- بیس روپے (-/20)

فہرست مضامین تحریک شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ العزیز

پیش لفظ

از

حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ العالی۔ صدر جمعیۃ علماء ہند

سیدنا و مولانا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز جنکی تحریک پیش نظر کتاب کا موضوع ہے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ بانیٔ دارالعلوم دیوبند کے وہ تلمیذ رشید تھے جو صرف حلقۂ درس میں شریک نہیں رہے۔ بلکہ ایک فرزند رشید کی طرح عنفوانِ شباب ہی سے آپ کے جذبات و رجحانات کی تربیت بھی حضرت حجۃ الاسلام کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ ابھی عمر عزیز کے ۱۷ یا ۱۸ مرحلے طے ہوئے ہوں گے۔ ابھی حضرت نانوتوی نے دیوبند کو اپنا مستقر کبھی نہیں بنایا تھا آپ کا قیام میرٹھ یا دہلی ہی میں رہتا تھا کہ "شیخ الہند" خطاب پانے والا نونہال حجۃ الاسلام کے دامن سے وابستہ ہوگیا۔ اس وابستگی نے گرویدگی کی صورت اختیار کرلی، یہی گرویدگی تھی کہ آپ نہ صرف حضر میں بلکہ سفر میں بھی حضرت حجۃ الاسلام کے ساتھ رہتے اور جانفشانہ خدمت سے جذبۂ راحت رسانی کے اضطراب کو تسکین بخشتے۔

یہ حجۃ الاسلام وہی مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ تھے جو چند سال پہلے ۱۸۵۷ء ۱۲۷۴ھ میں یورپ کے خوانچہ فروش دغابازوں سے نبرد آزما تھے جو اب اپنے مکر و فریب اور چیرہ دستیوں سے جابر حکمراں اور ستمگر فرمانروا بن گئے تھے۔ نبرد آزمائی کا نتیجہ شکست ہوا، مگر اس شکست نے صرف اسلحہ کو کند کردیا تھا۔ جذبات کو افسردہ نہیں کرسکی تھی۔ بلکہ زیر خاکستر چنگاریوں کی طرح ان کی تپش تیز ہوگئی تھی اور طوفانی انقلاب کے لئے ان کی حرارت اور بڑھ گئی تھی۔ تلمیذ رشید و سعید مولانا محمود حسن کا سینہ حضرت استاذ کے فیوض و افادات کا گنجینہ تھا۔ ان جذبات کا پرتو اس پر پڑا تو وہ آتشیں شیشہ بن گیا، جو ہر اس آبگینہ کو سوزش و تپش کا تحفہ دینے لگا جس میں عزتِ نفس، خودداری، خود اعتمادی اور استقلال و حریت کی جھلک ہوتی غیرتِ ملی اور حمایتِ وطن کی حرارت اس کے خون میں وقارِ قومی کی طلب اس کے گوشۂ جگر میں ہوتی۔ گویا اس کی صدا یہ ہوگئی تھی۔

"من قماش فروش دل صد پارہ خویش ام"

یہ قماش فروشی کب سے شروع ہوئی اور اپنے نصب العین کی شمع سے دلوں کے چراغ داغوں کو منور کرنے کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی اس کا کوئی سنہ و سال بتانا مشکل ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ شیخ الہند کے آتشیں شیشہ نے جب سے حجۃ الاسلام کے آفتاب سے شعاعیں لینی شروع کیں۔ تب ہی سے ان کی کرنوں کی تقسیم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ کرنیں کہاں کہاں پہونچیں اور کن کن حلقوں نے ان کرنوں کو سمیٹا اور کون کون سے حلقے ان کی تپش سے آتش دان بن گئے ان کی نشاندہی مشکل ہے۔ صرف ایک حلقہ نمایاں ہوا یہ یاغستان کا حلقہ تھا۔

یاغستان یعنی آزاد قبائل میں کام کب سے ہو رہا تھا ہمارے پاس اس کا بھی صحیح جواب نہیں ہے البتہ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ جب ۱۹۱۵ء میں وہاں پہونچے تو پچاس[۵] سالہ کوششوں کا منتشر ثمرہ ان کے سامنے تھا جس کو منظم کرنے کے لئے مولانا سندھی کو وہاں بھیجا گیا تھا۔

اگر ان کوششوں کی عمر پچاس[۵] سال تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام کے آخری دور اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے عہدِ شباب سے وہاں کام ہو رہا تھا۔

اس علاقہ میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ کی تحریک کو جو حادثہ عظیم پیش آیا تھا جس نے گویا تحریک کو بے جان کر دیا تھا وہ یاغستان کے متعلق اچھی رائے قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ مگر بقول حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ یہاں کے نوجوانوں میں فوجی صلاحیت تھی۔ جذبۂ جہاد[۱] بھی تھا۔ یہ مقابلہ و مقاتلہ کے عادی تھے اور ان میں حُبِّ وطن، خودداری، اور خود اعتمادی کا وہ جوہر تھا جس نے ان کو ہمیشہ انگریز کے مقابلہ میں صف بستہ رکھا۔ یہی جذبہ تھا جس کی بنا پر یہ ہمیشہ انگریز کی غلامی کے لئے گردن جھکانے کے بجائے گردنیں کٹوانے کو پسند کرتے رہے۔

تحریک شیخ الہند رحمۃ اللہ کے سلسلہ میں ان کی یہ خوبیاں نمایاں ہوئیں۔ اگر انگریزی فوجیں ان کی حدود میں داخل ہو گئیں تو ان کا مقابلہ اس شدت و قوت سے کیا کہ ان کی پلٹنیں کی پلٹنیں صاف کر دیں۔ اور یہاں تک پسپا کیا کہ ان کو اپنی چھاؤنیوں میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا[۲] پھر ایک دفعہ ہی

---

[۱] نقش حیات ص ۲۰۹ ج ۲ [۲] نقش حیات ص ۱۴۵ و ص ۲۱۱ ج ۲

یہ صورت نہیں ہوئی، بلکہ مسلسل یہ ہوتا رہا کہ مقابلہ کرتے اور جب رسد ختم ہو جاتی تو اپنے گاؤں میں جاکر رسد لاتے پھر جہاد کرتے۔ بیشک کامیابی میسر نہیں آئی، مگر اس کی پہلو تہی یا بے وفائی کی بنا پر نہیں، بلکہ بین الاقوامی حالات نے جس طرح جرمنی اور ترکوں کو لاچار کر دیا حتیٰ کہ ان کی سلطنتیں ختم ہو گئیں اور ان کے ممالک کے حصے بخرے ہو گئے ان ہی حالات نے ان مجاہدوں کو بھی کامیابی سے محروم کر دیا۔ جو ایسی حالت میں میدان میں آ گئے تھے کہ اُن کو پوری طرح تیار ہونے کا موقع بھی نہیں مل سکا تھا۔

بہرحال اس علاقہ میں ایک عرصہ سے کام ہو رہا تھا مگر کام کی نوعیت کیا تھی اور کس جگہ کس کی سرکردگی میں کام ہو رہا تھا اس کی تفصیلات کا علم نہیں ہو سکا۔ مولانا غلام رسول صاحب مہر کی تحقیق یہ ہے کہ کام کی ابتداء مکاتب[2] سے ہوتی تھی لیکن مکتب کو کس طرح تحریک کا مرکز بنایا جاتا تھا۔ اور یہ مکتب کہاں کہاں تھے یہ سب پردۂ خفا میں ہیں۔

والد محترم حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ کی تمنا تھی کہ وہ اس علاقہ کا دورہ فرمائیں اور تمام تفصیلات فراہم کریں اور ان سے رابطہ قائم کریں۔ مگر افسوس اس کا موقعہ نہیں مل سکا۔

ہم شکرگذار ہیں جناب مولانا موسیٰ بھائی کرناڈی۔ طارق جلال صاحب اور اُن کے مخلص احباب کے، کہ اُن کے ذریعہ اس تحریک کے متعلق حکومتِ ہند اور سی۔ آئی۔ ڈی کی کارگذاریوں کے اس ریکارڈ کا علم میسر آ گیا جو انڈیا آفس لندن میں محفوظ تھا۔

اس ریکارڈ سے ریشمی خطوط سے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ کچھ افراد کی جدوجہد کا بھی علم ہوتا ہے۔ مگر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی پوری تحریک کے متعلق پوری معلومات میسر نہیں آتیں۔ بنیادی غلطی یہ ہے کہ سی۔ آئی۔ ڈی نے بانیٔ تحریک مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ کو اور مولانا ابوالکلام آزاد کو قرار دیا ہے۔ سی۔ آئی۔ ڈی کی نظر میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ بانیٔ تحریک نہیں تھے۔ بلکہ مولانا سندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے ان کو متاثر کیا تھا اور آلہ کار بنا لیا تھا۔ سی۔ آئی۔ ڈی نے اپنے اس یقین کی بنیاد پر جو کچھ فراہم کیا وہ ان بزرگوں کے متعلق تو کافی قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی پوری تحقیق کا مُرقع نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ

---

[1] نقشِ حیات ص ۲۱۲ ج ۲ [2] سرگذشت مجاہدین ص ۵۵۳

کے حریم تقدس تک اس کے نظر و فکر کی رسائی ہی نہیں ہوئی تو تحریک کے اصل کارپردازوں اور اُن کی کارگزاری کا صحیح علم تو کیا ہوتا ان کا وہم بھی نہیں ہو سکا۔

دس بارہ سال کا عرصہ ہوا دہلی میں جامع مسجد کے علاقہ میں بم پھینکنے کا سلسلہ چلا۔ غالباً ایک سال تک چلتا رہا دو تین مہینے کے بعد بم پھینک دیا جاتا تھا یہ کیا سازش تھی اور اس کے سرغنہ کون تھے؟ سی آئی ڈی اس کا سراغ لگانے میں ناکام رہی۔ بظاہر اس کا سبب یہی ہے کہ اس کے دماغ پر پاکستان کا ہوّا مسلط رہا اور وہ اس کو پاکستانیوں کی حرکت سمجھتی رہی اور جو اس کے دائیں بائیں اسی دہلی کے باشندے ہوں گے۔ ممکن ہے وہ پاکستان کے دشمن اور اکھنڈ بھارت کے حامی ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے ہم مشرب اور ہم پیشہ ہوں ان کی طرف وہم و گمان بھی نہیں کیا گیا۔ اسی طرح کی صورت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی تحریک کے سلسلہ میں بھی ہے۔ جس کو سی۔آئی۔ڈی ریشمی خطوط سازش کیس کہتی ہے۔

بہرحال اس ریکارڈ سے یہ حقیقت تو واضح اور ناقابل تردید ہو گئی کہ موجودہ آزادی کو جس جدوجہد کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔ ایک جماعت ایسی تھی جو اس سے پہلے سے یہ جدوجہد کر رہی تھی اور اس نے جہادِ حریت کے لئے اپنے آپ کو اُس وقت وقف کر دیا تھا۔ جبکہ "انڈین نیشنل کانگریس" نے مکمل آزادی تو درکنار "ہوم رول" اور "ڈومنین اسٹیٹس" کا نام بھی نہیں لیا تھا۔ بلکہ حکومتِ وقت کی رضا جوئی میں مشغول تھی۔ اور عام فضا یہ تھی کہ سَروں اور خان بہادروں کا موسم بہار تھا اس وقت اس جماعت نے مکمل آزادی کے لئے جان کی بازی لگادی تھی۔ "اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔" (آمین)

اس جماعت کے ارکان کی مدح و ستائش یا اُن کی سفارش کرنا ان سطور کا موضوع نہیں ہے۔ جو پیش لفظ کے طور پر لکھی جا رہی ہیں نہ ان میں اس کی گنجائش ہے۔ البتہ اس جماعت کے ایک رکن مولانا عزیر گل صاحب کے متعلق چند کلمات لکھنے ضروری ہیں۔

پاکستان میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ بنام "تحریک ریشمی رومال مولانا حسین احمد" کتاب کے مصنف ہیں "مولانا عبدالرحمٰن"۔ اس کتاب میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے یہ ہگل افشانی کی ہے کہ مولانا عزیر گل صاحب جاسوسی کیا کرتے تھے۔

اس نفرت انگیز الزام کے ثبوت کے لئے صرف ایک غیر مستند بیان پیش کیا ہے۔ باقی خود ساختہ قرائن درج فرمائے ہیں۔ کتاب کی تحریر کا انداز ایسا ہے کہ گویا حضرت والد صاحب (حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ) نے خاص مجلسوں میں سربستہ راز ظاہر فرمائے تھے اور عبدالرحمٰن صاحب نے ان کو قلمبند فرمالیا تھا۔

میں سب سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں جو تحریر کے انداز سے پیدا ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ کو نہ اتنی فرصت ملتی تھی اور نہ یہ عادت تھی کہ طلبہ کے ساتھ خاص مجلسیں کریں وہ چشمۂ فیض اور علم کے دریا تھے، حلقۂ درس میں یہ دریا موجزن ہوتا تھا۔ تشنگانِ علوم وہیں سیراب ہوتے تھے۔ طلبہ کو دعوت دے کر مجلس جمانا۔ یہ اُن کا طریقہ نہیں تھا۔ عبدالرحمٰن صاحب کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ باوزن تو کیا ہوتے ایسے بھی نہیں ہیں کہ کسی سنجیدہ مجلس میں ان کا تذکرہ کیا جائے۔ ان کا نام بھی "رسوائے زمانہ" جیسے توہین آمیز خطاب کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

طلبہ کے حلقہ میں بہت سی باتیں پھیلتی ہیں جو اکثر خود ساختہ ہوتی ہیں جن سے گرمیِ مجلس کا کام لیا جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن صاحب نے انھیں ہفوات کو جمع کر کے جاذبِ توجہ نام رکھ دیا ہے۔ "تحریک ریشمی رومال"۔

بہرحال نہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی شخصیت قابلِ اعتنا ہے نہ وہ قرائن قابلِ التفات ہیں جن پر مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے اس الزام کی بنیاد رکھی ہے۔ مگر تعجب بھی ہے۔ اور افسوس بھی کہ ایک صاحب جنھوں نے حضرت شیخ الہند پر تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔ جس پر اُن کو پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری دی گئی ہے۔ انھوں نے تقریباً دو صفحے اس ہفولات کو نقل کرنے میں رنگے ہیں۔ اور ان قرائن کے متعلق فرمایا ہے "محلِ غور" ہیں۔

غالباً مقالہ نگار صاحب کے نزدیک تحقیق کے معنی یہی ہیں کہ متضاد قسم کے رطب و یابس جمع کر کے اپنی طرف سے محققانہ فیصلہ کرنے کے بجائے بارِ تحقیق پڑھنے والوں پر ڈال دیں۔ اور فریضۂ غور و فکر اپنے بجائے ناظرین کے ذمہ کر دیں۔

مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے پیش کردہ قرائن میں سب سے قوی قرینہ یہ ہے کہ مولانا عبید اللہ

صاحب نے آخر میں ایک میم سے شادی کرلی تھی۔ آپ فرماتے ہیں۔ "کیا حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے مسلک کا فدائی انگریز سے رشتہ کرسکتا ہے۔"

اس قرینہ کا ایک جزو یہ ہے کہ کیا ایک مولوی کی مولویانہ آمدنی سے ایک میم کا تمدن پورا ہوسکتا ہے ___؟

مولوی عبدالرحمٰن صاحب یہ قرینہ پیش کر رہے ہیں۔ اور مقالہ نگار صاحب اس کو نقل کر رہے ہیں اور محقق مقالہ نگار صاحب کو یہ یاد نہیں رہا کہ انھوں نے خود اس محققانہ مقالہ میں یہ درج کردیا ہے۔ کہ یہ نکاح مولانا عزیر گل صاحب کی خواہش پر نہیں بلکہ خود میم صاحب کی خواہش پر ہوا تھا۔

یہ میم صاحبہ نکاح کے بعد رڑکی پھر دیوبند میں بھی کئی سال تک رہیں۔ کہا جاتا تھا کہ ان کا تعلق لندن کے معزز خاندان سے تھا۔ ذی علم اور صاحب مطالعہ تھیں، بیوہ تھیں۔ ان کے پہلے شوہر ہندوستان میں اونچے عہدوں پر رہے تھے لیکن جب اسلام سے مشرف ہوگئیں تو زاہدانہ زندگی اختیار کرلی۔ یورپین تمدن کے بجائے دیوبند اور رڑکی کا قصباتی تمدن اپنایا۔ شدت سے پردہ کی پابند ہوگئیں۔ صوم وصلوٰۃ، اوراد و وظائف اور تلاوت قرآن کریم ان کا مشغلہ تھا۔ تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ قرآن پاک کا ترجمہ بھی انگریزی میں لکھا۔ مگر افسوس طباعت کا انتظام نہیں ہوسکا۔

ایسی خاتون کے متعلق بدظنی گناہ عظیم اور کسی خود ساختہ قرینہ کے لئے ایسی واجب الاحترام خاتون کا نام لینا۔ "لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَاب" کے تحت حرام ہے۔

مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے سامنے کوئی خیالی عزیر گل ہیں جن کی زندگی بلند پایہ دولت مند کی سی رہی کیونکہ شیخ الہند رحمہ اللہ کے رفیق اسیر مالٹا عزیر گلؒ جن کا تعلق والد صاحب رحمہ اللہ سے برادرانہ تھا اور بڑے بھائی کی طرح حضرت بھی ان پر شفقت فرماتے اور ضرورت کے وقت تکفل بھی فرماتے تھے۔ انکی زندگی تو ہمیشہ مولویانہ بلکہ طالب علمانہ رہی۔ نہایت سادہ، بے تکلف۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی نشستگاہ میں رہا کرتے تھے۔ پھر مسجد یا مدرسہ کے حجرہ یا کرایہ کے مکان میں زندگی بسر کی۔ کوٹھی یا پختہ مکان تو کیا، اپنے لئے جھونپڑی بھی نہیں بنائی۔

مالٹا سے پہلے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے خادم خاص تھے واپس ہوئے تو زمانۂ تحریک میں خلافت کمیٹی دیوبند کے صدر رہے۔ کچھ معمولی سی تجارت بھی کرتے رہے۔ تنہا تھے کسی کا خرچ اُن

کے ذمہ نہیں تھا۔ ایک دفعہ لکڑیوں کی ٹال بھی کرلی۔ اسی میں اپنا اثاثہ ختم کردیا۔ تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ نے رڑکی کے مدرسہ رحمانیہ میں تقرر کرادیا۔ عرصہ تک اسی مدرسہ کے صدر مدرس رہے۔ اسی زمانہ میں میم صاحبہ کی متجسسانہ نظر نے آپ کو زوجیت کے لئے منتخب کرلیا چند سال بعد آپ اپنے وطن تشریف لے گئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ نکاح کا زمانہ ۱۹۴۰ء کے قریب کا ہے۔ جب کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی تحریک کا زمانہ جس میں جاسوسی ہوسکتی تھی اس سے تقریباً پچیس ۲۵ سال پہلے یعنی ۱۵-۱۹۱۴ء کا تھا۔

قرائن کے سلسلہ میں مولوی عبدالرحمن صاحب نے دو مجلسوں کا ذکر کیا ہے کہ ان کی گفتگو کی خبر حکومت کو ہوگئی۔ اور آپ کا خیال یہ ہے کہ شرکاء مجلس میں صرف مولانا عزیر گل صاحب ہی ایسے تھے جن کے ذریعہ خبر پہونچ سکتی تھی۔ سوال یہ ہے کہ جن کارروائیوں میں مولانا عزیر گل صاحب نہیں تھے اور حکومت کے پاس ان کا بھی ریکارڈ تھا، ان کی خبر کس نے پہونچائی۔

حقیقت یہ ہے کہ مولوی عبدالرحمن صاحب کو کسی وجہ سے ذاتی طور پر حضرت مولانا عزیر گل صاحب سے کاوش ہے اسی لئے وہ توہمات کو قرائن قرار دے رہے ہیں۔ اور اس میں خود اپنی ناتجربہ کاری اور ناواقفیت کی دلیل بھی پیش کررہے ہیں۔ خبر پہونچانے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مجلس کا کوئی شریک ہی خبر پہونچائے۔ شرکار مجلس کے دوسرے لوگوں سے بھی ذاتی تعلقات اس درجہ کے ہوتے ہیں کہ وہ ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ ان کے سامنے کوئی جملہ بے احتیاطی اور بے خیالی میں نکل گیا تو وہ اسی کی خبر بنا کر جہاں چاہتے ہیں پہونچا دیتے ہیں۔ ہر بڑے شخص کے ساتھ ایسے لوگ لگے رہتے ہیں۔ مولانا عزیر گل صاحب کا ماحول بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوگا۔ اس الزام کو مولانا عزیر گل صاحب کے سر تھوپنا عناد اور کینہ پروری کی دلیل ہے۔

جن صاحب کے بیان کو مولوی عبدالرحمن صاحب نے شہادت میں پیش کیا ہے اول تو خود ان کی شخصیت غیر معروف ہے۔ پھر وہ ایسے شخص کی روایت پیش فرمارہے ہیں جو مولانا عزیر گل صاحب کو پہچانتا نہیں تھا۔ صرف اس بنا پر وہ ایک شخص کو عزیر گل قرار دے رہا ہے کہ وہ پشتو بولتا تھا۔ گویا ہر پشتو بولنے والا عزیر گل ـــــ بہرحال عبدالرحمن صاحب کوئی سنجیدہ اور قابل اعتنا

شخص نہیں ہیں کہ اُن کی باتوں کا خیال کیا جائے۔ تعجب ہے کہ مقالہ نگار صاحب نے ان ہفوات کو اہمیت دی۔ اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ نے جس طرح مولانا عزیر گل صاحب کی توثیق کی ہے اور ان کی فداکارانہ خدمات بیان کی ہیں، ان کو اپنے مقالہ میں دو جگہ ص۳۵۲ اور ص۴۰۲ پر نقل کیا۔ مگر ان پر اعتماد نہیں کیا۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس تحریک کے متعلق سی۔آئی۔ڈی کا ریکارڈ سامنے آیا تو اس میں بھی وہی ہے جو حضرت والد صاحبؒ نے نقش حیات میں تحریر فرمایا ہے۔ پورے ریکارڈ کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ اسی کے پیش لفظ کے طور پر یہ سطور لکھی جا رہی ہیں۔ اس کے دوسرے حصہ میں "کون کیا ہے؟" کے تحت میں نمبر ۶۹ ملاحظہ فرمایئے۔ بقول مولانا عبدالرحمٰن صاحب "حضرت مولانا عزیر گل صاحب جن کے لئے جاسوسی کیا کرتے تھے وہی لکھ رہے ہیں۔" "جب سے وہ دیوبند میں تھا تب ہی سے مولانا محمود حسنؒ کا پکا مرید ہو گیا تھا بڑا اہم سازشی ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا۔ جنھوں نے ہمیشہ مولانا کو اکسایا کہ جہاد کے لئے ہجرت کر جائیں۔" پورا بیان تقریباً ایک صفحہ میں ہے۔ اوراق پلٹیئے اور پورا بیان ملاحظہ فرمایئے۔ کہیں کسی فقرہ سے کبھی کوئی اشارہ اس الزام کا ملتا ہے جو اس ناخدا ترس عبدالرحمٰن نے مولانا عزیر گل صاحب پر لگایا ہے اور جس کو محقق مقالہ نگار نے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ کر اپنے مقالہ میں سجایا ہے۔

پیشِ لفظ طویل ہو گیا مگر حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے تقدس اور اُن کے اُس احترام نے جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے متوسلین کے دلوں میں ہے۔ اس ناکارہ کو اس طوالت پر مجبور کیا تاکہ ایک پاکباز کے پاک دامن سے یہ ناپاک دھبہ دُور ہو۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اسعد

(۲۸ صفر ۱۳۹۵ھ ۱۲ مارچ ۱۹۷۵ء)

تعارف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک جو ریشمی رومال والی تحریک کے نام سے مشہور ہوئی ایک عجوبہ ہے نتیجہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس لحاظ سے کہ اس تحریک کے بانی وہ بزرگ تھے جن کو نہ اقتدار کی ہوس تھی نہ عظمت وجاہ کا شوق۔ یہ اللہ والے جن کی جولانگاہ مدرسہ وخانقاہ تھی یا مسجد جن کے ساتھی شکستہ حال ملا اور مولوی تھے یا عربی پڑھنے والے بے سہارا تہی دست۔ وظیفہ خوار طلبہ۔ ان کے سربراہ مولانا محمود حسن جن کو کسی پولیٹیکل ٹکنک یا سیاسی داؤ پیچ نے نہیں بلکہ زہد وتقویٰ۔ پاکیزگی باطن۔ ترک دنیا۔ درویشانہ خصلتوں اور فقیرانہ عجز ونیاز نے آپ کو علمائے ہند کا سرتاج اور مشائخ طریقت کا مرشد اعظم اور قطب الاقطاب بنایا تھا۔ ان کے وہ قدم جو دار التفسیر یا دار الحدیث کی طرف اٹھتے تھے۔ تو فرشتے ان کے نیچے پر بچھاتے تھے یہ کیا بات تھی کہ ان کے قدم انقلاب کے پرشور وپرخطر میدان کی طرف اٹھے اور اتنی چستی سے اٹھے کہ قائدین سیاست ابھی بیدار بھی نہیں ہوئے تھے کہ وہ مسافت کا بڑا حصہ طے کر چکے تھے۔

خدا ترس وخدا رسیدہ انسان رب العالمین کا پرتو ہوتے ہیں۔ ان کے سینے وسیع اور ان کے دلوں میں ہر ایک کے لئے گنجائش ہوتی ہے چنانچہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے صدر وسیع میں ہر ایک کیلئے گنجائش تھی۔ وہ مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کے بھی دوست تھے۔ وہ نہ صرف سرزمین ہند بلکہ پوری ایشیا کے ہر گلشن اور ہر خیاباں کو سرسبز وشاداب دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر کیا وجہ تھی کہ یورپ کی طرف سے ان کا ذہن تنگ تھا۔ افریقہ کا سیاہ فام، موٹے ہونٹوں، الجھے ہوئے بالوں، نیلی آنکھوں والا حبشی ان کو محبوب تھا مگر کیا بات ہے کہ یورپ کے سفید فاموں سے ان کو نفرت تھی ان کے بزرگوں میں بھی تھے کہ اگر کسی یورپین سے ان کا ہاتھ لگ جاتا تھا تو وہ ہاتھ کو ناپاک سمجھتے تھے جب تک اس کو پوری طرح دھو نہ لیتے تھے۔

مقدمہ کے چند صفحات جو آپ کے سامنے ہیں ان میں ان بزرگوں کی تحریک حریت کا پس منظر ہے ان کو ملاحظہ فرمانے کی زحمت گوارا فرمایئے پس منظر کے چہرہ سے نقاب اٹھیگا تو آپ کا یہ تعجب بھی رفع ہو جائے گا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایشیا اور یورپ کے دو دور

(۱)

ظلمت کدہ جمہوریہ روما کا صرف نام باقی تھا اسکی جگہ بازنطینی شہنشاہیت یا شاہنشاہیت روما کی شوکت وحشمت کا دور تھا اس کے تعاون سے کلیسا کا نظام بھی اپنے شباب پر تھا جس کو نہ صرف فلسفہ سے نفرت تھی جو اس کی تثلیث پرستانہ توحید پر سخت تنقید کیا کرتا تھا. بلکہ علم کا چرچا بھی اس کے لئے وحشت انگیز تھا کیونکہ نظر وفکر اور فہم ودانش جو تقاضۂ علم ہے وہ ملمع شدہ تثلیثی فلسفہ کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں تھی. اس رقابت کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف عام مکاتب ومدارس کے گلشن حکومت اور ارباب اقتدار کی بے التفاتی اور سرد مہری کی یخ زدہ ہواؤں سے پژمردہ اور وقف خزاں ہو رہے تھے. بلکہ بڑے بڑے علمی مرکزوں کے اعضا شل اور ان کے دماغی قویٰ مضمحل مفلوج ہوتے جا رہے تھے اس رقابت نے یہاں تک ترقی کی کہ روما کا تھیج[۱] اور ملان جیسے علمی مرکزوں کی تاریخی یونیورسٹیاں بند کر دی گئیں اور چھٹی صدی عیسوی کے آغاز ۵۲۹ء میں ایتھنز کا مدرسہ فلسفہ بھی قیصر جسٹینان کے حکم سے (جو ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء تک حکمراں رہا) بند کر دیا گیا۔[۲]

یہ حالت کتنی ہی افسوسناک ہو مگر یہ حالت آخری نہیں تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یورپ ابھی بے چینی اور بدامنی کے زینہ کے پہلے قدم پر تھا۔ جس کے بعد وہ بالکل جہالت اور وحشیانہ حالت کو پہنچ گیا علم وہنر اور ادب کو آنے والی صدیوں کے سیاسی میدان میں کوئی جگہ نہ دی گئی[۳] تھیوڈاک[۴] کے زمانہ سے شارلمین تک تین سو برس گذر گئے۔ اس عرصہ میں کوئی مصنف ایسا نہیں ہوا جو بدترین لاطینی میں ہی اپنے زمانہ کے حالات کی تاریخ لکھ دیتا گویا ہر چیز نے تعلیم کے خلاف [illegible]

۱ ایک قدیم شہر شمالی افریقہ میں تھا عربی میں اس کا نام قرطاجنہ ہے (تمدن عرب) سلطنت روما کے افریقی مقبوضات کا دار الحکومت تھا۔ ۲ ایم۔ ڈی۔ ولف۔ اسکالس ٹزم۔ اولڈ اینڈ نیو ص ۶ و ہسٹری آف فلاسفی ص ۱۱۹ ۳ تاریخ مغربی یورپ از ڈاکٹر جیمس ہاروی رابنسن ترجمہ ص ۳۱) ۴ تھیوڈاک مشرقی گاتھ کا بادشاہ تھا ۵۲۶ء میں مرا۔ اس نے ایک قابل تعریف باقاعدہ سلطنت چھوڑی۔ تاریخ مغربی یورپ از ڈاکٹر جیمس ہاروی رابنسن ترجمہ ص ۲۸ و ص ۲۹

سازش کر لی تھی۔

۵۲۹ء سے لیکر جبکہ قیصر جسٹنیان نے یونانی مدارس کو بند کر دیا تھا ۱۶۳۷ء تک جب کہ ڈیکارات کے "مقالات بر مناہج" شائع ہوئے نیند کی ماری انسانیت نے غور و فکر کرنا ہی چھوڑ دیا تھا یا یوں کہیے کہ علم و حکمت کے اہم مسائل کو تخیل و درایت کے حضور میں لانا ہی بند کر دیا تھا۔ ایم ڈی (الف) بحوالہ اسلام اور عصر جدید جنوری ۱۹۳۰ء یہ منفی پہلو تھا اور مثبت عمل کے متعلق فرانسیسی مورخ موسیو۔ لی۔ بان کی شہادت یہ ہے۔ چرم جس پر لکھا جاتا تھا وہ بہت مہنگا ہو گیا۔ تو پادریوں کی بن آئی۔ کتابوں کے حروف صاف کر کرکے چھاپنا شروع کر دیا۔ عرب کاغذ ایجاد نہ کرتے تو یہ پادری صاحبان تمام پرانی کتابیں ختم کر دیتے[۵۲]۔

تعلیم صرف کلیسا میں محدود جماعت پادریان کا اثر و اقتدار تھا کیونکہ صرف وہی فرقہ تعلیم یافتہ تھا۔ چھ سات صدیوں تک مغرب میں سلطنت روما کے زوال کے بعد بہت کم اشخاص پادریوں کے علاوہ مطالعہ کرنے۔ پڑھنے اور لکھنا سیکھنے کا خیال کرتے تھے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں بھی ایک مجرم جو کہتا تھا کہ وہ پادری ہے تاکہ کلیسا کی عدالت اس کے مقدمہ کی سماعت کرے۔ تو صرف ایک سطر پڑھکر یہ ثبوت دے سکتا تھا کہ واقعی وہ پادری ہے کیونکہ جج مسلمہ طور پر یہ مانتے تھے کہ جس کا تعلق کلیسا سے نہ ہو وہ نہیں پڑھ سکتا تھا[۵۳]

(۲)

بقعۂ نور

مشرق میں آفتاب علم کی ضیا پاشی۔ یہ عجیب بات ہے کہ خاص اس دور میں کہ مغرب میں مدارس اور یونیورسٹیاں حکماً بند کر کے علم کے چراغ گل کئے جا رہے تھے۔ لکھنے پڑھنے، علمی مذاکرہ اور مطالعہ سے نفرت عام تھی۔ سرمایہ علم جو کچھ تھا وہ کلیسا کے تہ خانوں میں بند کر دیا گیا تھا۔ اور بارگاہ کلیسا میں صرف ایک سطر کی خواندگی علم کا معیار تھا۔

---

[۵۱] کتاب مذکور صـ۳۲ [۵۲] تمدن عرب صـ۴۴۲ و صـ۴۴۳ [۵۳] پادریوں کے مقدمات عام عدالت میں پیش نہیں ہوسکتے [illegible]
[۵۴] تاریخ مغربی یورپ از ڈاکٹر رابن سن ترجمہ صـ۲۲۷

عوام کو تعلیم سے محروم رکھنے اور پرانی کتابوں کے حروف مٹاکر ان کے چرمی اوراق کو فروخت کردینا مقدس کلیسا کے ان ذمہ داروں کا نفع بخش کاروبار تھا جو علم و فضل اور روحانیت کے سرپرست تھے۔ جس کی معمولی برکت یہ تھی کہ تین سو برس (از دور تھیوڈرک ۵۲۶ء تا دور شارلمین) ایسے گذر گئے کہ کوئی ایسا مصنف بھی نہ پیدا ہوسکا جو بدترین لاطینی ہی میں اپنے زمانہ کے حالات لکھ دیتا۔[1]

خاص اسی دور ظلمت میں مشرق میں اُس وحی ربانی کا دور شروع ہو رہا تھا جس کا سب سے پہلا لفظ تھا۔ اقراء اور جس کی پیشانی کا جھومر تھا۔ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ (سکھایا قلم کے ذریعہ۔ سکھایا انسان کو وہ جس کا علم اس کو پہلے نہیں تھا) (یعنی معمولی نوشت و خواند سے لیکر جس کا آغاز قلم سے ہوتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کی وہ تعلیم جس سے انسان غیر معلوم حقائق کا علم حاصل کرسکے۔ اور اُس کو جدید بجدید اکتشافات دینی و دنیاوی ترقیات کے بام عروج پر پہنچا سکیں یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے۔ جس سے اُس نے نوع انسان کو نوازا۔ اُس کا فراہم کرنا انعام الٰہی کے موتیوں کو سمیٹنا ہے۔ جو سراسر سعادت، خوش بختی اور فریضۂ انسانیت ہے یہی وحی تھی جس کی بنیاد پر وہ اُمت ظہور پذیر ہوئی کہ فرانس کے حقیقت پسند مورخ موسیو۔ لی۔ بان کے قول کے مطابق اس کا کردار یہ تھا۔

ظہور پیغمبر اسلام سے ایک صدی کے اندر عربوں کا ملک دریائے سندھ سے اندلس تک پہنچ گیا[2]

اس پیشقدمی کا مقصد ملک گیری نہیں تھا۔ بلکہ ان تمام شہروں میں جہاں اسلامی پرچم جلوہ فگن تھا ایک حیرت انگیز ترقی نظر آتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام وہ مذہب ہے جس کے اعتقادات کو مسائل علوم طبعی کے ساتھ پورا توافق ہے اور ان اعتقادات کا خاصہ یہ ہے کہ ہمارے اخلاق کو نرم کریں اور ہمہ تن نیکی اور انصاف اور دوسرے مذاہب کی رواداری پیدا کریں[3] اشاعت مذہب میں تلوار سے مطلق کام نہیں لیا گیا۔ کیونکہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب کی پابندی میں آزاد چھوڑ دیتے تھے[4]

---

[1] تاریخ مغربی یورپ ص۲ [2] تمدن عرب ص۱۲۱ [3] تمدن عرب ص۱۲۲ [4] تمدن عرب ص۱۴۴

عربوں کی حکومت کے زمانہ میں بکثرت کلیسوں کا تعمیر ہونا بھی دلیل اس امر کی ہے کہ وہ اقوام مفتوحہ کے مذہب کی کس قدر عزت کرتے تھے۔ بہت سے نصاریٰ مسلمان ہوگئے تھے لیکن اسلام قبول کرلینے کی انہیں چنداں ضرورت نہیں تھی کیونکہ عربوں کی حکومت میں نصاریٰ بھی جنہیں مستعرب کہتے تھے ان کے علاوہ یہودی ہر طرح مسلمانوں کے برابر تھے۔ اور انہیں کل عہدے سلطنت کے مل سکتے تھے اور چونکہ کل ممالک یورپ میں اندلس ہی وہ ملک تھا۔ جہاں یہودیوں کو امن وامان ملی تھی یہاں[1] بکثرت جمع ہوگئے تھے۔

صدیاں گذر رہی تھیں اور مغرب کی تاریک وادیوں میں ظلمت، جہالت کے علاوہ تعصب، تنگ نظری فرقہ وارانہ قتل وقتال ظلم وستم اور وحشت وبربریت کا اضافہ ہورہا تھا۔ تاریخ کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ یہ سلسلہ اسی طرح صدیوں تک چلتا رہا۔ اس میں اگر استثناء ہے تو صرف اس دور کا جب مشرق کے آفتاب رحمت کی کرنیں اس پر پڑیں اور صرف اس خطہ اور حصۂ ملک کا جہاں یہ کرنیں پڑیں۔ اسی فرانسیسی مورخ کا بیان ہے کہ

عربوں نے اندلس کے باشندوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو انھوں نے شام اور مصر میں کیا تھا ان کا مال انکے کلیسے۔ اُن کے قوانین انہیں دئے اور اپنے ہم قوم حکام کے زیر انصاف رہنے کے حقوق وآئین عطا کئے۔ ایک سالانہ جزیہ چند شرط پر ان پر لگایا گیا۔ جو امرا کے لئے ایک دینار سرخ اور عوام کے لئے نصف دینار تھا[2]

چند صدیوں میں عربوں نے اندلس کے ملک کو علمی اور مالی ترقی کے لحاظ سے بالکل بدل دیا اور اس کو یورپ کا سرتاج بنادیا۔ یہ تغیر محض علمی اور مالی نہیں تھا بلکہ اخلاقی بھی تھا۔ انھوں نے اقوام نصاریٰ کو ایک بیش بہا خصلت انسانی سکھائی یا کم از کم سکھانے کا قصد کیا (یعنی مذاہب مخالف کی رواداری) مفتوحہ اقوام کے ساتھ اُن کا برتاؤ اس قدر نرم تھا کہ انہوں نے کلیسا کے اساقفہ کو مذہبی مجالس منعقد کرنے کی بھی اجازت دیدی تھی[3]

---

[1] تمدن عرب صفحہ ۲۵۸ [2] تمدن عرب صفحہ ۲۴۶ [3] تمدن عرب صفحہ ۲۵۷

عربوں کے اخلاقی تسلط نے یورپ کی اُن وحشی اقوام کو جنھوں نے رومیوں کی سلطنت کو تہ و بالا کیا تھا انسان بنایا۔ ان کے علمی اور دماغی تسلط نے یورپ کے لئے علوم و فنون اور ادب و فلسفہ کا جس سے وہ ناواقف تھا دروازہ کھول دیا اور چھ صدی تک یہی عرب ہمارے استاد اور ہمیں تمدن سکھانے والے رہے ۔ ؎۱

اسی وجہ سے انصاف پسند دانشوروں کی تمنا یہ تھی کہ کاش عرب پورے یورپ کو فتح کر لیتے تو سارا یورپ انسانیت اور شرافت سے آشنا ہو جاتا۔

اسی فرانسیسی دانشور کی تحریر ملاحظہ فرمایئے۔

جبکہ اندلس نے عربوں کی حکومت میں ایسے زمانہ میں اعلیٰ درجہ کا تمدن حاصل کیا۔ جب یورپ شدید وحشیانہ حالت میں تھا۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُس زمانہ کے تمدن کے لحاظ سے عیسائی اقوام یورپ کو اسلامی تسلط سے بہت کچھ فائدہ ہوتا اور نقصان نہ ہوتا۔ اسلام کی رحمت ان اقوام مغرب کے اخلاق میں لینت (نرمی) پیدا کر دیتی۔ اور انہیں مذہبی خونریزیوں سے سینٹ برتھا لیمو کے قتل عام سے۔ مذہبی عدالتوں کے مظالم سے جنھوں نے کئی صدیوں تک یورپ میں خون کے دریا بہائے اور جن سے مسلمان بالکل ناواقف تھے بچالیتی ؎۲

وہ جذبہ جو انسانی ترقی کا باعث ہوتا ہے کسی قوم میں اس اعلیٰ درجہ پر نہیں تھا جیسا عربوں میں تھا ؎۳

تاریخ یورپ کے مشہور مؤرخ اے۔ جے گرانٹ کی شہادت ہے۔

یورپ کی تاریخ میں ہسپانی مسلمانوں کی تباہی سے زیادہ دردناک کوئی واقعہ نہیں ہے کیونکہ انہوں نے یورپ کے تمدن میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ اور اگر وہ تباہ نہ ہوتے تو اس میں اور اضافہ کرتے ؎۴

یورپ کے تمدن میں اضافہ کی ایک مثال پیرس یونیورسٹی ہے۔

؎۱ تمدن عرب ص ۵۲۴ ؎۲ تمدن عرب ص ۲۸۹ ؎۳ تمدن عرب ص ۲۸۹ ؎۴ تاریخ یورپ از اے۔ جے گرانٹ ص ۴۳۶ (ترجمہ)

یہ یونیورسٹی اپنے بیشتر[1] کالجوں کی وجہ سے ایک اچھا خاصہ شہر بن گئی تھی اور خانقاہوں کے ساتھ مل کر شہر اور مضافات کے ایک بڑے حصہ کی مالک ہوگئی تھی

ایشیا اور یورپ کے مزاج

(۱) ہم اُس ایک خدا کو ماننے والے ہیں جو رب العالمین ہے۔ تمام جہانوں کا پروردگار۔ اُس رسول کو مانتے ہیں جو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ اُس قرآن کو مانتے ہیں جس کا اعلان یہ ہے کہ تمام انسان ایک مرد اور عورت کی اولاد ہیں۔ قبائل اور خاندان کی تقسیم صرف اس لئے کی گئی کہ پہچان ہو سکے۔ کالے اور گورے میں کوئی فرق نہیں کسی ایک ملک کے باشندوں کو دوسرے ملک والوں پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت جو کچھ ہے وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنا پر ہے۔ ہمارے نزدیک مشرق۔ مغرب۔ یورپ۔ ایشیا۔ افریقہ۔ امریکہ اور آسٹریلیا کے باشندے سب ایک درجہ کے انسان ہیں۔ جغرافیائی تقسیم سے ان کی انسانیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ مگر جس طرح انسان کا بدن ایک ہے۔ مگر اس کے اعضاء میں باہمی اتحاد کے باوجود ایک امتیاز ہے۔ سر اور پیر میں فرق ہے۔ سر ہمیشہ اوپر رہتا ہے اور پیروں کا کام ہے کہ وہ سطح زمین کو بوسہ دیں۔ گرد و غبار اپنے اوپر لیں۔ آنکھ کو جو عظمت حاصل ہے وہ ہاتھ پاؤں کو میسر نہیں۔ پیٹ اگرچہ سارے بدن کے لئے غذا کا خزانہ ہے۔ اور قلب بھی اسی کے ایک کنارے پر ہے جو غذا کا لطیف جوہر اسی خزانہ سے حاصل کرتا ہے۔ مگر قلب کو جو عظمت حاصل ہے پورے پیٹ کو نہیں۔ قلب پر زندگی کا مدار ہے۔ وہ اگر زندہ ہے تو پورا بدن زندہ ہے ورنہ لاشۂ بے جان۔ اسی طرح انسانوں کی صلاحیتوں اور مزاجوں میں فرق ہے۔ اسی فرق نے کرۂ زمین کے بہت سے براعظموں ایشیا اور یورپ کو جو امتیاز بخشا ہے وہ افریقہ کو حاصل نہیں ہے۔ پھر ایشیا اور یورپ میں یہ فرق ہے کہ جب سے تاریخ انسان اور انسانیت کی خبر دیتی ہے۔ وہ ایشیا کو قلب بیدار ثابت کرتی ہے جو خدا پرستی۔ خدا ترسی یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری۔ مکارم اخلاق تہذیب۔ شرافت اور شائستگی جو انسانیت کے جوہر ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ یہی اوصاف انسانیت کی حقیقت ہیں۔ انہیں کے نکھرے ہوئے جوہر کا نام روحانیت ہے۔ ماضی بعید میں جہاں تک تاریخ کی رسائی ہے۔ اسکا

---

[1] یورپ سولہویں صدی میں ص۷۵ (ترجمہ)

شہادت یہی ہے۔ کہ ان اوصاف کا مرکز ایشیا ہی رہا ہے۔

یورپ اور مذہب (۱) یورپ آج بھی مادہ پرست یا سائنس پرست ہے۔ وہ عہدِ قدیم میں بھی مادہ پرست یا عقل پرست رہا ہے۔ یورپ کے عہدِ قدیم کی ابتداء اس کے دور افتادہ گوشہ (یونان) سے ہوتی ہے یونان کی دو ہی بڑی خصوصیتیں ہیں۔ عقل پرستی اور بت پرستی فلسفۂ قدیم کے بانی سقراط اور اس کے شاگرد زینو فن۔ افلاطون اور ارسطو۔ یونان ان کا مولد و منشا تھا۔ ان کو خود پرست تو کہا جا سکتا ہے کہ جو ان کی عقل فیصلہ کرتی تھی۔ وہی ان کا مذہب ہوتا تھا۔ مگر خدا پرست نہیں کہا جا سکتا۔ فلسفہ کے ساتھ فنونِ لطیفہ میں اُن کو دخل تھا۔ اُنہیں کے قائم کردہ اصول اور انھیں کے نظریات تھے جو یونان کا علمی سرمایہ ہیں اور انھیں پر تمدنِ یورپ کی بنیاد قائم ہوئی [۱]

یونان کے فلاسفر اور دانشور میدانِ سیاست میں بھی حکمرانی کے مختلف طریقوں کا تجربہ کرتے رہے۔ ان کے تجرباتی سفر کی ایک منزل وہ جمہوریت تھی جس کی ابتداء ۵۰۰ قبل مسیح میں ہوئی۔ کئی صدی کے تجربوں نے اس کے سیاسی دستور کو مکمل کیا۔ اس دستور کا وارث یورپ بنا۔ یہی دستور یورپ کے خزانۂ علم کا سب سے قیمتی ہیرا ہے۔ [۲]

(۲)

اہلِ یورپ کے معبود فلسفی اور سیاسی رجحانات کے علاوہ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے تو اے۔ جے۔ گرانٹ۔ ہومر کی رزمیہ نظموں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے۔

شاعر ہمیں ایک ایسا تمدن دکھاتا ہے۔ جس میں یونانی قوم بے شمار دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش کر رہی ہے۔ جن کے ہاتھ میں انسان کی بھلائی اور برائی تھی [۳]

ہر ایک شہر اور علاقہ کے خدا الگ الگ مانے جاتے تھے۔ افلاطون جیسے فلسفی اور اُس زمانہ کے تمام واضعانِ قانون کا نظریہ یہ تھا۔ کہ ایک نیک اور اچھے شہری کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُن خداؤں کو مانے جو اس کے باپ دادا کے خدا مانے گئے ہوں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی

---

[۱] ماخوذ از تاریخ یورپ از اے۔ جے۔ گرانٹ صفحات ۱۹۔۶۳۔۶۴ و صفحہ ۴، (ترجمہ)، [۲] تاریخ روما۔ از ایچ۔ ایف پیلہم صفحہ ۴۶ (ترجمہ) .... ۵۳ از تاریخ یورپ از اے۔ جے گرانٹ ص۲۴ (ترجمہ)
[۳] تاریخ یورپ اے۔ جے۔ گرانٹ ص۳

لازم تھا کہ ایک شہر کا آدمی دوسرے شہر کے خداؤں کی پوجا سے باز رکھا جائے ۔[۱]

روحِ جمہوریت کمزور ہونے لگی ۔ اس کی جگہ شاہنشاہیت آنے لگی تو شاہنشاہ پیراہنِ معبودیت بھی زیب تن کرنے لگے ۔

بیلیم صاحب فرماتے ہیں ۔

قیصروں کی پرستش کا آغاز ۔ روما اور صوبجات میں جولیس قیصر کی پرستش سے ہوا جس کو موت کے بعد اس کے معتقدوں نے دیوتا قرار دیا ۔ پھر اس کے جانشین بھی دیوتا مانے گئے جسکی وجہ سے شہنشاہ کی ذات مقدس ہوگئی ۔ اور دیوتاؤں کا سلسلہ شروع ہوگیا ۔

یہ پرستش زیادہ تر سیاسی اہمیت رکھتی تھی ۔ ۱۲ ق ۔ م ۔ سے عام پرستش شروع ہوگئی جبکہ روما میں آگسٹس کی پرستش کے لئے ایک معبد بنایا گیا ۔ اور وہ صوبجات گال (فرانس) کا مذہبی مرکز قرار دیا گیا ۔ یہاں ہر سال ایک تیوہار بھی ہوا کرتا تھا ۔ پجاری بھی ہر سال منتخب ہوتے تھے یہ جدید پرستش رفتہ رفتہ پھیل گئی ۔ دوسری صدی عیسوی کے ختم تک ہر صوبہ میں آگسٹس کے معابد اور پجاری پیدا ہوگئے اور ہر صوبہ میں قیصروں کی پرستش باضابطہ ہونے لگی جس سے مختلف اجزاء سلطنت میں یکجہتی اور قیصرانِ روما کے اقتدار کا ثبوت ملتا ہے ۔[۲]

دوسرے موقع پر ارشاد ہے ۔

جولیس قیصر اور آگسٹس ۔ دیوتا قرار دیے گئے اس لئے ان کی اولاد کا اعزاز ضروری تھا ٹائبرس سے نیرو تک جتنے قیصر ہوئے سب کے سب دیوتاؤں کی اولاد میں سے تھے ۔ گویا حقِ حکومت ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا ۔[۳]

ان کے خاندان کے دوسرے ارکین بھی مراعات شاہانہ سے ممتاز ہونے لگے ۔ خواتین کو بھی اعزازات حاصل ہوئے مثلاً لیویا ۔ ایگرپلیپینا وغیرہ کی تصویریں ستونوں پر نقش کی جاتی تھیں ۔ بعد وفات دیویاں قرار دی گئیں ۔[۴]

---

[۱] قسطنطین اعظم ازجان ۔ بی ۔ فرتھ ۔ ص ۱۱۔۱۱۲ اردو ترجمہ ، [۲] تاریخ روما از ایچ ۔ ایف بیلیم صاحب ص ۴۲۹ (ترجمہ) ، [۳] تاریخ روما ۔ ص ۱۰۴

[۴] تاریخ روما ص ۱۰۸

یورپ میں عیسائیت

عیسائیت وہاں پہنچی تو اگرچہ وہ بت پرست اور شاہ پرست نہیں ہوئی۔ مگر وہ خود توحید سے عاری تثلیث پرست ہو چکی تھی۔ پھر اس کا سب سے بڑا حامی وہ ہوا جو اپنے زمانہ میں سب سے بڑا علمبردار سیاست تھا۔

"ڈائیوک لیشن" جو ۲۸۵ء میں سلطنت روما کا امپراطور (شہنشاہ) ہوا۔ وہ بت پرست تھا اور تقاضائے شہنشاہیت یہ تھا کہ اس کی بھی پرستش کی جائے۔ لیکن عیسائیت کو ان دونوں سے انکار تھا۔ ڈائیوک لیشن نے طے کر لیا کہ وہ عیسائیت کو نیست و نابود کر دیگا۔ اس نے اپنی کوشش میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ لیکن جب عیسائیت ایسی سخت جان ثابت ہوئی کہ بیس سالہ سفاکانہ مظالم کے باوجود اس میں کوئی لچک نہ پیدا ہو سکی۔ اور باوجودیکہ خود عیسائیوں میں نظریاتی اختلاف بہت کچھ تھا جس کی بنا پر اس دور میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔ لیکن اس کمزوری کے باوجود بت پرستانہ شاہنشاہیت کے مقابلہ میں کلیسا کے نظام نے شکست قبول نہیں کی۔ بلکہ وہ اور زیادہ مستحکم ہو گیا۔ اس تلخ تجربہ کے بعد ڈائیوک لیشن نے گوشہ نشینی کو غنیمت سمجھا۔ چنانچہ ۳۰۵ء میں ڈائیوک لیشن اور اس کا شریک سلطنت "میکسی مین" اس منصب عالی سے کنارہ کش ہو گئے۔

جانشینی کا نظام جو خود "ڈائیوک لیشن" نے قائم کیا تھا۔ اس کی رو سے چھ شخص دعویدار تھے لیکن انجام کار قسطنطین نے سب کو ختم کر دیا۔ اور پوری سلطنت اپنے زیر نگین کر لی قسطنطین نے اپنے پیش رو "ڈائیوک لیشن" کی ناکامی سے سبق لیا۔ اور بقول "زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز" اس نے عیسائیت سے ساز باز کر لی ہے

(۴)

قسطنطین اپنے متعدد حریفوں کو ختم کر چکا تھا۔ مگر چند حریف ابھی باقی تھے اُن کو ختم

ف ڈیوب کی فوجوں نے ۲۸۴ء میں اپنے سپہ سالار ڈائیوک لیشن کو سربرآرائے سلطنت کر دیا۔ اس نے اپنی قابلیت سے مکمل اقتدار حاصل کر لیا کہ سلطنت روما لفظاً و معنیً شہنشاہیت ہو گئی۔ یہ پہلا بادشاہ تھا جس نے دربار میں مشرقی طور طریق کو رواج دیا۔ اس نے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا۔ اور اپنے آپ کو خداوند خدا کہلوایا۔ اس کے دربار میں ہر ایک کو سربسجود ہونا پڑتا تھا۔ حکمت یہ تھی کہ بادشاہ کا احترام دیوتا کی طرح ہونے لگے۔ تاریخ یورپ از اے جے۔ گرانٹ [illegible] ایران میں شاہ پرستی کا طریقہ پرانا تھا اور ہندوستان میں بھی راجہ کو اوتار کی حیثیت دی جاتی تھی ۔

کرنے کے لئے اندرون ملک اتحاد کی سخت ضرورت تھی جس کا مدار اس پر تھا کہ عیسائی رہنما اس کے معاون و مددگار ہوں۔ اُس زمانہ میں اُس نے عیسائی رہنماؤں سے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ

سہ پہر کے وقت جب آفتاب نصف النہار سے ہٹ کر مغرب کی طرف ڈھل رہا تھا میں نے آسمان کی طرف نظر کی۔ دفعۃً دیکھا کہ قرص آفتاب سے کچھ اوپر ایک صلیب کی صورت بنی ہے۔ یہ صلیب نہایت روشن ہے اور نور کی کرنیں اس سے نکل رہی ہیں۔ اور اس کے گرد لکھا ہے [۱] "اس کی مدد سے فتح کر" [۲]

قسطنطین اس مشاہدہ کا مطلب پوری طرح نہیں سمجھ سکا۔ اس کو دو روز تک تردد رہا۔ دوسرا دن گذرنے کے بعد رات کو

"جناب مسیحؑ خواب میں نظر آئے۔ ان کے ساتھ وہ نشان بھی تھا جو آسمان پر نورانی ہو کر چمکا تھا آپ نے قسطنطین کو حکم دیا کہ اسی نشان کی نقل کرے اور اس کو دافع بلا سمجھ کر بطور تعویذ استعمال کیا کرے۔ [۳]

بہر حال [۳۱۶]ء عیسائیت کی تاریخ میں بہت ہی مبارک سال تھا۔ کہ شاہنشاہ روم قسطنطین نے نہ صرف عیسائیوں کو مذہبی آزادی دی بلکہ خود عیسائی مذہب قبول کر لیا جس کے اثر سے بہت سے بت پرست عیسائی ہو گئے۔ اور بت پرست بڑی حد تک مغلوب ہو گئے۔

بلا شبہ بہت مبارک ہے وہ سیاست جو زیر سایہ روحانیت ہو۔ مگر یہاں روحانیت زیر سایہ سیاست تھی۔ چنانچہ جب بت پرستی پر عیسائی مذہب کو غلبہ ہوا۔ تو عیسائیت کے مختلف فرقوں نے کلیسا کے امن و عافیت میں خلل ڈالنا شروع

---

[۱] علماء سائنس کہتے ہیں کہ بعض روشنیوں پر کرہ آفتاب سے خاص انعکاس کے قریب سراجہ شمس کا ظہور ہوتا ہے۔ یعنی ٹھیک آفتاب کے مثل کئی کئی آفتاب نظر آتے ہیں۔ اور وہ روشنی کی چوڑی پٹیوں یا تھالوں سے جڑے معلوم ہوتے ہیں یہ روشنی کی پٹیاں بعض وقت صلیب کی سی صورت رکھتی ہیں۔ قسطنطین اعظم صفحہ ۱۰۱ (ترجمہ)

[۲] قسطنطین اعظم صفحہ ۹۷

[۳] قسطنطین اعظم صفحہ ۹۷ (ترجمہ)

کر دیا اور جس طرح پہلے بت پرستوں اور عیسائیوں کی باہمی خصومت سے سلطنت کے حفظ و امان میں خلل کا اندیشہ تھا۔ اب وہی اندیشہ عیسائیوں کے باہمی اختلافات سے پیدا ہو گیا [1]

(۵)

اب قسطنطین کے تدبر نے اسکو اس اقدام پر آمادہ کیا جس کے نتیجہ میں اس نے عیسائیت کی تاریخ میں غیر فانی عظمت حاصل کر لی۔ اس نے مختلف صورتوں سے اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش کی آخری منزل عیسائی علماء کا وہ اجتماع تھا جو جولائی ۳۲۵ء میں "نیقا" مقام پر ہوا [2]

جس میں ۳۱۸ اساقفہ نے شرکت کی جو حکومت کے خرچ پر بلائے گئے تھے اور ان کے قیام وغیرہ کا شاندار انتظام کیا گیا تھا [3]

اس اجتماع میں ایک عقیدہ طے ہوا جس کا حاصل یہ تھا۔ کہ یہ تین ہیں جن پر ایمان لانا تمام عیسائیت ہے۔ خدا باپ پر۔ خداوند یسوع مسیح خدا کے فرزند پر اور روح القدس پر۔

اختلاف اب بھی ختم نہیں ہوا۔ فائدہ یہ ہوا کہ اکثریت نے عقیدۂ تثلیث کو بنیادی حیثیت دیدی اور اس کے منکر کو کافر۔ مرتد۔ واجب القتل قرار دے دیا۔

قسطنطین نے ایک فرمان جاری کیا۔

جو باتیں حسب ضابطہ و قانون طے ہو گئیں۔ ان کا ماننا ضروری ہے۔ جس بات کو تین سو اساقفہ نے اپنی رائے میں درست سمجھا تو اسی رائے کو خدا کا ارشاد سمجھنا چاہیئے۔ پس لازم ہے کہ جن لوگوں کو آریوس نے گمراہ کیا تھا۔ وہ اب از خود مذہب قدسیہ جاثلیقیہ (کیتھولک) کی طرف رجوع کریں [4]

اس فرمان نے کیتھولک پادریوں کو یہانتک قوت بخشی کہ انہوں نے دوسرے عیسائیوں کے ساتھ وہی کیا جو بت پرستی کے دور میں بت پرست ان کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ فرق

---

[1] قسطنطین اعظم باب نہم ص ۱۶۱ (ترجمہ) [2] قسطنطین اعظم ص ۲۱۶ [3] قسطنطین اعظم باب یازدہم [4] قسطنطین اعظم ص ۲۳۲

یہ تھا کہ بُت پرست عیسائیوں کو اپنی حکومت کا باغی اور مجرم سمجھ کر سزائیں دیتے تھے۔ اور برسرِ اقتدار عیسائی فرقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ

اہلِ بدعت کی ارواح کو عذابِ آخرت سے بچانے کے لئے دنیا میں اذیتیں پہنچانی ضروری ہیں[۵۱]

(۶)

قسطنطین کا مذہب یورپ میں مذہب کی حیثیت اور اس کی قدر و منزلت بیان کرتے ہوئے قسطنطین کے مذہب پر بھی نظر ڈالی جائے جو عیسائیت کا مجدد اور مصلح اعظم تھا۔ اس دور اندیش مجدد و مصلح نے عیسائیت کا دامن ضرور سنبھالا۔ مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ بت پرست کی حیثیت سے جو اس کو عظمت حاصل تھی اس میں بھی فرق نہ آنے دیا۔ چنانچہ

"اس نے عیسائیت کی اشاعت میں جبر سے کام نہیں لیا۔ اور جیسا کہ وہ بت پرستوں کا پیشوا مانا جاتا یعنی کاھن کبیر "پونٹی نکس میک سیمس" اس منصب اور خطاب کو ترک نہیں کیا۔ کیونکہ اس کو خطرہ تھا کہ اگر وہ اس کو ترک کر دے گا تو بت پرست کسی اور کو کاہن کبیر بنا دیں گے جو اس کے اقتدار کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے[۵۲]

اس مجدد اعظم کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ محبوب ترین عزیز کو قربان کر دینا اس کیلئے آسان تھا۔ مگر یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کے اقتدار کے لئے خطرہ پیدا ہو۔ چنانچہ جس سال اس نے نیقاء کا یہ تاریخی اجتماع کیا۔ اس سے اگلے ہی سال اپنے ہونہار اور قابل بیٹے کرسپوس اور اپنی محبوبہ ملکہ فاستہ کو قتل کرا دیا کہ ان کے متعلق اس کو سازش کا شبہ ہو گیا تھا[۵۳]

اس موضوع پر مزید لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یورپ کا عام مذہب اگرچہ عیسائیت رہا۔ مگر عیسائیت کے مختلف فرقوں میں اس کے علاوہ کلیسا اور قیصر کے پرستاروں میں جس طرح خونریزیاں ہوتی رہیں جن میں لاکھوں ہم مذہب ایک دوسرے کے ہاتھوں انتہائی سنگدلی اور وحشت و بربریت کے ساتھ قتل کئے گئے۔ سولی پر چڑھائے گئے۔ زندہ درگور کر دئے گئے یا جلا دئے گئے۔ وہ تاریخ کی ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کو وہ بھی مانتے ہیں

---

۵۱ قسطنطین اعظم باب دوم صفحہ ۳۰ (ترجمہ) ۵۲ قسطنطین اعظم باب پانزدہم صفحہ ۲۱۳ ۵۳ قسطنطین اعظم باب دوازدہم

جو تاریخ مذاہب سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے۔

مسٹر جے۔ بی۔ فرتھ فرماتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے بت پرستوں کے مظالم کی پوری سرگزشت میں ایک مثال بھی ایسے قتل عام کی نہیں ملتی جو فرانس میں مشنت بارتھولومیو کے دن اور جزیرہ صقلیہ میں عشائے مسیحی کی رسم کے موقع پر خود عیسائیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کا ہوا[1]

یورپ اور سیاست ستم ایجاد

جمہوریہ روما۔ جس کی بنیاد ولادت مسیح علیہ السلام سے پانچسو نو سال پہلے ہوئی تھی۔ وہ یورپ کی سیاسی تاریخ کی پیشانی کا جھومر ہے جس پر یورپ کو ناز ہے۔ اس جمہوریہ کے اندرونی نظام کو مضبوط کرنے اور بیرونی حملوں سے تحفظ کے لئے بہت سے معرکے سر کرنے پڑے ان کا بیان طویل بھی ہے اور دور از کار بھی۔

آخری معرکہ کا نتیجہ یہ تھا کہ ولادت مسیح علیہ السلام سے ستاسی سال پہلے "سولا" کو ڈکٹیٹر مقرر کیا گیا۔ سولا نے فتح حاصل کرنے کے بعد دلجوئی کے بجائے مخالفین کا قتل عام شروع کر دیا ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ اس زمانہ سے ہر سیاسی اقتدار کے بعد قتل عام کا کھٹکا رہتا تھا ڈکٹیٹرشپ نے شاہنشاہیت کے لئے راہ ہموار کر دی۔ رومن قوم دیوتا پرست تھی شہنشاہوں نے ان دیوتاؤں میں اور اضافہ کر دیا۔ ہر شہنشاہ دیوتا مانا جانے لگا (جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے)[2] شاہنشاہوں میں شہنشاہ اگسٹس تھا جس نے ۴۱ سال حکومت کی (سنہ ۱۴ء میں اس کا انتقال ہوا)[3]

انہیں شاہنشاہوں کے دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مقدمہ چلایا گیا۔ ججوں کے عدل و انصاف کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے ناکردہ گناہ معصوم و مقدس کے لئے سولی کی سزا تجویز کر دی۔ فیصلہ تابع شہادت ہوتا ہے اس کی ذمہ داری شاہدوں پر ڈالی جا سکتی ہے۔ لیکن اس حادثہ سے تقریباً بیس سال بعد جب نیرو شہنشاہ روما کے دور حکومت میں پیروان عیسیٰ علیہ السلام کے مقدس اور سربرآوردہ اشخاص کو تہ تیغ کیا گیا[4] تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس وقت کی سیاست ہی یہ تھی۔ کہ جو بت پرستی اور شاہ پرستی سے انکار کرے اس کو زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔

---

[1] قسطنطین اعظم باب دوم صفحہ ۳۷ (ترجمہ) [2] تاریخ روما از لیچ۔ ایف ہیلیم صاحب (ترجمہ) [3] ایضاً صفحہ ۲۳۱ جلد ۲۳۲ [4] ایضاً صفحہ

اس کے بعد جیسے جیسے عیسائیت پھیلتی رہی تو باوجودیکہ بڑا طبقہ وہ تھا جو تثلیث پرست تھا اور اسی بنا پر دیوتا پرستوں سے قریب تھا۔ مگر ارباب اقتدار کی نظر میں وہ بھی مجرم تھا کیونکہ نہ وہ شہنشاہ کو دیوتا مانتا تھا نہ ان کے دیوتاؤں پر نذریں چڑھاتا تھا۔ لہذا

پہلے ان کو گرفتار کیا جاتا۔ پھر ان کی رگ کاٹ کر لنگڑا کر دیا جاتا۔ اور دائیں آنکھ گرم لوہے سے جلا دی جاتی اور اسی مجروح حالت میں ان کے گروہ مصر میں سنگ سماق کی کانوں پر یا فلیوس واقع فلسطین میں تانبے کی کانوں پر مشقت کے لئے بھیج دئے جاتے۔ لہ

ج۔ ڈبلیو۔ جارلس لکھتے ہیں۔

ڈبو دینے یا سر کو تن سے جدا کرنے کی سزا جس کو ملتی تھی گویا اس پر بہت مہربانی کی جاتی تھی۔ کچھ ایسا جنون سوار تھا کہ مرنے کے بعد بھی قانون اپنا عمل کیا کرتا تھا۔ لاش کو کتوں کے سامنے ڈلوا دینا اس کی بوٹیاں کاٹ کر ریزہ ریزہ کر کے سمندر میں پھنکوا دینا۔ یا جلا کر اس کی راکھ پھنکوا دینی غیر معمولی بات نہ سمجھی جاتی تھی وہ حاکم نہایت رحم دل سمجھا جاتا تھا جو مقتول کے عزیزوں کو اس کی لاش اٹھانے دیتا تھا کہ وہ اس کو قبر میں دفن کر دیں۔

الیفرا نامی ایک عورت تھی۔ وہ عیسائی ہو گئی تو اس کو موت کی سزا دی گئی اس کی ماں اور اس کے تین ملازموں نے اس کو دفن کر دیا۔ حاکم کو خبر ہوئی تو اس نے ان چاروں کو قبر میں بند کر دیا۔ اور حکم دیا کہ قبر کے چاروں طرف آگ جلا کر لاش کے ساتھ ان چاروں کو زندہ جلا دیا جائے

یہ ستم شعاریت پرست یوروپین اور ان کے جبر و قہر کا تختۂ مشق بننے والے بھی یوروپین۔ پھر یہ ستم شعاری صرف عیسائیوں کے ساتھ نہیں۔ بلکہ ہر اس شخص کے ساتھ تھی جو ان کے دیوتاؤں کی پوجا پاٹ نہیں کرتا۔ چنانچہ کچھ لوگ مذہب مانو یہ کے پیرو ہو گئے تھے۔ یہ مذہب ایران میں پیدا ہوا تھا۔

ڈائیوکلیشین[2] نے اس دین کے اکابر کی نسبت حکم دیا کہ وہ زندہ جلا دئے جائیں اور

لہ قسطنطین اعظم ص۱۳۸ (ترجمہ) ۲ قسطنطین اعظم ص۱۴۸ (ترجمہ)

اُن کے مقلدین اگر اس دین کو نہ چھوڑیں تو ان کی جائدادیں ضبط اور اُن کو تہ تیغ کردیا جائے [۱]

دلیل یہ بھی کہ یہ فرقہ دشمن کی ایجاد ہے۔ مگر یہ دلیل جس طرح مانویہ کے مقابلہ میں استعمال کی گئی ایسے ہی نصرانیت کے مقابلہ میں بھی پیش ہوئی۔ اور جب نصرانیت کو عروج ہوا تو نصرانیت نے بھی اس دلیل کو اہلِ بدعت کے مقابلہ میں جو خود عیسائیوں میں پیدا ہوئے تھے استعمال کیا [۱]

ایک فرمان جو شارع عام پر چسپاں کرایا گیا تھا ایک عیسائی نے اس کو نوچ لیا اُس عیسائی کو اسی وقت گرفتار کر لیا گیا۔ پہلے شکنجہ میں کسا گیا پھر ایک آہنی سلاخ سے باندھ کر اُس کو زندہ جلا دیا گیا [۳]

فریجیا (علاقہ آرمینیا کی ایک بستی) کے باشندے عیسائی ہو گئے۔ فوج وہاں پہنچی تو انھوں نے ایک گرجا میں پناہ لی۔ فوج نے چاروں طرف سے گرجا کو گھیر کر آگ لگا دی جتنے آدمی گرجا میں تھے۔ سب جل کر خاک ہو گئے [۴]

یہ بُت پرستوں کی سیاست تھی۔ عیسائیوں کے مقابلہ میں قسطنطین اعظم کے زور تک یہ سیاست کارفرما رہی۔ لیکن ۳۲۳ء میں قسطنطین نے عیسائیوں کو پناہ دیدی پھر خود بھی عیسائی ہو گیا تو بُت پرستوں کی چیرہ دستی ختم ہو گئی۔ لیکن خود عیسائی متفرق فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے رقیب بن گئے اور بقول جان۔ ‌لی فریڈ ہر فرقہ نے دوسرے کے ساتھ وہی کیا جو بُت پرستوں نے ان کے ساتھ کیا تھا [۵]

یہ سب واقعات اُس دور کے ہیں جس کو یورپ کا روشن دور کہا جاتا ہے۔ چوتھی صدی عیسوی کے بعد وہ دور شروع ہوتا ہے جس کو تاریک دور کہا جاتا ہے۔ اس دور کے وحشتناک مظالم جہاں گیرنے اس لئے غیر ضروری ہیں کہ خود اس دور کو دورِ بربریت اور وحشت تسلیم کیا

---

[۱] قسطنطین اعظم ص ۲۲ (ترجمہ) [۲] قسطنطین اعظم ص ۲۳ و ص ۲۵ (ترجمہ)، [۳] قسطنطین اعظم ص ۲۷ (ترجمہ) [۴] (ترجمہ)

[۵] قسطنطین اعظم ص ۳۷ (ترجمہ)

جاتا ہے۔ اس دور کے واقعات[1] کو نظر انداز کر دیجئے۔ سولہویں صدی کے واقعات پر نظر ڈالئے۔

اے۔ ایچ۔ جانسن[1] فرماتے ہیں۔

سینٹ بارتھولومیو کا قتل عام ۲۴ اگست ۱۵۷۲ء کو ہوا۔ مقتولین کی تعداد میں بے حد اختلاف ہے لیکن کم سے کم تخمینہ کے بموجب پیرس میں ایک ہزار اور دیگر مقامات میں دس ہزار آدمیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا گیا[2]

جان۔ بی۔ فرتھ فرماتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ بت پرستوں کے مظالم کی پوری سرگذشت میں ایک مثال بھی ایسے قتل عام کی نہیں ملتی۔ جو فرانس میں سینٹ بارتھولومیو کے دن اور جزیرہ صقلیہ میں عشاء مسیحی کی رسم کے موقع پر خود عیسائیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کا ہوا[3]

چوتھی خانہ جنگی (فرانس کی) اگست ۱۵۷۲ء تا جون ۱۵۷۳ء صرف چند شہروں تک محدود رہی۔ لارمشیل کے محاصرہ میں بیس ہزار سے زائد جانیں تلف ہوئیں۔ جن میں ممتاز افسروں کی تعداد تین ہزار سے اوپر تھی[4]

پیرس یونیورسٹی جو اپنے ۶۵ کالجوں کی وجہ سے اچھا خاصہ شہر بن گئی تھی اور خانقاہوں کے ساتھ مل کر شہر اور مضافات کے ایک حصہ کی مالک ہو گئی تھی وہ کیتھولک فرقہ کا مرکز تھی کیتھولک جماعت الحاد کی سرکوبی کا مصمم ارادہ کر چکی تھی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ۱۵۶۲ء میں جو لوگ جور و ظلم کا شکار ہوئے ان کی تعداد سینٹ بر تھولومیو کے قتل عام سے زیادہ تھی۔ نام الحاد کا تھا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ مذہب کے نام پر سیاسی اغراض کام کر رہی تھیں۔

---

[1] صلیبی لڑائیاں اسی دور میں ہوئیں اس لئے ان کی تفصیل بیان کرنا بھی ضروری نہیں صرف گرانٹ کی تاریخ سے چند فقرے ان عنوانات سے آخر میں نقل کئے جائیں گے۔ جن سے ان کی نوعیت اور ہولناکی کا اندازہ ہو جائیگا

[1] ہم قیاس کن۔ گلستان مین بہار مرا [2] یورپ سولہویں صدی عیسوی میں ص ۴۸۲ [3] قسطنطین اعظم ص ۲۴ رنرجمہ [4] یورپ سولہویں صدی عیسوی میں ص ۴۸۶

[5] یورپ سولہویں صدی عیسوی میں ص ۴۷۵

ایک فرنسیسی شاہد لکھتا ہے۔

امرائے صلاح کو حرص و آز کے لئے اختیار کیا۔ متوسط طبقہ نے کلیسا کی جائداد کیلئے اور ادنیٰ طبقات نے بغض کے لئے [1]

مقدس مذہبی عدالت یعنی ران کوی زیشن

اس عدالت کی ایک مجلس اعلیٰ ہوتی تھی جس میں قانونی مشیر اور علماء دین راہب اور اسقف شریک ہوتے تھے۔ اس کا صدر بادشاہ کا مقرر کردہ ہوتا تھا اس کے ماتحت اور بھی عدالتیں ہوتی تھیں جن کی حفاظت مسلح پولیس سے کی جاتی تھی۔ تحقیقات راز میں رکھی جاتی تھیں۔ اشخاص کو ترغیب و تحریص دلائی جاتی تھی۔ یا دھمکیاں دیکر مجبور کیا جاتا تھا کہ اپنے دشمن اپنے دوست۔ بلکہ اپنے عزیز و اقارب پر بھی لعنت ملامت کرتے رہیں۔ اسی طرح ایک نظام جاسوسی قائم کیا گیا تھا۔ ملزمین کو اقرار جرم پر مجبور کرنے کے لئے سخت سے سخت تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ بے ضرر اور نا قابل اعتراض الفاظ اور عبارتوں میں باریکیاں پیدا کر کے اور جس طرح ممکن ہوتا کھینچ تان کر کے الحاد کے معنی نکال لئے جاتے تھے۔ جس پر مال اور جائیداد ضبط کر لی جاتی۔ کفارہ دلوانے کے لئے قید کر دیتے تھے اور آخری سزا یہ ہوتی تھی کہ مذہبی عدالت سے سزائے موت کا حکم سنا دیا جاتا تھا۔ مجرم کو سرکاری حکام کے حوالہ کر دیا جاتا تھا وہ اس کو نذر آتش کر دیتے تھے حقیقت یہ ہے کہ کچھ سال ایسے گذرے کہ کوئی رسم اس وقت تک مکمل نہیں تصور کی جاتی تھی۔ جب تک مذہبی عدالت سے کسی کو سزائے موت نہ دیجائے [2] یہ مقدس عدالت اُن کے لئے قائم کی گئی تھی۔ جو رومن کیتھولک مذہب سے کسی مسئلہ میں اختلاف رکھتے تھے یہ لوگ خارجی کہلاتے تھے اور انواع و اقسام کے مظالم ان کے ساتھ جائز رکھے جاتے تھے اندلس کے ملک میں یہ عدالت پہلے قسطیلیہ میں ۱۳۹۰ء میں قائم ہوئی تھی لیکن ۱۴۹۰ء میں فرڈیننڈ اور ازابلہ نے اسے دوبارہ قائم کیا اور ۱۴۸۱ء میں تقریباً تین ہزار ۳۰۰۰ آدمی جلا دئے گئے اور سترہ ہزار ۱۷۰۰۰ کو اور مختلف سزائیں ملیں [3]

ممنوعہ کتب پر سزائے موت

فلپ نیدر لینڈز سے ایک قانون منظور کرا کر شائع کیا جس میں ممنوعہ کتب کی خرید و فروخت اور ان کے مطالعہ کرنے والے کی سزا موت قرار دی گئی۔ اور اس قانون

---

[1] سولہویں صدی عیسوی میں۔ [2] یورپ سولہویں صدی میں [3] شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی مترجم تمدن عرب ص ۲۱۲

کی تجدید کی گئی کہ الزام دہندہ کو مجرم کی جائیداد کا چوتھائی حصہ دیا جائے گا[۲] آلوا۔ (ایک فرمان روا) فخر کیا کرتا تھا۔ کہ اس کی حکومت کے زمانہ میں اٹھارہ ہزار چھ سو (۱۸۶۰۰) آدمی قتل کئے گئے[۳]

دورِ ظلمت ۔ (ازمنۂ وسطیٰ) ختم ہو کر دورِ ترقی شروع ہوا۔ اس کا پہلا کارنامہ تھا۔ اندلس میں مسلمانوں کا قتلِ عام۔ مسٹر جانسن کا بیان ہے۔

"وعدے اور قدیم عہد و پیمان توڑ دئے گئے۔ قرآن شریف کے نسخے اور دوسری دینی کتابیں جمع کر کے آتش کی نذر کی گئیں۔ تبدیلِ مذہب کے لئے وحشت اور خوف کے جذبات سے کام لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۵۰۰ء اور ۱۵۰۱ء دو سال بغاوتوں کا سلسلہ قائم رہا۔ بالآخر بغاوت کو پورے پورے طور سے دبا دینے کے بعد یہ نادری حکم شائع ہوا کہ بد قسمت مسلمان یا تو دینِ مسیحی قبول کریں یا نکل جائیں[۴]

یہ کتنے تھے؟ جو اس نادری حکم سے متاثر ہوئے۔ فرانسیسی مورخ موسیو لیبان کی تحقیق ہے اندلس میں تیس (۳۰) لاکھ عرب جان سے مارے گئے یا خارج کر دئے گئے[۱]

صلیبی لڑائیاں ان کی تفصیل بہت طویل ہے اور اس لئے غیر ضروری ہے کہ یہ لڑائیاں اس دور میں ہوئیں جس کو دورِ ظلمت مانا جاتا ہے۔ صرف ایک جھلک دکھانے کے لئے چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

اے۔ جے۔ گرانٹ کا بیان ہے۔

۱۰۹۵ء میں پوپ اربن دوم نے ایک عظیم الشان مجلس کی۔ حاضرین کی تعداد اس قدر تھی کہ کسی ایک مکان میں ان سب کے لئے گنجائش نہیں نکل سکی۔ چند فروعی امور کے تصفیہ کے بعد پوپ نے مجمع کو مخاطب کیا اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ اس نے معنی بدل کر انجیل کی ایک آیت پڑھی۔ اس قسم کی معنی آفرینیاں قرونِ وسطیٰ میں کثرت سے ہوتی رہتی تھیں۔ پادری نے آیت کا مطلب یہ بتایا جو اپنی صلیب نہیں اٹھائے گا اور میرے ساتھ نہیں چلیگا وہ میرا پیرو نہیں ہے"۔

.... [۱] تمدنِ عرب ص۳۴۰ و ص۳۴۱ [۲] تمدنِ عرب ص۲۹۹ و ص۳۰۰ [۳] تمدنِ عرب ص۱۴۹ [۴] ایضاً ص۱۴۳ [۱] اے۔ جی۔ گرانٹ کا یہ ریمارک ہر مسلمان کے لئے درسِ عبرت ہے۔ اگر عالمِ اسلامی میں اتحاد ہوتا تو اس کی فوجی قوت جس نے چالیس (۴۰) سال قبل قسطنطنیہ فتح کر لیا تھا مغرب کی اس آخری سلطنت کو تباہی سے بچا لیتی۔ ملوکِ یورپ کو ہسپانی مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں تھی اور ۱۴۸۹ء میں جب غرناطہ پر حملہ ہوا تو کوئی قوت وہاں مسلمانوں کی مددگار نہ تھی۔ تاریخ یورپ ص۳۴۳ ترجمہ۔

حاضرین میں اس سے ایک مجنونانہ جوش پیدا ہوگیا۔ اور سب چلا اٹھے۔ یہی خدا کی مرضی ہے۔ یہی خدا کی مرضی ہے سرخ صلیبیں آستینوں پر لگا کر تمام لوگ اس مہم کے لئے تیار ہوگئے۔ کیونکہ انہیں تائید آسمانی اور ہدایت خداوندی کا یقین ہوگیا تھا۔

اے۔ جے گرانٹ فرماتے ہیں۔

جو لوگ ابتداءً اس جنگ میں شریک ہوئے ان کی نیک نیتی اور گرم جوشی میں کلام نہیں مگر آغازِ تحریک کے بعد ہی اِس خالص جذبۂ مذہبی میں۔ حرص۔ ہوا پرستی۔ خود غرضی۔ ظلم و ستم۔ انتقام و منافرت اور قتال و خونریزی کے عفریت شامل ہوگئے۔ منافرت صرف مسلمانوں سے ہی نہیں تھی۔ بلکہ غریب یہودی بھی جو مغرب میں آباد تھے گرفتارِ مصائب ہوگئے۔ مالی نقصان کے علاوہ انہیں سخت جسمانی تکلیفیں بھی پہنچائی گئیں۔ اور طرفہ تماشا یہ تھا کہ ان بدکرداریوں کے بانی وہ تھے جو اس سرزمین کو آزاد کرانے جارہے تھے جہاں مسیح نے تمام بنی آدم کے لئے اپنی جان دی۔ (علیہ السلام) صـ۳۵۵ تقریباً دس لاکھ آدمی اٹ یار کو چک پہنچے یہاں انھوں نے کل باشندوں کے مقابل میں مسلمان ہوں یا عیسائی اس قسم کے وحشیانہ افعال شروع کردئے جن کی توجیہ بجز اس کے کچھ نہیں ہوسکتی کہ وہ بالکل اپنے حواس میں نہ تھے۔

"این کامنین شہنشاہ قسطنطنیہ کی لڑکی بیان کرتی ہے کہ ان کا ایک شغل یہ تھا کہ جو بچہ اُن کے سامنے آتا اس کی تکا بوٹی کرکے آگ میں جلا دیتے (تمدن عرب صـ۲۹۶)

ان کی تمام فوج کشیوں میں صلیبیوں کے افعال بالکل رذیل ترین اور احمق ترین وحشیوں جیسے تھے۔ اُن کا برتاؤ شرکاءِ جنگ کے ساتھ۔ دشمنوں کے ساتھ۔ بے قصور رعایا کے ساتھ۔ سپاہیوں۔ عورتوں۔ بچوں۔ اور بوڑھوں کے ساتھ یکساں تھا یعنی وہ سب کو بلا امتیاز لوٹتے اور قتل کرتے تھے (تمدن عرب صـ۲۹۷)

حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی قدیم ہیکل میں اس قدر خون بہا تھا کہ اس میں لاشیں صحن میں تیرتی تھیں۔ صلیبیوں نے اس ابتدائی قتل عام کو ناکافی سمجھ کر ایک مجلس منعقد کی جس میں قرار پایا کہ کل باشندگان بیت المقدس مسلمان۔ یہودی۔ اور غیر مقلد عیسائی تہ تیغ کردئے جائیں۔ ان کی تعداد تقریباً ساٹھ ہزار تھی۔ اس قتل عام کا بازار

آٹھ روز تک گرم رہا۔ عورتیں بچے۔ بوڑھے سب مارے گئے۔ کوئی متنفس جان بر نہ ہوا۔ صلیبی لڑائیوں میں وحشت و بربریت کی مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تمدن عرب از موسیو لیبان از ص۲۹۵ تا ص۳۰۶
۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء کو ایک زبردست دھاوا کیا گیا۔ اس مہم میں کامیابی ہوئی مسیحیوں کے تمام افعال اُن کے انتہائی مذہبی جوش اور دشمنوں سے منافرت پر مبنی تھے۔ دشمن کو قتل کرنا خدا کی عبادت کے مساوی تھا۔
پوپ کو حسب ذیل تحریر بھیجی گئی۔ "خدا ہمارے عجز و انکسار سے رام ہو گیا اور ہمارے عجز و الحاج کے آٹھویں روز اُس نے شہر کو دشمنوں سمیت ہمارے حوالہ کر دیا۔ اور اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ جو دشمن وہاں موجود تھے اُن کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تو اس قدر کہنا کافی ہے کہ جب ہمارے سپاہی حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے معبد میں داخل ہوئے تو ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا۔ (ص۳۵۴) (اس کے بعد)

ایک زبردست مسلمان بادشاہ سریر آرائے سلطنت ہوا جس نے اسلامی سلطنتوں کو متحد کر کے زیر نگین کر لیا تھا۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی تھا جس کی جرارت۔ فراخ دلی اور انسانیت کے افسانے آج تک مشہور ہیں۔ ان افسانوں میں ہر چند مبالغہ سے کام لیا گیا ہے مگر حقیقت سے دور نہیں ہیں۔ "بحرۂ تائی بے ایاس" کے ساحل پر ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ ٹیمپلر اور نائٹ۔ حقیقی صلیب کا ایک ٹکڑا لیکر مردانہ وار بڑھے مگر صلاح الدین ایک بلائے بے درمان تھا۔ اور اس کی فوج بھی زیادہ تھی اس لئے انھیں (عیسائیوں کو) سخت ناکامی ہوئی۔
صلاح الدین اس کے بعد یروشلم کی طرف متوجہ ہوا اور اسے فتح کر لیا ۱۱۸۷ء۔ مگر سلطان مفتوحین کے ساتھ نہایت انسانیت سے پیش آیا ص۳۵۹ پادریوں اور پوپوں کی یہ روش ہو گئی تھی کہ جب کسی جنگ میں وہ شریک ہوتے اور انہیں امداد اور تقویت کی ضرورت ہوتی تو وہ اس کو صلیبی جنگ قرار دیدیتے تھے۔ ص۳۶۴

یورپ اور جذبہ استعمار
اقوام عالم پر جابرانہ تسلط کا شوق

پانچویں صدی عیسوی سے پندرھویں صدی تک تقریباً ایک ہزار سال جن کو زمانۂ وسطیٰ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ مشرق کے لئے کامیابی اور ترقی کا دور تھا مگر یورپ ظلم و جہالت کے اس آسیب میں مبتلا تھا جس نے زندگی کو موت کا درجہ دے رکھا تھا۔ جس کا بڑا سبب کلیسا کا وہ نظام تھا جس کا ایک

ہاتھ اصحاب اقتدار[1] سے پنجہ کشی میں مصروف رہتا تھا اور دوسرا ہاتھ عوام کو تھپکتے ہیں کہ وہ جہالت کی نیند سوتے رہیں۔ ان کا کروٹ لینا گردن زدنی جرم ہوتا تھا (جیسا کہ باب اول میں تفصیل گذر چکی ہے۔)

اس ہزار سال میں ہزاروں بلکہ لاکھوں انسان ایسے ہوئے کہ انھوں نے کچھ کروٹ لی تو مقدس مذہبی عدالت کے فیصلہ یا کسی مذہبی صاحب اقتدار کے حکم سے ان کی گردنیں اڑا دی گئیں۔ زندہ آگ میں جھونک دئے گئے، شکنجہ میں کس دئے گئے، یا گوشت و پوست پھاڑنے اور نوچنے کے لئے ان کو درندوں کے سامنے ڈال دیا گیا۔ اور ایسا بھی ہوا کہ انکی پوری پوری آبادیاں برباد کر دی گئیں۔ لیکن پندرھویں صدی کی بیداری ایسی تھی کہ کلیسا اس پر قابو نہ پا سکا۔

سرزمین یورپ کو اغیار سے پاک کرنے، تنگنا وطن سے باہر قدم نکال کر نو آبادیاں قائم کرنے اور دوسری قوموں کو زیر نگیں کرنے کے جذبات اس بیداری کا نتیجہ تھے۔

شاہ پرتگال (ہنری) نے تقریباً ۱۴۳۰ء میں ساگریز میں عظیم الشان رصدگاہ تعمیر کرائی۔ تاروں کی رفتار سے قوموں کے عروج و زوال کے آثار معلوم کرنا اس کا اہم مقصد تھا۔ اس نے جس طرح علم الافلاک حاصل کیا۔ اسی طرح جغرافیہ کے مطالعہ میں بھی اپنی زندگی صرف کی۔ ساتھ ساتھ اپنی قوم کے منچلے اشخاص کو پروانے دیدئے کہ افریقہ کے مغربی سواحل ساحل ہندوستان اور اس سے آگے جزائر شرق الہند۔ چین کی سرزمین تک تمام علاقے اپنے قبضہ میں کر لیں۔ اور پرتگال کی شاہنشاہیت کے قلعے تعمیر کر دیں۔ اسی جذبہ اور ذوق و شوق کا

---

[1] کلیسا کے مقدس حقوق اور اس کے بے مثال نظم و نسق اور اسکی وسیع دولت نے اس کے افسران یعنی پادریوں کو قرون وسطیٰ کا نہایت طاقتور معاشرتی طبقہ بنا دیا تھا۔ ان کے پاس جنت کی کنجیاں تھیں۔ اور بغیر ان کی امداد کے کوئی شخص جنت میں داخلہ کی امید نہیں کر سکتا تھا۔ (تاریخ مغربی یورپ ۱۶ از ڈاکٹر ابن حسن ترجمہ) پوپ کے متعلق عقیدہ یہ ہوتا تھا کہ پاپائیت کو تمام بادشاہوں پر برتری حاصل ہے۔ پاپا کے افعال پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکتا۔ پوپ کو شاہنشاہوں کے معزول کرنے کا اختیار ہے انسانی نخوت نے بادشاہوں کی قوت پیدا کی۔ خدا کے رحم نے بشپوں کی قوت پیدا کی۔ پوپ بادشاہوں کا آقا ہے۔ تاریخ یورپ از اے جے گرانٹ ص ۲۹۵ (ترجمہ) [2] چھ سات صدیوں تک یورپ میں سلطنت روما کے زوال کے بعد بہت کم اشخاص پادریوں کے علاوہ مطالعہ کرنے پڑھنے اور لکھنا سیکھنے کا خیال کرتے تھے۔ جو مسلمہ طور پر یہ مانتے تھے کہ جس کا تعلق کلیسا سے نہ ہو وہ نہیں پڑھ سکتا (تاریخ یورپ از اے جے گرانٹ ص ۲۱۷ ترجمہ) [3] ہنری المتوفی ۱۴۶۰ء بہ خود بڑا عالم اور محقق تھا۔ اس کے پاس

یہودی اور فاس و مراکش کے بعض ایسے نامور علما جمع ہو گئے تھے جو اپنے زمانہ میں دنیا کے ممتاز علما شمار کئے جاتے تھے۔ انھوں نے ...

نتیجہ تھا کہ بورنیو سینٹو اور میڈیرا میں نوآبادیاں قائم کی گئیں۔ آزورس۔ راس الجزائر وغیرہ دریافت کیا گیا اور افریقہ کے مغربی سواحل میں گھسنا شروع کر دیا گیا۔

سنہ ۱۴۸۲ء میں پوپ مارٹن پنجم سے معاہدہ کر کے طے کر لیا گیا۔ کہ افریقہ کے مغربی سواحل پر پرتگالیوں کو بلا شرکت غیر دریافت و جستجو۔ بلکہ بود و باش اور تجارت کا حق ہوگا۔ ساحل سے متصل جو جزیرے ہیں وہ ہسپانیہ کے قبضہ میں رہیں گے ۵۱

نئی دنیا اس سے تقریباً پچاس سال بعد دو پرتگالیوں نے دو ہندوستان دریافت کر لئے ۱۴۹۲ء میں کولمبس نے ایک سرزمین کو ہندوستان سمجھا۔ وہاں پرتگال کا جھنڈا گاڑ دیا۔ لیکن وہ در اصل نیگرو قوم کی سرزمین تھی مگر بہرحال پرانی دنیا والوں کے لئے نئی دنیا تھی۔ اس کو نئی دنیا یا سرخ ہندوستان کا نام دیا گیا جو بعد میں امریکہ ہوگیا ۵۲

ساحل کے قریب۔ جنگلات یا پہاڑوں میں رہنے والے قدرتی طور پر پس ماندہ ہوتے ہیں انکا تمدن پست اور وحشیانہ ہوتا ہے امریکہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا چنانچہ ایسے قبائل بھی تھے جن کی پوشاک جانوروں کی کھال تھی اور ان کے زیور پروں کے ہار تھے ۵۳

لیکن وسطی امریکہ، میکسکو اور پیرو میں شہر اور قصبے آباد تھے جہاں پتھر کی عمارتیں تھیں ان پر نقوش کندہ تھے اور پچی کاری کا کام تھا۔ وہاں عیش و عشرت کے سامان تعیش کے درجہ تک پہنچے ہوئے تھے ۵۴

وہ بہت سی زبانیں بولتے تھے اندازاً چار سو (۴۰۰) اور کم سے کم ایک سو چھبیس (۱۲۶) زبانیں بولتے تھے

---

۵۱ ماخوذ از یورپ سولہویں صدی میں ۵۲ یہ کولمبس کی بد نصیبی تھی کہ اس نئی دنیا کا نام امریگو ویس پچی کے نام پر امریکہ رکھا گیا۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پہلی مرتبہ کولمبس کے ساتھ گیا تھا اور اُس کے جہاز کا ایک افسر تھا۔ بعد میں اُس نے مستقل سفر کئے۔ بدقسمتی سے بادشاہ کولمبس سے ناراض ہوگیا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی آخری زندگی تنگی اور گمنامی میں گذری اور امریگو ویس پچی نے اپنی زندگی عیش و آرام سے گذاری اور اسی کے نام پر نئی دنیا کا نام امریکہ ہوگیا (تاریخ امریکہ صـ۶۷) کولمبس ان کو انصاف کا واسطہ دیتا رہا جنھوں نے اس کو تاج کی جگہ بیڑیاں پہنائی تھیں اور محل کی بجائے قید خانہ عطا کیا تھا۔ آخر کار مقام ویلا دولڈیر ۲۰ مئی سنہ ۱۵۰۶ء کو اس دنیا کو خیرباد کہا (صـ۴۹ تاریخ امریکہ)

۵۳ تاریخ امریکہ از محمد یحییٰ صاحب تنہا۔

۵۴ تاریخ امریکہ صـ۹۵

اہل یورپ کی یورش نئی دنیا پر اور اُس کا مقصد

نئی دنیا کا پتہ چلا۔ تو یورپ کا ہر ایک ملک اس طرف لپکا۔ اور جس کنارے پر جس کا جہاز پہنچ گیا۔ وہاں اُس نے اپنے ملک کا جھنڈا گاڑ دیا۔ پوپ ایلگیزانڈر ششم نے اپنے مشہور فرمان مورخہ ۴ر مئی ۱۴۹۳ء میں بحر اوقیانوس کو ایک شاندار خط سے تقسیم کیا جس کے جانب شرق کی تمام غیر عیسائی سلطنتوں کو پرتگال کو دیدیا اور جانب غرب کی دنیا کو اسپین کے لئے نامزد کر دیا[1]

یہ یورش کیوں تھی۔ کسی اصلاح کے لئے؟ انسانیت و شرافت پھیلانے کے لئے؟ کوئی آسمانی پیغام پہنچانے کے لئے؟ دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے؟ ہرگز نہیں۔ بالکل نہیں۔ یہ یورش کرنے والے ان سب کاموں سے نا آشنا تھے؟

صوبوں کو تلوار کے زور سے حاصل کرنا۔ کسی سلطنت کے مال کو لوٹ کر آپس میں تقسیم کر لینا۔ کسی قدیم ہندوستانی خاندان کی فراہم شدہ دولت کو چھین لینا۔ یہی معمولی خواب تھا جس کو اسپین (یورپ) کا ہر باشندہ دیکھ کر محظوظ ہوتا تھا[2]

ایلانسو نینو اور کرسٹابل گیرا۔ اگرچہ ان کی دریافتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ مگر وہ موتیوں اور سونے کی اتنی مقدار اپنے گھر لے گئے کہ ان کے ہم وطن ایسی ہی مہمات میں شرکت کے لئے بے چین ہو گئے[3]

دولت کی ہوس بھی ان کے لئے ہمت افزا ثابت ہوئی۔ ابتدائی تحقیق کنندگان کے مذہب میں خدا اور طلا میں کوئی فرق نہیں تھا[4]

انگریز شرفاء کے لڑکے رضاکاروں کی طرح بھرتی ہوئے۔ ۱۰۰ سو آدمی ایک نوآبادی قائم کرنے کے لئے منتخب کئے گئے۔ ان کے نزدیک اگرچہ وہاں کوئی درخت یا جھاڑی نظر نہ آتی تھی۔ لیکن سونا با فراط تھا اور یہ بھی کانوں میں پوشیدہ نہ تھا۔ بلکہ سطح زمین پر بکھرا پڑا تھا[5]

استحصال بالجبر اور وحشتناک سفاکی

وحشی لوگ (امریکہ کے قدیم باشندے) اپنے مہمانوں (فرنگیوں) سے زیادہ خلیق تھے۔ ایک نوجوان ملّاح جو نقریباً ڈوب چکا تھا وحشیوں

---

[1] تاریخ امریکہ صفحہ ۵۱ [2] تاریخ امریکہ صفحہ ۴۲ [3] صفحہ ۴۵ [4] تاریخ امریکہ صفحہ ۱۷ [5] تاریخ امریکہ صفحہ ۵۱ [6] تاریخ امریکہ صفحہ ۸

کی خوش اخلاقی کے باعث جانبر ہوا۔ لیکن ان مسافروں نے ایک بچہ کو اس کی ماں کی گود سے چھین لیا۔ اور ایک نوجوان عورت کو بھگالے جانے کا قصد کیا[۵۱]
اب تک اس نواح کے دیسی لوگ فرنگیوں سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں پاتے تھے لہٰذا ان کو جہاز دیکھنے کے لئے بلایا گیا۔ وہ خوشی خوشی آئے اوران سے جہازوں کے تختے پر ہو گئے۔ فوراً ہی لنگر اٹھا دیا گیا۔ بادبان کھول دئے گئے اور سانٹو ڈومنگو کی طرف چل دئے۔ شوہر اپنی بیوں سے اور بچے اپنے ماں باپ سے جدا ہو گئے[۵۲]

ہسپانیہ والے میدان میں رہتے رہتے گھبرا گئے تھے۔ انھوں نے ایک قصبہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ قصبہ والوں نے مقابلہ کیا تو تمام قصبہ کو جلا کر خاک کر دیا۔ اور دو ہزار پانسو ہندوستانیوں (امریکہ کے قدیم باشندوں) کو تہ تیغ کیا۔ جلا دیا۔ یا دھوئیں سے دم گھونٹ دیا[۵۳]

اب جاہ طلبوں کا وحشیانہ کوچ شروع ہوا۔ جن جن چیزوں کی ضرورت محسوس ہوئی وہ سب ساتھ لیں۔ قیدیوں کے لئے بیڑیاں اور بھٹی کے لئے ضروری سامان سب مہیا کر لیا تھا۔ اور خونخوار کتے بھی دیسیوں کو ہلاک کرنے کے لئے ساتھ تھے[۵۴]

اٹاہولپا (پیرو اور کیوٹو کا بادشاہ) جس کو دھوکہ دیکر بلایا گیا تھا۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ وہ قید کر لیا گیا ہے تو اس نے ہسپانیوں سے کہا کہ جس کمرہ میں وہ قید ہے وہ اس کو سونے سے بھر سکتا ہے بشرطیکہ اس کو رہا کر دیا جائے۔ پرازو (حملہ آور حکمراں) نے وعدہ کیا کہ وہ چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر اس قدر فدیہ ادا کر دے۔ چنانچہ اس نے اعیان سلطنت کو حکم دیا اور دو چار روز کے اندر یہ کمرہ جو بائیس ۲۲ فٹ طویل اور سولہ ۱۶ فٹ عریض تھا سونے کے برتنوں سے بھر دیا گیا۔ وعدہ پورا کرنے کے بعد بادشاہ نے رہائی کی درخواست کی۔ لیکن مکار برازو نے وعدہ پورا کرنے کے بجائے اس کی زندگی کا خاتمہ کرنا چاہا۔ چنانچہ اس نے اپنے دو تین ماتحتوں کو جج بنا کر مقدمہ پیش کرایا۔ نتیجہ ظاہر تھا

[۵۱] تاریخ امریکہ ص۶۷ [۵۲] تاریخ امریکہ ص۷۷ [۵۳] تاریخ امریکہ ص۸۰ [۵۴] تاریخ امریکہ ص۸۰

سزائے موت کا حکم دیا گیا۔ جب اُس نے دیکھ لیا کہ موت سے چھٹکارا نہیں ہے تو یہ التجا کی کہ آگ سے رفتہ رفتہ جلانے کے بجائے تلوار سے اس کا سر کاٹ دیا جائے۔ اُس کو یہ جواب دیا گیا کہ اگر وہ عیسائی ہو جائے تو اس کے ساتھ یہ نرمی روا رکھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ وہ اس مصیبت سے بچنے کے لئے عیسائی ہو گیا اور اس کو تلوار کے ذریعہ موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا [1]

اس میں شک نہیں کہ ہندوستانیوں (امریکہ کے قدیم باشندوں) اور اہل یورپ دونوں کو مساوی حق تھا کہ اس براعظم میں آباد ہوں اور زندگی بسر کریں۔ لیکن اہل یورپ نے ہر طریقہ سے ہندوستانیوں کو دھوکا دیا۔ ان سے کذب و دروغ کے ساتھ کام لیا۔ اِن کو لوٹا کھسوٹا۔ ان کو غلام بنایا۔ اور نشہ کے ساتھ زہریلے سفوف پلائے۔ "قران ٹی نیک" نے ۱۶۹۲ء میں تمام قیدیوں کو جلا دیا۔ ولیم پین کے پوتے نے ۱۷۶۴ء میں ہندوستانیوں کی کھال کھینچنے پر انعامات مقرر کئے۔ ہندوستانی عورت کی کھال کھینچنے کے لئے پچاس ۵۰ شلنگ اور ہندوستانی لڑکے کی کھال کھینچنے کے لیے جس کی عمر دس ۱۰ سال سے کم ہو ایک سو تیس ۱۳۰ شلنگ مقرر تھے اہل یورپ کے لئے یہ ایک معمولی بات تھی کہ وہ اپنے قیدیوں کو قتل کر ڈالتے تھے [2]

انھوں نے تمام ہندوستانیوں کو صفحۂ روزگار سے بالکل نیست نابود کر دیا [3]

یہ اندازہ کرنا کہ شہر میکسیکو کے محاصرہ میں کتنے آدمی قتل و غارت ہوئے مشکل ہے کم از کم ایک لاکھ بیس ۲۰ ہزار اور زیادہ سے زیادہ دو لاکھ چالیس ہزار کا اندازہ کیا جاتا ہے [4]

اے سج۔ گرانٹ مصنف تاریخ یورپ کا ارشاد ہے۔

پُرانی دنیا کا جو اثر نئی دنیا پر ہوا۔ ایسا مضمون ہے جس کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے مگر تاریخ میں اس سے زیادہ دردناک حادثہ کوئی نہیں ہے۔ امریکہ میں بہت سی قومیں تھیں جن کے خاص خاص محاسن تھے ان میں سے بعض اعلیٰ درجہ کا تمدن رکھتی تھیں مگر یہ سب کی سب تباہ ہو گئیں۔ یورپ کی تلوار اور بیماریوں نے لاکھوں کا خاتمہ کر دیا اور بقیۃ السیف

[1] تاریخ امریکہ ص۲۴۳ [2] تاریخ امریکہ ص۹۷ [3] تاریخ امریکہ ص۹۸ [4] تاریخ امریکہ ص۲۳۶

ذلت و خواری کی زندگی بسر کرنے لگے [۱]

دوسرا دریافت کنندہ واسکوڈی گاما

کولمبس۔ اس کے رفقا اور اس کے نقش قدم پر دوڑنے والے اہل یورپ اور ان کے خون ریز و وحشت آلود کارناموں کا مختصر تذکرہ یہ تھا جو سطور بالا میں پیش کیا گیا (بطور مشتے نمونہ از خروارے)۔

بادش بخیر۔ دوسرے پرتگالی "واسکوڈی گاما" تھے جو سفر کولمبس کی تاریخ سے تقریباً چھ سال بعد روانہ ہوئے اور "راس امید" کا چکر کاٹتے ہوئے ایک عرب [۲] ملاح کی مدد سے ۱۴۹۸ء میں اصل ہندوستان کے ساحلی مقام "کالی کٹ" پہنچے۔ یہاں کے مہاراجہ "زمورن" نے اس پرتگالی امیر البحر کا بڑے اعزاز سے استقبال کیا۔ اور اس کو اپنی مملکت میں تجارت کرنے کے حقوق عطا کر دیئے [۳]

یہ سمندر اور یہ ساحل جن کا پتہ یورپ کو آج چلا تھا، عرب نہ صرف اس سے واقف تھے بلکہ نامعلوم [۴] زمانہ سے ان کے جہازوں کا جولانگاہ یہی سمندر تھا اور اس کے ساحلی علاقے ان کی تجارت کا مرکز تھے [۵]

جنوبی ہند کے راجاؤں نے عربوں سے تجارتی تعلقات رکھنے کے لئے انہیں ہر قسم کی مراعات دے رکھی تھی [۶] ان عربوں کا راجاؤں کے دربار میں خاص اقتدار تھا [۷]

---

[۱] تاریخ یورپ ص ۴۸۴ [۲] کمپنی کی حکومت از پروفیسر باری مرحوم [۳] تاریخ ہند عہد برطانیہ مؤلفہ جے سی مارشمن بین ص ۳ (ترجمہ) [۴] عربوں کے تعلقات چین سے اس وقت قائم ہو چکے تھے جبکہ اس بر اعظم کے وجود کا علم تک یورپ کو نہیں تھا۔ تمدن عرب ص ۴۴۴ [۵] عربوں کی تجارت اقصائے ربع مسکون (آباد دنیا کے آخری کناروں تک) پہنچ گئی تھی۔ اور یہ تجارت ان کی اس قدر قدیم ہے کہ خود توراۃ میں اس کا ذکر موجود ہے دو ہزار سال تک عرب تمام عالم کا مرکز تجارت بنے رہے۔ اور زمانہ قدیم میں انہوں نے وہی کام کیا جو یورپ میں "وینس" نے اپنی ترقی کے زمانہ میں کیا تھا۔ (تمدن عرب ص ۸۵)

زمانہ قدیم میں عربوں ہی کی بدولت یورپ کے تعلقات اقصائے ممالک ایشیا کے ساتھ قائم رہے (تمدن عرب ص ۸۵) عرب ہمیشہ سے نہایت دلیر جہاز راں تھے اور فاصلہ سے مطلق خوف نہ کھاتے تھے (تمدن عرب) اس زمانہ میں (قبل اسلام) عرب کی تجارت بہت وسیع پیمانہ پر تھی ان کے جہاز بندرگاہ بصرہ سے ساحل حضر موت و کمپا سے چین تک آیا جایا کرتے تھے (تاریخ جنوبی ہند ص ۵۳) [۶] تاریخ جنوبی ہند از محمود خاں صاحب محمود ص ۵۳ [۷] تاریخ جنوبی ہند

مصہندوستان سونے کی چڑیا ہے" اس شہرت نے کولمبس کو سمندر کی موجوں میں تڑپایا۔ اور وہ ہندوستان کی بجائے نئی دنیا (امریکہ) جا پہنچا۔ وہاں اس کو ہندوستان بیشک نہیں ملا۔ لیکن سونے اور جواہرات کے انبار لوٹنے کے لئے اور لاکھوں انسان ظلم وستم کی مشق کرنے کے لئے اس کے اہل وطن کو مل گئے۔ تمنائیں پوری ہو گئیں۔ سونے کی چڑیا۔ پھر بھی نایاب رہی۔ واسکوڈی گاما اس کے خیابان تک پہنچ گیا۔ لیکن خالی ہاتھ واپس ہوا۔ کالی کٹ کے مہاراجہ نے اس کا اعزاز بہت کچھ کیا مگر اس کو اعزاز کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کو آزادانہ لوٹ مار کی ضرورت تھی جس سے وہ اپنے حرص و طمع کے تنور کو آتش فشاں کر سکتا اس کو اس کا موقع میسر نہ آیا۔

ایک اور نظارہ نے اس کی آنکھوں کو خون آلود کر دیا۔ وہی عرب جن کو یورپ سے نکالا جا رہا تھا جن کے قتل عام سے اندلس میں خون کی ندیاں بہائی جا رہی تھیں۔ اس سے زیادہ افسوسناک اور اشتعال انگیز منظر کیا ہو سکتا تھا کہ وہی عرب یہاں موجود تھے اور ایسے با اثر اور ایسے با رسوخ کہ راجہ مہاراجہ بھی اُن کا احترام کرتے تھے۔ تبلیغ اسلام کی اُن کو عام اجازت تھی بے شمار ہندو اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو چکے تھے اور طرفہ تماشا یہ تھا۔ کہ تبدیلیٔ مذہب کے بعد ان سے نہایت اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔ ہندو راجا اپنی نو مسلم رعایا پر کسی قسم کی سختی یا جبر نہیں کرتے تھے[1] سمجھتے تھے کہ اچھا راستہ انہوں نے اختیار کیا۔

مالا بار کی پوری پچاس بندرگاہوں میں ان کا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ اور عرب و مصر کے تاجروں نے ان سب بندرگاہوں کا اجارہ سا لے رکھا تھا[2]

واسکوڈی گاما واپس پہنچا۔ پرتگال میں اس کا شاہانہ استقبال کیا گیا۔ مگر ایک طرف بیشمار دولت کی تفصیل۔ دوسری طرف واسکوڈی گاما کے خالی ہاتھ لوٹنے کی وجوہات اہل پرتگال کو معلوم ہوئیں۔ تو حرص و طمع اور غیظ و غضب کے ملے جلے

---

[1] کمپنی کی حکومت از پروفیسر باری ص۱۲ و تاریخ جنوبی ہند از محمود خاں صاحب محمود۔
[2] تاریخ ہند عہد برطانیہ از جے۔ سی مارشمین ص۳

جذبات بھڑکنے لگے شاہ پرتگال نے سربراہی منظور کی۔ اور تیرہ جہازوں کا بڑا فوجی جنرل "کاربل" کی سرکردگی میں روانہ کردیا۔ جہازوں پر بارہ سو بحری سپاہی تھے جن پر سات آٹھ پادریوں کا سایہ تھا اور اُن کو حکم دیدیا گیا تھا۔ جوان کا خیر مقدم کرنے کو تیار نہ ہو اُس کو آتش وتیغ کے سپرد کردیا جائے [۵۱]

یہ بیڑا ۱۳ ستمبر ۱۵۰۰ء کو کالی کٹ کے قریب لنگر انداز ہوا اسکوڈی گاما جو یرغمالیں اپنے ساتھ لے گیا تھا وہ شاہ زمورین کی خدمت میں واپس کیں۔ زمورین نے بڑے اعزاز سے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کو ایک تجارت گاہ قائم کرنیکی اجازت دیدی اس اعزاز کے باوجود خاطر خواہ کامیابی اُس کو میسر نہ آئی۔ کہتے ہیں کہ کاربل کو تجارتی مال ہی نہ ملا۔ لوگوں نے اس کو تاجر نہیں بلکہ قزاق سمجھا۔ تو اُس نے اوّل مسلمانوں کے تجارتی جہازوں کو لوٹا کھسوٹا۔ اُن کو آگ لگائی پھر شہر کالی کٹ پر خوب گولہ باری کی (جو شہرت تھی اُس کو صحیح ثابت کردیا) [۵۲]

اب شاہ پرتگال نئے عزم کے ساتھ کارفرما ہوا اُس نے پاپائے روما سے اُن تمام مشرقی ممالک کی سلطنت کا اجازت نامہ حاصل کرلیا جن کا پتہ پرتگالی بیڑہ لگائے اور "شہنشاہ تجارت وفتوحات جہازرانی عرب وہندوستان" کا لقب اختیار کیا۔ اس شہنشاہ نے ادھورے کام کو پورا کرنے کے لئے بیندرہ جہازوں کا ایک مسلح بیڑہ واسکوڈی گاما کی ناخدائی میں روانہ کردیا۔ جو ۱۵۰۲ء (یعنی جس سال اندلس سے عربوں کا اخراج مکمل ہوا) کالی کٹ پہنچا اور اس توہین کی تلافی کا مطالبہ کیا جو کاربل کیساتھ روا رکھی گئی تھی اور جب انکار کیا گیا تو اُس نے شہر کالی کٹ پر گولہ باری کی اور اس کو آگ لگادی [۵۳]

بہرطور ۱۵۰۰ء میں پرتگال والوں کی پہلی تجارتی کوٹھی کالی کٹ میں قائم ہوئی ۱۵۰۶ء میں انھوں نے گوا پر قبضہ کرلیا ۱۵۱۰ء میں کالی کٹ کو لوٹ کر تباہ کرتے ہوئے راجہ کے محل کو جلادیا۔ ایک صدی کے اندر اندر اُن کی کوٹھیاں کوڑیال بندر (منگلور) کوچین سیلون آرمز ڈیو۔ گوا اور ناگ پٹن (ناگور) ضلع مغربی ارکاٹ میں قائم ہوگئیں [۵]

[۱] تاریخ ہند عہد برطانیہ ص ۲ ۔ [۲] تاریخ ہند ص ۴ [۳] تاریخ ہند ص ۱۲ [۴] تاریخ ہند ص ۱۳ [۵] تاریخ جنوبی ہند ص ۳۴۹ کمپنی کی حکومت

"البوقرق" گوا کا دوسرا گورنر تھا۔ اس نے مجمع الجزائر ملایا کے بعد صوبجات تک قدم بڑھائے اور اپنے تجارتی کاروبار کو سماٹرا۔ جاوا اور سیام تک پہنچا دیا [۵۱]

پرتگال اور ہسپانیہ کی روز افزوں دولت کو دیکھتے ہوئے یورپ کی تمام قومیں امریکہ اور ہندوستان پر ٹوٹ پڑیں۔ ڈین۔ ولندیز۔ انگریز۔ فرانسیسی اور جرمن اس تگ و دو میں شامل تھے۔

اس کے بعد لرزہ خیز مظالم کی ایک طویل داستان ہے جو ستم اہل یورپ نے امریکہ کے باشندگان قدیم پر کئے تھے ان سے کہیں زیادہ مظالم ساحل جنوبی ہند کے باشندوں پر کئے گئے [۵۲]

ان ستم شعار بندگان حرص و طمع کی نظر میں ہندو و مسلمان کا کوئی فرق نہیں تھا انھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں پر جو ظلم کئے ان کی ادنیٰ مثال یہ ہے۔

سیاح فریزر کہتا ہے۔

میں صبح ہی صبح اس مقام پر پہنچا جو پرتگالی پادریوں کا دار القضاء کہلاتا ہے اس دار القضاء کو مقتل کہا جائے تو بالکل مناسب ہوگا۔ بازار کے بیچ میں ایک بہت بھاری اور بڑا انجن سولی کی طرح کھڑا کیا گیا تھا جس پر ایک چرخ لگا ہوا تھا۔ انجن پر پہنچنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ جس کو سزا دینی ہوتی تھی اس کو شہتیر پر چڑھا کر چرخ (کرین) کے ذریعہ اوپر کھینچ لیتے تھے۔ پھر وہاں سے اس کو گرا دیتے تھے۔ جس کے صدمہ سے اسکی ہڈیاں چور چور ہو جاتی تھیں اس کے علاوہ پادری جس کو آگ میں جلانے کا حکم دیتے تھے۔ اس کو ایک قسم کا لباس پہنا کر جلادوں کے حوالہ کیا جاتا تھا جو انھیں لے جا کر آگ میں زندہ ڈال دیتے تھے۔

بازار میں سوائے سور کے اور کوئی گوشت فروخت کرنا ممنوع تھا ہندو اور مسلمان دونوں اس ظلم کو سہہ رہے تھے [۵۳]

(کتاب تحفۃ المجاہدین میں پرتگالیوں کے ظلم و ستم کی پوری تاریخ دی گئی ہے)

---

[۵۱] یورپ سولہویں صدی میں اور تاریخ ہند عہد برطانیہ میں صفحہ ۳ [۵۲] کمپنی کی حکومت صفحہ ۲ [۵۳] تاریخ جنوبی ہند

سمندروں کا امن تباہ

جو پیشہ ور اور کبھی سیاسی جنگجو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے (رومی جمہوریت کے دور سے) یورپ کے سمندروں میں قزاقی کیا کرتے تھے اور اب اُن کے اخلاف اور جانشین یہی خدمت پوری سنگدلی سے انجام دے رہے تھے، واسکوڈی گاما نے ان کو ہندوستان کا راستہ بتا دیا تو ان کے جہازی پوری سرگرمی سے بحرِ ہند بحرِ عرب اور مشرق کے سمندروں میں تاخت و تاراج کرنے لگے۔ بقول پروفیسر باری۔

"پرتگیزی اپنے ظلم و ستم میں سمندر کے چنگیزی تھے۔ کالی کٹ کے باشندوں پر ظلم توڑنے کے علاوہ حاجیوں کے جہازوں کو لوٹتے اور زائروں کو قتل کرتے۔ گجرات کا بادشاہ بحری لڑائیوں میں انہیں شکست نہ دے سکا۔ پرتگیزیوں نے ہندوستان میں بے پناہ مظالم کئے لاوارث بچوں کو جبراً عیسائی بنا لیا جاتا تھا۔ ان مظالم کی وجہ سے گوا ایک نصرانی شہر بن گیا ہندوستان کے ساحل پر پرتگیزوں نے قیامت برپا کر رکھی تھی۔ غلط ہے کہ ہندستان میں سب سے پہلے آتشین اسلحہ پانی پت کی پہلی جنگ میں استعمال کئے گئے البوکرک (البوقرق) کالی کٹ میں نار و آتش سے کھیل چکا تھا۔"[2]

تاجروں کے جہازی قافلے ایک دوسرے کو لوٹ لینا تجارت خیال کرتے تھے[3]

پرتگالی۔ انڈونیشیا کے شہر ملکا میں داخل ہوئے تین دن تک قتل و غارت کیا سارے شہر کو تاراج کر دیا۔ مال و متاع جس قدر ہاتھ لگا سب لے گئے[4]

عربوں پر ماتم

جائے ماتم ہے کہ وہ عرب جو بقول "موسیو لی بان" بارود اور توپ کے موجد تھے[5] ان پر ایسی غنودگی چھا گئی تھی کہ خود اپنی ایجاد سے وہ تہی دست تھے۔ اور جس کے ذخیرے اُن کے پاس تھے جو ان کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹا دینے پر تلے ہوئے تھے یورپ والے آتشیں اسلحہ کی بدولت ہی یہاں کے باشندوں پر فتحیاب ہوئے[6]

---

[1] بحرۂ شمالی میں بحری غارتگر اور لٹیرے بکثرت تھے۔ وہ اکثر با تہذیب اور باقاعدہ ہوتے تھے ان کے افسران اعلیٰ قابلیت کے اشخاص ہوتے تھے جو اس کام کو برا نہیں سمجھتے تھے (تاریخ مغربی یورپ ص۲۵ و ترجمہ) [2] کمپنی کی حکومت ص۲۲ [3] کمپنی کی حکومت ص۱۵ [4] تمدن انڈونیشیا ص۲۸۴ ج ۱ - از نور احمد صاحب قادری [5] تمدن عرب ص۴۴۴ [6] تاریخ جنوبی ہند ص۳۲۹

الحاد اور لامذہبیت

یہ درست ہے کہ سولہویں صدی میں یورپ خصوصاً فرانس بہت سخت خانہ جنگی میں مبتلا رہا۔ لاکھوں انسان قتل و غارت ہوئے مگر اس کا حقیقی سبب وہ بیداری تھی جس نے ایک طرف عوام کو اس سیاسی اور اقتصادی نظام سے بغاوت پر مشتعل کیا جس نے نیچے طبقے کے انسانوں کو ذلیل جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل زندگی پر مجبور کر رکھا تھا دوسری طرف کلیسا کے ان فرسودہ عقائد سے مخالفت اور نفرت تھی جنھوں نے دماغوں کو ایسا منجمد کر دیا تھا کہ اصلاح کو بھی بدعت اور کفر و ارتداد سمجھا جاتا تھا۔

"مارٹن لوتھر" متوفی ۱۵۴۶ء بانی فرقہ پروٹسٹنٹ۔ اس کے شاگرد رشید "جان کالون" متوفی ۱۵۶۴ء بانی فرقہ کالونسٹ کی کوششیں۔ اس جمود کے خلاف تھیں۔ جنھوں نے رومن کیتھولک کے مقابلہ پر مجالس مباحثہ ہی گرم نہیں کیں۔ بلکہ وہ میدان کارزار گرم کئے جن کو ہزاروں لاکھوں انسانوں کے تازہ خون کے فوارے بھی سرد نہ کر سکے۔

کشت و خون کے اس طوفان میں اس جماعت نے جنم لیا جس کا مذہب تھا۔ مذہب سے بیزاری۔ کفر۔ الحاد انکار خدا۔ کلیسا نے اس کو وحشیانہ جبر و تشدد سے دبانا چاہا اس کو جہنم رسید کرنے کے لئے بہت سے آگ کے جہنم تیار کئے گئے۔ اس جماعت کو جتنا کچلا گیا۔ مگر جتنا اس کو دبایا گیا۔ یہ جماعت اتنی ہی ابھری اس کی قربانیاں اگرچہ خدا پرستی اور روحانیت کے لحاظ سے بے سود تھیں، کیونکہ یہ قربانیاں نہ خدا پرستی کے لئے تھیں نہ روحانیت کے لئے۔ بلکہ مادہ پرستی اور تردید روحانیت کے لئے تھیں۔ مگر قربانیاں پھر بھی بے نتیجہ نہ رہیں۔ ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ انکار خدا اور مادہ پرستی ہی کو حقیقت سمجھا گیا۔ مذہب کا مذاق بنایا جانے لگا۔ دہریت کو روشن خیالی قرار دیا گیا۔ اور ترقی پسندوں کا یہی فیشن ہو گیا۔

ترکوں کا زوال

پندرہویں اور سولہویں صدی میں یورپین حکومتوں کی آپس کی رقابت اور کشمکش سے ترک فائدہ اٹھاتے رہے۔ اسی میں ان کی قوت کا راز مضمر تھا۔ لیکن سترہویں صدی میں کچھ ترکی سلطنت کی اندرونی خرابیوں نے اس کو یورپ کا مرد بیمار بنا دیا اور زیادہ تر یورپین حکومتوں کی رقابت نے۔ یورپ کی حکومتیں اگرچہ آپس میں دست و گریباں تھیں لیکن

ترکوں کے خلاف ان کا نقطۂ نظر اور ان کا عمل واحد تھا کہ اس مرد بیمار کا جنازہ نکال دیا جائے وجہ یہ تھی کہ ترکی سلطنت کا زیادہ حصہ ایشیا میں تھا۔ اس وجہ سے وہ ایک ایشیائی مملکت سمجھی جاتی تھی کسی ایشیائی مملکت کا تسلط یورپ میں اہل یورپ کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ترکی جس کے جھنڈے سولھویں صدی کے شروع میں مراکو کے کوہ اطلس سے لیکر دہانہ دریائے فرات تک۔ منبع دریائے نیل سے لیکر ورسٹما کے دروازوں تک اور عدن سے لے کر کوہ قاف کی چوٹیوں تک لہراتے تھے[1]

جس کی بحری قوت پورے یورپ پر بھاری تھی ۱۵۷۱ء میں اس کے بحری بیڑے کو وینس کے مقابلہ میں لپنٹو میں شکست ہوئی[2]

اور اس کا عروج تنزل سے بدل گیا۔ سترھویں صدی کے اواخر ۱۶۸۲ء میں پورا ہنگری سلطنت عثمانیہ سے نکل گیا جس کا رقبہ ایک لاکھ سترہ ہزار چھ سو مربع میل اور آبادی تقریباً دو کروڑ تھی[3]

پھر صدی کے ختم ہونے تک پڈولیہ اور ٹرانسولیہ سے بھی ترکی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا[4]

اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر میں یورپ میں ایک بھونچال آیا۔ اس کا مرکز اگرچہ فرانس تھا مگر یورپ کی ساری زمین اس سے دہل گئی۔ اس کے جھٹکے سمندر پار مصر تک پہنچے یہ بھونچال تھا۔ نپولین بوناپارٹ کا وجود۔ اور اس کا عروج۔ انیسویں صدی کا آٹھواں حصہ بھی ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ یہ فاتح اعظم خود انقلاب کا شکار ہو گیا۔ برٹش کی فوجوں نے اس کو گرفتار کر کے سینٹ ہلنا پہنچا دیا۔ جہاں ۱۸۱۵ء میں وہ اس جہاں سے رخصت ہو گیا۔

بونا پارٹ ختم ہو گیا۔ مگر انقلاب آفریں اضطراب ختم نہیں ہوا۔ وہ کروٹیں بدلتا

---

[1] تاریخ خاندان عثمانیہ جلد اول ص ۳۲۶ [2] روئے زمین کے سلمان سلاطین۔ مصنفہ مسٹر سٹینلی لین پول۔ نیز سولھویں صدی میں یورپ۔ [3] تاریخ خاندان عثمانیہ جلد اول ص ۳۲۶ [4] روئے زمین کے سلمان سلاطین۔

ہوا کمیونزم کے دہانہ پر پہنچ گیا۔ انہیں کرولوں میں "منگلس" نے جنم لیا۔ جس نے انقلاب کا نقشہ تیار کیا جس میں لینن نے کامیابی کا رنگ بھرا۔

یورپ کی اندرونی سیاست کے پیچ وخم اور کش مکش میں عجیب بات یہ تھی کہ اگرچہ وہ خود ایک بحران میں مبتلا تھا۔ مگر اس بحران نے استعمار اور دوسری قوموں سے استحصال کے عمل میں فرق نہیں آنے دیا۔ وہ دن بدن بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ بحران زدہ یورپ سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے پوری دُنیا پر چھا گیا۔

ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے تجارت کے ساتھ حکومت کا لبادہ بھی اوڑھ لیا وسط صدی (۱۷۵۷ء) میں جنگ پلاسی فیصلہ کن تھی جس نے بنگال اور بہار کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی گود میں ڈال دیا۔

میسور نے ایک بہادر فرزند پیدا کیا۔ "سلطان ٹیپو" جو برطانیہ عظمیٰ کے لئے دوسرا نپولین تھا۔ مگر فرق یہ تھا کہ نپولین کو شکست ہوئی تو برطانیہ عظمیٰ کے کمانڈر یہ نہیں کہہ سکے کہ فرانس ہمارا ہے۔ فرانس اہل فرانس کا رہا صرف وہ چٹان ہٹ گئی جس نے کروٹ لیتے ہوئے انقلاب کا راستہ روک دیا تھا۔

لیکن جب میسور کے اس شیر ببر سلطان ٹیپو کو شہید کر دیا گیا جس کا مقولہ یہ تھا[۱] کہ "گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے" تو برطانوی جنرل ہارس کا نعرہ یہ تھا کہ "آج ہندوستان ہمارا ہے"[۲]

یہ تھا یورپ اور اس کی تاریخ کا ایک ورق۔ غور سے دیکھئے اور خوردبین لیکر دیکھئے کہیں انسانیت، شرافت اور روحانیت کا کوئی نشان نظر آتا ہے؟

تحریک شیخ الہند کی علت

پھر غور فرمائے وہ انسان جس نے انسانیت کو خیرباد نہ کہا ہو جس کے دل میں نوع انسان کا درد ہو۔ جو حق کو پسند کرتا ہو۔ انصاف کا حامی ہو۔ شرافت کی قدر کرتا ہو رحم سے نا آشنا نہ ہو اس کا جذبہ ایسے ملک اور ایسی قوم کے متعلق کیا ہوگا۔ یہی جذبہ تحریک شیخ الہند رح کی علت اور اصل بنیاد ہے مجھے حضرت

[۱] تاریخ سلطنت خداداد ص ۳۶۳ [۲] تاریخ سلطنت خداداد ص ۴۱۳

شیخ الہند رحمۃ اللہ سے استفادہ کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ لیکن حضرات اساتذہ کے حلقہ میں حضرت شیخ الہند کا یہ مقولہ مشہور تھا کہ فرنگی سے نفرت جزوِ ایمان ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

حضرات علما کا احساس

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں "معرفت خدا عز وجل برآں کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند (مکتوب ۲۶۱ ص ۳۰۵ نولکشوری)

(ترجمہ) خدا شناسی اس شخص پر حرام ہے (اس کو کبھی میسر نہیں ہو سکتی) جو اپنے آپ کو "کافر فرنگ" سے بہتر جانے۔

حضرات اولیاء اللہ کا اصول یہ ہے۔ اپنے سے بدظن رہو دوسروں سے حسن ظن رکھو مجدد صاحب کے اس فقرہ میں اسی اصول کی تشریح ہے کہ ایک خدا پرست خداشناس عارف کو اپنے نفس سے یہاں تک بدظن رہنا چاہیئے کہ اپنے آپ کو کسی سے حتیٰ کہ کافر فرنگ سے بھی بہتر نہ سمجھے جبتک خود پسندی کا غرور اس درجہ پامال نہیں ہوگا۔ خداشناسی میسر نہیں آئے گی۔

حضرت مجدد صاحب نے اپنے انداز میں اپنے ذہن کے مطابق یہ فقرہ تحریر فرمادیا۔ مگر اس کا بین السطور یہ ہے کہ سب سے بدتر کافر فرنگ ہے اور یہ کہ اس کا بدتر ین ہونا اتنا معروف اور مشہور ہے کہ اسکی بدتری کو مثال میں پیش کیا جاتا ہے۔ جس طرح بہادر کو شیر کہہ دیا جاتا ہے اور سخی کو حاتم تو اگر کسی کو بدتر کافر کہنا ہو تو اس کے لئے لفظ کافر فرنگ کافی ہے۔

یہ بات کس دور کی ہے

حضرت مجدد الف ثانی کا اسم گرامی "احمد" ہے ولادت ۱۴ شوال ۹۷۱ھ (اپریل ۱۵۶۴ء) وفات ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ (نومبر ۱۶۲۵ء)

مختصر یہ کہ مغل اعظم شہنشاہ اکبر (متوفی ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۶ء) کی سلطنت عروج پر تھی۔ جب مجدد صاحب (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ) کی اصلاحی خدمات کا سلسلہ شروع ہوا جو جہانگیر کی وفات (۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء) سے تین سال پہلے تک رہا۔

مجدد صاحب رحمۃ اللہ کی پیدائش سے تقریباً چھیاسٹھ ۶۶ سال پہلے (۹۰۵ھ میں) "واسکوڈی گاما" ہندستان پہنچ چکا تھا۔ اس کی یہ پہنچ بحری قزاقوں کے لئے خوشخبری تھی۔ چنانچہ ان کے بیڑے

ساحلی علاقوں پر منڈلانے لگے اور جہاں ان کو موقع ملا نو آبادی قایم کر دی گوا۔ دمن کوچین۔ ہگلی۔ چاٹگام وغیرہ میں ان کی آبادیاں ہو گئیں تھیں گولہ باری اور آتش فشانی کی جس دھوم دھام سے یہ آبادیاں قائم ہوئیں اور یورپ والوں کے پاؤں یہاں جمے اس کا کچھ تذکرہ چند صفحات پہلے گذر چکا ہے

عام احساس نہیں تھا

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ کالی کٹ۔ گوا وغیرہ میں جو مظالم اہل یورپ نے کئے تھے ہندوستان کے باشندوں کو ان کی خبر نہیں تھی۔ خبر ضرور تھی چنانچہ کافر فرنگ کا بدترین کافر ہونا عرف عام بن چکا تھا۔ مگر اس کا احساس نہیں تھا کہ جس کی ابتدا یہ ہو اُس کی انتہا کیا ہوگی۔ کیونکہ

(۱) ہندوستان ایک ملک نہیں بلکہ ایک برصغیر تھا جو شمالی اور جنوبی ہند پر منقسم تھا پھر جنوبی ہند میں آٹھ سلطنتیں تھیں [۱] بنگال ایک الگ خطہ تھا [۲]

بنگال سے کابل تک کا علاقہ اگرچہ مرکز دہلی سے وابستہ تھا۔ مگر خود دہلی کی حالت غیر یقینی تھی۔

"واسکوڈی گاما" جب کالی کٹ پہنچا تو دہلی کا ناخدا لودھی خاندان کا آخری بادشاہ "ابراہیم" تھا۔ جو ایک کمزور بادشاہ تھا۔ ملک کا نظام بھی کمزور تھا۔ آخر کابل سے "بابر" آیا۔ اور اُس نے ابراہیم کے ساتھ لودھی خاندان کے اقتدار کو بھی صفحہ سیاست سے نابود کر دیا۔ (۹۳۲ھ ۱۵۲۶ء)

لودھی خاندان کا اقتدار ختم ہوا مگر اس کی قوم پٹھان کا وجود ختم نہیں ہوا۔ بلکہ اس وجود میں ایک حرارت پیدا ہو گئی۔ وہ تھی مغلوں کی رقابت۔

بابر کی زندگی نے وفا نہیں کی وہ صرف چار سال افغانستان و ہندوستان کا شہنشاہ رہا کہ پیغام اجل آپہنچا۔ (۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء ۹۳۷ھ)

---

[۱] (۱) سلطنت بہمنیہ۔ بانی حسن گنگو بہمنی۔ دارالحکومت گلبرگہ (۲) عادل شاہی دارالحکومت بیجا پور۔ (۳) نظام شاہی۔ دارالسلطنت احمد نگر۔ (۴) قطب شاہی دارالسلطنت گولکنڈہ (۵) برید شاہی دارالسلطنت بیدر (۶) عماد شاہی دارالسلطنت ایلچ پور (برار) (۷) بیجے نگر کی ہندو سلطنت (۸) سلطنت مالوہ و گجرات دارالحکومت احمد آباد [۲] دارالسلطنت دیناج پور۔

اس کا بیٹا نصیر الدین ہمایوں جانشین ہوا وہ بہت بہادر اور باہمت تھا مگر شیر شاہ سوری کے جلال کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ اور ایران جا کر پناہ لی اور جب تک شیر شاہ کے بعد اس کا جانشین بھی ختم نہیں ہو گیا وہ دہلی نہیں پہنچ سکا۔ تقریباً پچیس ۲۵ سال اسی میں بیت گئے آخر ۱۵۵۶ء (۹۶۴ھ) میں ایرانی فوج کی مدد سے ہمایوں نے پھر تخت دہلی واپس لے لیا۔ مگر تخت اس کے قدموں کے نیچے تھا اور موت سر پر۔ پورا سال بھی نہیں چھ مہینے ہوئے تھے وہ تاروں کی رفتار دیکھنے کے لئے جنتر منتر پر چڑھا اُترتے ہوئے پیر پھسلا اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ شاید ہارٹ فیل ہو گیا۔

اب اکبر کا دور شروع ہوا جو اس صدی کے بعد بھی پانچ سال ۱۶۰۵ء (۱۰۱۴ھ) تک باقی رہا۔

بہر حال خطرات فرنگ خاطر میں نہ لاسکنے کا ایک سبب یہ انقسام و انتشار تھا یعنی جنوبی ہند منقسم تھا اور شمالی ہند منتشر اور غیر مطمئن۔

اکبر کے دور میں یعنی واسکوڈی گاما کے ہندستان پہنچنے سے تقریباً ساٹھ ۶۰ سال بعد شمالی ہند کی یہ حالت نہیں رہی اکبر نے سلطنت مغلیہ کو اتنا مستحکم کر دیا کہ تقریباً ڈھائی سو برس ۲۵۰ تک اسکی عظمت کے پرچم ہندوستان میں لہراتے رہے مگر

(۱) اکبر ہندوستانی بن چکا تھا۔ راجگانِ ہند کے رجحانات اس کا مزاج بن گئے تھے راجگانِ ہند رام کے پرستار تھے ان کو راون کے پرستاروں (جنوب کے ہندوؤں) سے کوئی دلچسپی نہیں تھی ممکن ہے وہ ان کی تباہی سے خوش ہوتے ہوں۔ اکبر کا بھی یہی مزاج تھا۔ چنانچہ وہ ان کی آؤ بھگت کر رہا تھا جو کالی کٹ گوا اور دمن وغیرہ میں چنگیز اور ہلاکو بن رہے تھے (تفصیل چند سطر بعد)

(۲) اس میں کیا شک ہے اکبر بہت بڑا زمانہ شناس، مردم شناس۔ دور اندیش اور بہت بڑا مدبر تھا مگر یہ اس کی شناسائی اور دور اندیشی مغل شاہنشاہیت کو مضبوط کرنے کے لئے تھی اور بس۔

وہ دین الٰہی کا موجد تھا۔ اُس نے امراء دولت کے لئے سجدہ کرنا لازم کر دیا تھا اور عوام کو اپنے درشن کرایا کرتا تھا تاکہ اس کی تعظیم اور اس سے وفاداری دلوں کی گہرائیوں

تک اکبر جائے مگر نوع انسان کی ہمدردی سینۂ مجددؒ جس کا لالہ زار تھا۔ اکبر اس کو اپنی سیاست پر قربان کر چکا تھا۔ اس کا مذہب سیاست تھا یعنی شاہنشاہیت۔ گجرات میں کچھ خلفشار ہوا۔ اکبر پہنچا۔ بندرگاہ سورت کا محاصرہ کرلیا۔ سورت کی مدد پر پرتگیزی تھے۔ انھوں نے پیغام صلح بھیجا۔ اکبر نے پیغام منظور کرلیا ۵۱

پھر جنوبی ہند کے انہیں تباہ کاروں کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ یہ تباہ کار اکبر کی نظر میں مرتاض اور عبادت گذار تھے۔ انھوں نے انجیل مقدس پیش کی۔ تثالث ثلاثہ کے متعلق دلائل پیش کئے نصرانیت کی حقانیت ثابت کی۔ ابوالفضل کو حکم دیا کہ انجیل مقدس کا ترجمہ ان پادریوں سے پوچھ پوچھ کر کرد۔

اکبر کے مشہور وقائع نگار ملا عبدالقادر تحریر فرماتے ہیں۔

"دانایان مرتاض ملک فرنجہ کہ ایشان را پادھری ومجتہد الشان را پاپا می گویند۔ انجیل آوردہ بر ثالث ثلاثہ دلائل گذرانیدہ وحقیقت نصرانیت ثابت کردہ ۵۲

یہی زمانہ تھا کہ انہیں دانایان مرتاض کی قوم کے بحری سورما حاجیوں کے جہازوں کو لوٹا کرتے تھے مسلمانوں سے ان کو سخت دشمنی تھی۔ ابھی ایک صدی نہیں گذری تھی کہ اُندلس میں مسلمانوں کا قتل عام کر چکے تھے۔ اب بھی بقولِ بعض مورخین وہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے۔

اکبر نے سمندر دیکھا سورت میں سمندری قزاقوں سے اس کا واسطہ پڑا۔ مگر اس کو بحری بیڑہ بنانے کا خیال نہیں آیا۔ کیونکہ ان قزاقوں سے اس کی شہنشاہیت کو خطرہ نہیں تھا۔ سورت میں جو کچھ ہوا۔ وہ اس کی نظر میں عارضی معاملہ تھا۔ یہ تھی اسکی دوراندیشی۔ بہرحال وجوہات کچھ بھی ہوں کافر فرنگ کے خطرات کا احساس نہ ارباب حکومت کو تھا نہ وفاداران حکومت کو یہ کچھ سینۂ مجددی کا تاثر تھا کہ کافر فرنگ کو بد ترین کافر سمجھتے تھے۔

ہم نے بہت سے صفحات رنگین کئے کہ سفید فام یورپ کی خوں ریز تاریخ سیاہ کی

---

۵۱ کمپنی کی حکومت ص ۸۰ ۵۲ منتخب التواریخ از بدایونی۔

ایک جھلک پیش کر دیں معلوم ہوتا ہے۔ ضمیر مجدد ہم سے زیادہ اس تاریخ سے واقف تھا (رحمۃ اللہ) کیوں نہ ہو۔ وہ اگرچہ حج کو بھی نہ جا سکا [1] مگر اس کے حلقۂ ارادت میں ہندی اور غیر ہندی سب ہی شامل تھے۔

حضرت مجدد کے فقرہ میں لفظ "انگریز" نہیں ہے لفظ فرنگ ہے۔ انگریز تو اس وقت تک آئے بھی نہیں تھے۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں کی بھاگ دوڑ تو بعد میں (سولہویں صدی کے ختم اور سترھویں صدی کے آغاز میں) شروع ہوئی پرتگیز۔ ولندیز (اہل ہالینڈ) ڈینز (اہل ڈنمارک) پہلے آچکے تھے۔ اور سواحل ہند پر اپنی آمد کے جلوے دکھا چکے تھے حضرت مجدد رحمۃ اللہ کے دور آخر (سنہ ۱۶۲۵ء) تک یہی قومیں نمایاں تھیں۔

حضرت مجدد صاحب کا فقرہ یورپ کی کسی خاص قوم سے نہیں بلکہ پورے یورپ سے تلخی اور ترشی ظاہر کرتا ہے۔

جنگہائے صلیبی میں پورے یورپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اور مقابلہ میں اگرچہ ایک مسلمان فیلڈ مارشل صلاح الدین ایوبی تھا۔ مگر اس کا دفاع صرف مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ پورے مشرق کی طرف سے تھا۔ [2]

اکبر کی نظر صرف اپنی شاہنشاہیت پر تھی۔ لیکن حضرت مجدد صاحب رح کا سینہ پوری نوع انسان کے لئے کھلا ہوا تھا۔ ان کو گوارا نہیں تھا۔ کہ ایشیا جو انسانیت شرافت اور اخلاق کا گہوارہ رہا ہے۔ اور آج بھی اس کے گلشن میں یہی پھول کھل رہے ہیں۔ اس پر اس یورپ کا تسلط ہو۔ جہاں شرافت اور اعلیٰ اخلاق کھوٹا سکہ ہیں۔ جن کی یورپ کے بازار میں کوئی قیمت نہیں ہے۔

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ کا یہی جذبہ یعنی مشرق سے مغرب کا دفاع ان کا مقدس ترکہ تھا۔ جس کو ان علماء نے اپنایا جو حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ کے جانشین ہوئے۔

---

[1] سوانح نگاروں نے اگرچہ اسکی مختلف وجوہ بیان کی ہیں مگر تاریخ کے لحاظ سے وجہ یہ تھی کہ یورپین قزاقوں نے سمندر کا امن ختم کر دیا تھا

[2] ان لڑائیوں کا سلسلہ گیارھویں صدی کے آخر سنہ ۱۰۹۶ء سے تیرھویں صدی کے آخر تک (تقریباً دو سو برس ۲۰۰) جاری رہا (تاریخ مغربی یورپ ص ۱۹۶ تا ص ۲۰۲)

انیسویں صدی عیسوی اور تیرھویں صدی ہجری کے آخری سالوں میں یہ جانشینی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہٗ اور اُن کے رفقار کے حصہ میں آئی تھی۔ رحمہم اللہ۔

معیار جانشینی کیا تھا۔؟ یہ احساس کہ صرف ہندوستان نہیں بلکہ مشرق نشانہ ستم وجفا ہے اور صرف انگریز نہیں بلکہ پورا یورپ ستمگر وجفا کار ہے۔ پورا یورپ حملہ آور اور ایشا وافریقہ یورش زدہ ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے سیاسی اور اقتصادی اصول

اس کے باوجود کہ سینۂ اکبر کو تذب مجددؒ کا سوز و گداز عطا نہیں ہوا تھا۔ اس کے سامنے صرف مغل شاہنشاہیت تھی اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ متفرق فرقوں کے میل ملاپ اور باہمی اتحاد و یگانگت کی بنیادوں پر شاہنشاہیت کی تعمیر کرنا چاہتا تھا اور اگرچہ اس کے غیر معمولی غلو نے اس کے قدموں میں وہ لغزش پیدا کردی جس پر حضرات علماء کو اعتراض رہا۔ مگر جہاں تک میل ملاپ اور یکجہتی بلکہ جہاں تک ملکی معاملات میں جذباتی ہم آہنگی و اتحاد کا تعلق ہے۔ اکبر ایسا کامیاب رہا کہ اس نے اسی ہم آہنگی اور یکجہتی کو سلطنت مغلیہ کا طرۂ امتیاز بنا دیا۔

اقدامی جنگ ہو یا دفاعی بازار تجارت ہو یا کارگاہِ صنعت وحرفت، تمدن کا مسئلہ ہو یا باہمی معاشرت کا مغل شاہنشاہیت کے دور میں ہندو اور مسلمان آپس میں ہم کنار و ہم آغوش نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ کا امن وامان خوشحالی، سکون اور اطمینان بے نظیر ہے۔

عروج ہندستان کے اس دور میں اگرچہ یورپین تو وارد نہیں (اور مجددؒ کے الفاظ میں کافران فرنگ کی حرکتیں بڑھتی رہی ہیں۔ اور ان میں جارحیت پیدا ہوتی رہی مگر ان کی گوشمالی کرنے والے ہاتھ بھی بہت مضبوط تھے۔ ملک کی خوشحالی اور قابل اعتماد دفاعی طاقت یہ دو وثیقے ایسے تھے کہ حضرات علماء نے ان پر اعتماد کیا اور اہل یورپ کے دفاع کے لئے اپنی طرف سے کوئی پروگرام نہیں بنایا۔ لیکن جیسے ہی ملک کی قوتِ دفاع میں کمزوری محسوس ہونے لگی۔ حضراتِ علماء کی توجہات منصوبۂ دفاع کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔

سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کے متعلق آپ کی رائے کچھ بھی ہو۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی شخصیت ایک حدِ فاصل تھی۔ عروج کی انتہا اور زوال کی ابتداء کے درمیان۔ سیکڑوں ہزاروں سال بعد اور ممکن ہے تاریخ میں پہلی بار ہندستان کو یہ فخر حاصل ہوا تھا۔ کہ کابل اور قندھار سے آسام تک تبت اور نیپال سے بندرگاہ سورت کھمبات اور مالابار تک اس کا سیاسی مرکز ایک تھا۔ اور یہ سلطان عالمگیرؒ کی طویل جدوجہد کا نتیجہ تھا، مگر افسوس اس کے جانشین اعلیٰ صلاحیت سے محروم تھے عالمگیرؒ کی وفات (۳ فروری ۱۷۰۷ء ۲۸ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ یوم جمعہ) کے بعد وہ قیامت برپا ہوئی کہ شیرازۂ ملک کا ایک ایک ورق جدا ہو گیا۔ تختِ دہلی کا تاجدار اگرچہ ڈیڑھ سو برس (۱۸۵۷ء) تک کوئی مغل شاہزادہ ہی ہوتا رہا۔ مگر طاقت فنا ہو چکی تھی۔ اور نظامِ سلطنت قالبِ بے جان بن گیا تھا۔

ڈیڑھ سو برس کی تاریخ نہایت آشفتہ اور افسوسناک ہے۔ آشفتگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف پچاس[1] سال کے عرصہ میں (۱۷۰۷ء تا ۱۷۵۷ء) تختِ دہلی پر دس تاجدار بٹھائے گئے۔ اور اتارے گئے۔ ان میں صرف چار اپنی موت سے مرے باقی کے سر قلم کئے گئے۔ یا تخت سے اتار کر آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی۔ جیل خانہ کی سلاخوں کے پیچھے فرشتۂ موت نے ان کا استقبال کیا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ جن کا نام زیبِ عنوان ہے سلطان عالمگیرؒ کی وفات سے چار سال پہلے پیدا ہوئے۔ (۴ شوال ۱۱۱۴ھ یوم چہار شنبہ ۱۰ فروری ۱۷۰۳ء) تختِ دہلی پر یہ خونی ڈرامے اگرچہ آپ کی نو عمری میں ہو رہے تھے۔ مگر قدرت نے آپ کی فطرت کو حساس بنایا تھا۔ قلب کو درد عطا ہوا تھا اور آنکھوں کو بصیرت۔ آپ کے لئے ہر ایک حادثہ درسِ عبرت تھا۔ یہی احساس اور درد تھا کہ ابھی عمر شریف کی تین دہائیاں بھی پوری نہیں ہوئی تھیں۔ کہ آپ نے ایسے سفر کا ارادہ کر لیا جو آپ کے لئے شفاء روح بھی ہو۔ اور تسکین درد بھی۔ جہاں آپ پورے عالمِ اسلام کے لوگوں سے مل سکیں اور وہاں کے حالات معلوم کر سکیں۔ ۱۱۴۳ھ ۱۷۳۰ء میں آپ حجاز تشریف لے گئے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں دو سال قیام فرمایا۔ وہاں دو سال قیام کر کے علمی اور روحانی

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شاندار ماضی جلد اول حصہ دوم (عرف داستانِ بربادی)

مشاغل کے ساتھ بڑا کام یہ کیا کہ یورپ، افریقہ اور ایشیا کے زائرین سے اِن ممالک کے متعلق پوری معلومات حاصل کیں ۔ ترکی حکومت کو اگرچہ سماجی خرابیوں کا گھن لگ چکا تھا مگر پھر بھی وہ اس زمانہ میں ایشیا کی سب سے بڑی حکومت تھی ۔ جو یورپ کے بھی ایک حصہ پر قابض تھی ۔ اور پورے یورپ پر اپنا اثر رکھتی تھی ۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس سب سے بڑی حکومت کے اندرونی حالات کا بھی گہری نظر سے مطالعہ کیا ۔ آپ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں ۔

احوال ہند بر ما مخفی نیست کہ خود مولد و منشأ فقیر است ۔ بلادِ عرب نیز دیدیم واحوال مردم ولایت از ثقاتِ اینجا شنیدیم" ۵۱

(ترجمہ) "ہندستان کے حالات ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں ۔ کیونکہ وہ خود اپنا وطن ہے جہاں ہم پلے ۔ بڑھے اور جوان ہوئے ہیں ۔ عرب کے ملک بھی دیکھ لئے ہیں اور ولایت (یعنی یورپ کے وہ صوبے جو ترکی مملکت میں داخل تھے) ان ولایت والوں کے حالات بھی ہم نے وہاں کے ثقہ اور معتمد لوگوں سے سن لئے ہیں" ۔

اپنے وطن اور دوسرے ممالک کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد آپ کے غور و فکر اور آپ کے ذہن رسا نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ تمام خرابیاں جو دن بدن بربادی اور تباہی کی طرف لے جا رہی ہیں ان کا اصل باعث وہ نظام ہے ۔ جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ پر چھایا ہوا ہے ۔ جس کی بنیاد ملوکیت اور شاہ پرستی پر ہے ۔ جس میں کسی وقت کوئی فائدہ تھا تو اب وہ نہیں رہا ہے وہ اپنی افادیت ختم کر چکا ہے ۔ لہذا سب سے پہلا کام ہے "فک کل نظام" یعنی ہر ایک نظام کو شکست کر دینا اور اس میں انقلاب برپا کرنا ۔ آپ مکہ معظمہ میں تھے وہیں آپ نے ضمیر کی یہ آواز سنی ۵۲

پروگرام کے اس پہلے حصہ کو کامیاب کرنے کے لئے ضروری تھا ۔ کہ حالات کا تجزیہ کر کے

---

۵۲ فیوض الحرمین میں آپ نے ایک طویل خواب تحریر فرمایا ہے اسی میں ہے ۔ "سدا ءلونی ما مراد حکم اللہ فی ھذا الزمان ؟ فقلت فک کل نظام" قالوا الی متی ۔ قلت الی ان ترونی سکنت بحوالہ محمودیہ صنہ ۳۰ ۵۲ آپ نے اس خواب کی تاریخ بھی تحریر فرما دی ہے لیلۃ الجمعۃ الحادیۃ والعشرین من ذی القعدۃ سنۃ ۱۱۴۴ھ شب جمعہ ۲۱ ذی قعدہ سنہ ۱۱۴۴ھ ۵ مئی سنہ ۱۷۳۱ء ۔

۵۱ مکتوب الفضل از مولانا عبیداللہ سندھی ص ۲۸

خرابیوں کی نشاندہی کی جائے۔ بڑے بڑے جاگیردار امراء۔ نواب اور بادشاہ جو اس نظام کے سربراہ ہیں ان کے سامنے کھلے طور پر ان خرابیوں کو واضح کیا جائے اور آئندہ کے نتائج بد سے ان کو آگاہ کیا جائے۔

آپ کی تصانیف خصوصاً تفہیمات الٰہیہ میں وہ مضامین موجود ہیں جن میں آپ نے سربراہوں کو مخاطب کر کے خرابیاں شمار کرائی ہیں۔ اور کتاب و سنت کی روشنی میں ان کے نتائج سے آگاہ کیا ہے لیکن کسی قلعہ کو ڈھا دینا یا کسی تعمیر کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا کوئی مقصد نہیں ہوتا تخریب اسی وقت قابل قدر ہو سکتی ہے جب مقصد تعمیر ہو لیکن تعمیر کن بنیادوں پر ہو۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے اپنی تصانیف (خصوصاً حجۃ اللہ البالغہ) میں جہاں حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے خرابیاں بیان کی ہیں وہیں ان نظریات اور اصول کا بھی تعین کر دیا ہے جو آئندہ تعمیر کے لئے بنیاد ہونے چاہئیں۔ ہماری بحث قطعاً لاحاصل رہے گی اگر وہ اصول اور نظریات بیان نہ کئے جائیں۔ لہذا آپ پہلے نظریات ملاحظہ فرمائیں[۱]

اقتصادی اصول

(۱) دولت کی اصل بنیاد محنت ہے۔ مزدور اور کاشتکار قوت کاسبہ ہیں۔ باہمی تعاون، مدنیت (شہریت) کی روح رواں ہے۔ جب تک کوئی شخص ملک اور قوم کے لئے کام نہ کرے۔ ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں[۲]

(۲) جوا۔ سٹہ اور عیاشی کے اڈے ختم کئے جائیں۔ جن کی موجودگی میں تقسیم دولت کا صحیح نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر اس کے کہ قوم اور ملک کی دولت میں اضافہ ہو۔ دولت بہت سی جیبوں سے نکل کر ایک طرف سمٹ آتی ہے[۳]

(۳) مزدور، کاشتکار اور جو لوگ ملک اور قوم کے لئے دماغی کام کریں۔ دولت کے اصل مستحق ہیں۔ انکی ترقی اور خوشحالی ملک اور قوم کی ترقی اور خوشحالی ہے۔ جو نظام

---

[۱] علماء ہند کا شاندار ماضی جلد دوم میں انکی تشریحات اور حضرت شاہ صاحب کی عبارتوں کے ترجمے بھی پیش کئے ہیں۔ جن سے ان اصول پر روشنی پڑتی ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۳ تا ص ۲۶ [۲] حجۃ اللہ البالغۃ باب سیاست المدینۃ البدور البازغۃ بحث الارتفاق الثالث اور الخیر الکثیر [۳] حجۃ اللہ البالغۃ باب ابتغاء الرزق۔

ان قوتوں کو دبائے وہ ملک کے لئے خطرہ ہے۔ اُس کو ختم ہو جانا چاہیئے [۵۱]

(۴) جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے مزدوروں اور کاشتکاروں پر بھاری ٹیکس لگائے قوم کا دشمن ہے۔ اُس کو ختم ہو جانا چاہیئے [۵۲]

(۵) ضرورت مند مزدور کی رضامندی قابلِ اعتبار نہیں۔ جب تک اُس کی محنت کی وہ قیمت ادا نہ کی جائے جو امدادِ باہمی کے اصول پر لازم ہوتی ہے [۵۳]

(۶) جو پیداوار اور آمدنی تعاونِ باہمی کے اصول پر نہ ہو وہ خلافِ قانون ہے [۵۴]

(۷) کام کے اوقات محدود کئے جائیں۔ مزدوروں کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہیئے۔ کہ وہ اخلاقی اور روحانی اصلاح کر سکیں اور ان کے اندر مستقبل کے متعلق غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہو سکے [۵۵]

(۸) تعاونِ باہمی کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے۔ لہٰذا اس کو تعاون کے اصول پر ہی جاری رہنا چاہیئے۔ پس جس طرح تاجروں کے لئے جائز نہیں کہ وہ بلیک مارکیٹ یا غلط قسم کے کمیشن سے روحِ تعاون کو نقصان پہنچائیں۔ ایسے ہی حکومت کے لئے درست نہیں کہ بھاری ٹیکس لگا کر تجارت کے فروغ و ترقی میں رکاوٹ پیدا کرے یا رخنہ ڈالے [۵۶]

(۹) وہ کاروبار جو دولت کی گردش کو کسی خاص طبقہ میں منحصر کر دے۔ ملک کے لئے تباہ کن ہے [۵۷]

(۱۰) وہ شاہانہ نظامِ زندگی جس میں چند اشخاص یا چند خاندانوں کے عیش و عشرت کے سبب سے دولت کی صحیح تقسیم میں خلل واقع ہو۔ اس کا مستحق ہے کہ اس کو جلد از جلد ختم کر کے عوام کی مصیبت ختم کی جائے اور اُن کو مساویانہ نظامِ زندگی کا موقع دیا جائے [۵۸]

سیاسیات اور نظامِ حکومت کے بنیادی اصول

(۱۱) زمین کا مالکِ حقیقی اللہ اور ظاہری نظام کے لحاظ سے اسٹیٹ ہے۔ باشندگانِ ملک کی حیثیت وہ ہے جو کسی

---

[۵۱] حجۃ اللہ البالغہ باب ابتغاء الرزق [۵۲] حجۃ اللہ البالغہ باب ابتغاء الرزق [۵۳] حجۃ اللہ البالغہ باب سیاست المدینہ ...... ایضاً باب الرسوم السائرۃ بین الناس [۵۴] حجۃ اللہ البالغہ باب ابتغاء الرزق [۵۵] حجۃ اللہ البالغہ باب ابتغاء الرزق

[۵۶] حجۃ اللہ البالغہ باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم و باب ضبط المبہم [۵۷] حجۃ اللہ البالغہ باب البیوع المنہی عنہا [۵۸] حجۃ اللہ البالغہ باب الارتفاق الرابع و باب البیوع المنہی عنہا [۵۹] حجۃ اللہ البالغہ باب الرسوم السائرۃ بین الناس و باب سیاست المدینہ و ایضاً باب ابتغاء الرزق و باب البیوع المنہی عنہا

مسافرخانہ میں ٹھیرنے والوں کی۔ ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے حق انتفاع میں دوسرے کی دخل اندازی قانوناً ممنوع ہو [۱]

(۱۲) سارے انسان برابر ہیں کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو مالک ملک۔ ملک الناس مالک قوم یا انسانوں کی گردنوں کا مالک تصور کرے نہ کسی کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی صاحب اقتدار کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرے [۲]

(۱۳) اسٹیٹ کے سربراہ کی وہ حیثیت ہے جو کسی وقف کے متولی کی۔ وقف کا متولی اگر ضرورت مند ہو تو اتنا وظیفہ لے سکتا ہے کہ عام باشندہ ملک کی طرح زندگی گذار سکے [۳]

بُنیادی حقوق | حجۃ اللہ البالغہ اور البدور البازغہ وغیرہ تصانیف میں ارتفاقات (مفادات عامہ) کے عنوان سے بہت مفصل بحث کی ہے ان کا ماحصل یہ ہے کہ

(۱۴) روٹی۔ کپڑا۔ مکان اور ایسی استطاعت کہ نکاح کر سکے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کر سکے بلا لحاظ مذہب و نسل ہر ایک انسان کا پیدائشی حق ہے۔

(۱۵) اسی طرح مذہب۔ نسل یا رنگ کے کسی تفاوت کے بغیر عام باشندگان ملک کے معاملات میں یکسانیت کے ساتھ عدل و انصاف اُن کے جان و مال کی حفاظت۔ اُن کی عزت و ناموس کی حفاظت۔ حق ملکیت میں آزادی۔ حقوق شہریت میں یکسانیت ہر باشندہ ملک کا بنیادی حق ہے۔

(۱۶) زبان اور تہذیب کو زندہ رکھنا ہر ایک فرقہ کا بنیادی حق ہے۔

بین الاقوامی تحفظات | (۱۷) ان حقوق کو حاصل کرنے کی شکل یہ ہے کہ خود مختار علاقے بنائے جائیں۔ یہ خود مختار اکائیاں اپنے معاملات میں آزاد ہوں گی ہر ایک یونٹ میں اتنی طاقت ضرور ہونی چاہیے کہ اپنے جیسے یونٹ کے اقدام کا مقابلہ کر سکے یہ تمام اکائیاں ایک ایسے بین الاقوامی نظام (بلاک) میں منسلک ہوں۔ جو فوجی طاقت کے لحاظ سے اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو۔ اُس کو یہ حق نہیں ہوگا کہ کسی مخصوص مذہب یا مخصوص

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ باب ابتغاء الرزق [۲] منصب امامت مصنفہ مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہید ذکر سلطنت ضالہ [۳] ازالۃ الخفاء جلد دوم عہد فاروق اعظم۔

تہذیب کے کسی پوینٹ پر حملہ کر سکے۔

مذہبیات

(۱۸) (الف) دین اور سچائی کی اصل بنیاد ایک ہے۔ اس کے پیش کرنے والے ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

(ب) داعیانِ صداقت ہر ملک اور ہر قوم میں گذرے ہیں۔ ان سب کا احترام ضروری ہے

(ج) سچائی اور دین کے بنیادی اصول تمام فرقوں میں تقریباً تسلیم شدہ ہیں مثلاً اپنے پروردگار کی عبادت۔ اس کے لئے نذرو نیاز۔ صدقہ وخیرات۔ روزہ وغیرہ یہ سب کام سب کے نزدیک اچھے ہیں۔ البتہ عملی صورتوں میں اختلاف ہے۔

(د) ساری دنیا کے سماجی اصول اور ان کا منشا و مقصد ایک ہے۔ مثلاً ہر ایک مذہب اور فرقہ جنسی انارکی کو ناپسند اور اخلاقی جرم قرار دیتا ہے جنسی تعلقات کے لئے مرد اور عورت میں ایک معاہدہ، ہر ایک فرقہ میں ضروری ہے۔ البتہ معاہدہ کی صورتیں مختلف ہیں ایسے ہی ہر ایک فرقہ اپنے مردہ کو نظروں سے غائب کر دینا ضروری سمجھتا ہے اختلاف اس میں ہے کہ زمین میں دفن کر کے نظروں سے اوجھل کیا جائے یا جلا کر[۱]

(۱۹) جہاد ایک مقدس فرض ہے۔ مگر اس کے معنی یہ ہیں کہ مقدس اصول کے لئے انسان اپنے اندر جذبہ فدائیت پیدا کرے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ہستی ان اصول کے لئے فنا کر دے[۲]

توجہ طلب امور

اے آپ نظریات ملاحظہ فرمائیے بے موقع نہ ہوگا اگر آپ یہ بھی خیال فرمائیں۔ اور پسند کریں۔ تو آپ اس پر فخر بھی کر سکتے ہیں کہ یہ نظریات اس وقت مرتب ہوئے (۱۷۳۱ء) کہ انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء) جس کو انقلاب پسندانِ عالم کے لئے نشانِ راہ کہا جاتا ہے نصف صدی بعد آنیوالا تھا اور کیمونزم کے معلم اول کارل مارکس اور اس کے نفس ناطقہ اور رفیق عزیز "اینگلس" کی پیدائش میں پوری ایک صدی اور یورپ میں مشینوں اور کلوں کے جاری ہونیمیں

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ باب اصل الدین واحد البدور البازغہ فصل حقائق الارتفاقات اور مقالہ ثالثہ وغیرہ [۲] البدور البازغہ مبحث الارتفاق الثالث وحجۃ اللہ البالغہ ص۱۵۶ ج ۲

ابھی تقریباً چالیس سال باقی تھے۔

۲۔ نظریات اور اصول پر دوبارہ نظر ڈالیے۔ کیا یہ صرف ہندستان کے لئے ہیں۔ اور جو سیاسی عمارت ان نظریات اور اصول کی بنیاد پر تعمیر ہو گیا اس کے حدود اربعہ ہمالیہ اور راس کماری اور بحر ہند کی حدود میں محدود رہیں گے۔ یا وہ ہمالیہ کی چوٹیوں سے بھی جست کر کے آگے پہنچیں گے اور دوسری طرف سمندر پار کے ممالک کو بھی اپنے احاطہ میں لے لیں گے

۳۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ کے الفاظ بھی دہرائیے۔

کیا کافر فرنگ کے اثرات کو روکنے اور ایشیا کو تسلط یورپ سے محفوظ رکھنے کی کوئی صورت اس سے بہتر ہو سکتی تھی کہ پورا ایشیا نہیں ایشیا کے دو چار ملک اپنی سیاست کو ان نظریات پر ڈھال لیتے

۴۔ ہندستان اگر اپنے قابل فخر سپوت کے نظریاتِ بالا کو اپنا لیتا تو غور فرمائیے کیا کمیونزم اور سوشلزم یا کوئی بھی ازم کامیاب ہو سکتا تھا۔ اور آج قیادتِ عالم کا جھنڈا کس کے ہاتھ میں ہوتا۔

۵۔ اس طوائف الملوکی کے دور میں بہت آسان تھا کہ جنگجو سرداروں کی طرح شاہ صاحب بھی تلوار ہاتھ میں لیتے اور فوج بھرتی کر کے کسی علاقہ پر قبضہ کر لیتے مگر کیا اس سے ہمدردی نوع انسان کا تقاضا پورا ہو جاتا؟

انقلاب کا طریقہ حضرت شاہ صاحبؒ عدم تشدد اور اہنسا کے قائل نہیں تھے۔ وہ فوجی قوت سے انقلاب کے حامی تھے۔ مگر وہ فوجی قوت جس کی تربیت جہاد کے اصول پر ہوئی ہو۔ جس کی حقیقت دشمن کشی اور غارت گری نہیں۔ بلکہ اس کی حقیقت ہے۔ محنت۔ جفاکشی۔ صبر و استقلال۔ ایثار اور قربانی یعنی اپنی ذات اور ذاتی مفادات کو ختم کر کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لینا۔ پھر اس مقصد کے لئے اپنی ہر چیز حتیٰ کہ اپنی زندگی کو بھی داؤں پر لگا دینا۔

یا تن رسد بجاناں

یا جان ز تن برآید

ایسا جہاد پیشہ ور سپاہیوں کی فوجوں سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ان رضاکاروں کے

ذریعہ ہو سکتا ہے جن کی تربیت خاص طور پر کی گئی ہو۔ جو نصب العین کو سمجھیں۔ نظریات کو اپنے جذبات بنالیں۔ اور اصول کے سانچہ میں ان جذبات کو ڈھال لیں۔ پھر ان کو کامیاب بنا لینے کے لئے اپنے آپ کو تج دینا۔ ان کی زندگی کا آخری اور محبوب ترین مقصود ہو جائے۔

یہ تربیت کس طرح ہو۔ تربیت دینے والے کون ہوں۔ مرکز کہاں ہو؟

شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے جس طرح نظریات مرتب فرمائے ان کے لئے ٹریننگ کے سنٹر بھی قائم فرمادئے۔ ان مرکزوں کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک اور شاندار ماضی جلد دوم میں ان کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

پس و پیش کے حالات

جن عناصر نے تخت دہلی کو بازی گاہ عروج و زوال بنا رکھا تھا جہاں پچاس سال میں تخت اور تختہ کے دس تماشے ہو چکے تھے وہ پوری دہلی بلکہ اس وقت کی پوری مملکت پر چھائے ہوئے تھے کسی آواز کو بلند ہونیکا حق نہیں تھا۔ اگر وہ ان کی مرضی کے مطابق نہ ہو۔ عوام کی بیداری ان کے لئے پیغام فنا تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ نے قرآن پاک کا ترجمہ اس وقت کی دفتری زبان فارسی میں کیا۔ تو مولوی نما جاہ پرست مشتعل ہو گئے کہ جب دفتروں کے محرر بھی قرآن شریف کا مطلب سمجھنے لگیں گے تو اقتدار علماء کا سائبان تننے والا کون ہوگا ہماری عزت و عظمت خاک میں مل جائے گی۔ اسی غضب اور طیش میں انھوں نے حضرت شاہ صاحبؒ پر قاتلانہ حملہ کرایا جس کی مدافعت قدرت کے اس غیبی ہاتھ نے کی جو تاریخ عالم میں عظمت پانے والوں کی حفاظت ہر ایسے موقع پر کیا کرتا ہے [۵]

۲۔ تخت دہلی کے لال قلعہ میں جو تاج پوشی اور گردن تراشی کے تماشے ہو رہے تھے وہ خود ایسے ہیجان انگیز تھے کہ صحیح اصول پر کوئی کام اور کوئی جد وجہد تو درکنار سنجیدگی اور اطمینان سے صحیح خطوط پر سوچنا اور رائے قائم کرنا بھی دشوار تھا اس اندرونی برہم زنی

---

[۵] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حیات ولی۔ شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک۔ شاندار ماضی جلد ۲ وغیرہ۔

اور پراگندگی سے زیادہ وحشت انگیز اور لرزہ خیز وہ شعبدے تھے جو سیاست کے خونی بازی کے میدان میں مسلسل ہوتے رہے۔ مثلاً

(۱) مرہٹے۔ جو سلطان عالمگیرؒ کے دور میں جنوبی ہند میں بھی شکست خوردہ تھے عالمگیرؒ کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد انھوں نے بڑھنا شروع کیا اور ابھی بتیس سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے ۱۱۴۹ھ (۱۷۳۶ء) میں دہلی میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ چند روز قیام کیا، بادشاہ سے اپنی مرضی کے مطابق معاہدہ کیا۔ اور بامراد واپس ہو گئے [۵۱]

(۲) تقریباً ایک سال بعد نادر شاہ کا مشہور حملہ ہوا جس نے ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ فروری ۱۷۳۸ء میں دہلی میں قتل عام کیا۔ یعنی ہندستان کی شہ رگ کا خون چوس لیا۔ چند گھنٹوں میں یعنی صبح سے دوپہر تک شہر دہلی مردہ لاشوں سے پٹ گیا۔ مقتولین کی تعداد آٹھ ہزار سے ڈیڑھ لاکھ تک بیان کی گئی ہے۔ بائیس (۲۲) کروڑ روپیہ نقد خزانہ شاہی سے اور تقریباً نوے (۹۰) کروڑ کے جواہرات اور تختِ طاؤس وغیرہ شاہی محلات اور قلعہ سے لوٹے گئے [۵۲]

(۳) حملہ نادری سے دس سال بعد ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) میں احمد شاہ ابدالی کا وہ معرکہ ہوا جو "معرکہ پانی پت" کے نام سے مشہور ہے [۵۳]

(۴) ۹ مئی ۱۷۵۲ء (رجب ۱۱۶۶ھ) کو سورج مل جاٹ نے پرانی دہلی کو لوٹا۔ ہر چند اس

---

[۵۱] سیر المتاخرین۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شاندار ماضی جلد دوم ص ۵۰ حاشیہ ۱۔ [۵۲] تاریخ ہندستان از شمس العلماء ذکاء اللہ خاں جلد ۹ ص ۲۵۸ و ص ۲۵۹ عماد السعادۃ ص ۳۱ و سیر المتاخرین وغیرہ [۵۳] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات مرتبہ خلیق احمد صاحب نظامی میں شاہ صاحبؒ کا ایک مکتوب احمد شاہ ابدالی کے نام بھی ہے جس میں انہوں نے ابدالی کو ہندستان پر حملہ کی دعوت دی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ احمد شاہ کو بلانے والے شاہ ولی اللہ یا مسلمان حکمراں ہی نہیں تھے بلکہ راجستھان کے مہاراجگان جن کی ریاستیں مرہٹوں کی زد میں تھیں انھوں نے احمد شاہ کو اپنا پناہ گاہ سمجھا تھا اور اس سے ہندستان پر حملہ کرنے کی درخواست کی تھی۔ سیر المتاخرین کے الفاظ یہ ہیں۔
نجیب الدولہ وجملہ افاغنہ (روہیلہ) و راجہ ہائے ہندستان از دست مرہٹہ و عماد الملک (غازی الدین خاں) بجان آمدہ عرائض بخدمت احمد شاہ ابدالی نگاشتہ استدعاء ورود او و ہندستان کردند۔ اس طرح ابدالی کے مقابلہ پر صرف مرہٹہ ہی نہیں بلکہ غازی الدین نائب نظام الملک آصف جاہ والی حیدر آباد بھی تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شاندار ماضی جلد دوم ص ۴۸ و ص ۵۰ حاشیہ ۱۔

مصنف چہار گلزار شجاعی کا بیان ہے کہ جب جاٹوں نے لوٹنا شروع کیا تو دہلی کے باشندے گھبراہٹ اور پریشانی میں گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ وہ دربدر گلی گلی مارے پھرتے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی ٹوٹا ہوا جہاز ظالم موجوں کے رحم وکرم پر ہو۔ ہر شخص پاگلوں کی طرح پریشان حال اور گھبرایا ہوا نظر آتا تھا۔ (۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی وفات اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی جانشینی

۱۱۷۶ھ (۱۷۶۳ء) شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ اس دنیا سے رخصت ہوئے ان کے سترہ سالہ فرزند شاہ عبدالعزیز ان کے خلف رشید بھی تھے۔ اور خلیفۂ ارشد بھی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی سیاسی خدمات کی آخری منزل ان کے خلف اور خلیفۂ ارشد کے سفر کی پہلی منزل تھی۔

گرد و پیش کے حالات نے اس جانشین کی نوعمری کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ بلکہ ان کی شدت دن بدن زیادہ ہوتی رہی۔ مئی ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی سراج الدولہ کے خون سے ہندوستان کے برخلاف ایسٹ انڈیا کمپنی کے حق میں فتح و کامرانی کا فیصلہ لکھ چکی تھی۔ مشرق میں کمپنی کا عروج روز افزوں تھا اور دہلی مرہٹوں کا جولان گاہ بنا ہوا تھا۔

مرہٹوں کے کمانڈر رگھوناتھ راؤ اور ملہار راؤ دہلی پہنچے۔ بادشاہ دہلی عالمگیر ثانی اور اُن کے وزیر اعظم نجیب الدولہ محصور ہوگئے ستائیس ۲۷ روز تک توپوں کے گولے دہلی پر برستے رہے۔ بالآخر راجہ ملکر کو بادشاہ نے بہت سی رشوت دی تب محاصرہ سے نجات ہوئی۔ (۲)

اس زمانہ میں جو شب و روز تبدیلیاں ہو رہی تھیں ان کا ذکر طویل بھی ہے اپنے موضوع سے غیر متعلق بھی مختصر یہ کہ نوبت یہ آئی کہ ۱۷۸۲ء میں مرہٹوں کے پیشوا مادھوراؤ مغل بادشاہ کے امیر الامراء اور مادھوجی سیندھیا نائب امیر الامراء مقرر کیے گئے۔ اب سلطنت مغلیہ کے محافظ مرہٹے تھے۔

---

(۱) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص۱۷۲ حاشیہ ۲۷

(۲) تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ خاں جلد ۹ ص ۲۹۸

اٹھارویں صدی ختم ہو رہی تھی انیسویں صدی کا آغاز اس طرح ہوا کہ لارڈ لیک
انگریزی فوجوں کو لیکر دہلی کی طرف بڑھا سیندھیا کی فوجیں جو شاہی اقتدار کی محافظ تھیں۔
سینہ سپر ہوئیں مگر انگریزی فوجی طاقت مرہٹوں کی قوتِ ایثار سے بڑھی ہوئی تھی مجبوراً شکست
خوردہ دہلی نے انگریزوں کا استقبال کیا۔ لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء میں دہلی پر تسلط کرکے
شاہ عالم بادشاہ سے ایک معاہدہ کرلیا[۱] اور طے یہ ہو گیا خلق خدا کی۔ ملک بادشاہ سلامت کا
حکم کمپنی بہادر کا[۲]

یہ صرف دار السلطنت دہلی کی داستان تھی۔ دہلی کے علاوہ ہندستان کا ہر مرکزی
مقام اسی طرح کے حالات سے دوچار تھا۔

یہ پرآشوب دور جس کے ہر پہلو میں خون چکاں انقلاب امنڈ رہا تھا اس کے کچھ
اشارات اس لئے پیش کئے گئے کہ ہمیں تعجب نہ ہونا چاہئے اگر ہم حضرت شاہ ولی اللہ
رحمۃ اللہ کی وفات کے بعد پچاس برس تک کوئی ایسی فوج نہ دیکھیں جس کی تربیت شاہ
صاحب کے اصول اور نظریات پر ہوئی ہو۔

پریس کی طاقت سے محرومی

مارکس، اینگلس اور لینن کی خوش نصیبی تھی کہ ان کو پریس کی طاقت میسر تھی جس سے انہوں نے پوری طرح کام لیا اور تھوڑے عرصہ میں لاکھوں کروڑوں انسانوں تک اپنے خیالات پہنچادئے۔ مگر شاہ ولی اللہ صاحب کا انقلابی فکر پریس کی طاقت سے محروم تھا۔ انشار و صحافت
جس طاقت سے آپ پریس کے ذریعہ پورے ہندستان کو متاثر کرسکتے تھے وہ
صرف قلمی کتابوں میں محدود ہو کر رہ گئی۔ اس وقت نشر و اشاعت کا ذریعہ تقریریں
تھیں یا تعلیم و تربیت کے وہ حلقے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے قائم فرمادئے تھے۔

حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ نے ان حلقوں سے کام لیا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ
"فك كل نظام" یعنی ہمہ گیر انقلاب کا تصور جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی وفات تک چند

[۱] اس داستان کی تفصیل شاندار ماضی جلد دوم میں ملاحظہ فرمایئے۔ زیر عنوان سیاسی بحران اور معاہدہ بلکھنئو
[۲] ملاحظہ ہو شاندار ماضی جلد ۲ صفحہ ۸۴

دماغوں کی مخصوص امانت تھا۔ شاہ عبدالعزیز کے دور میں وہ ملک کا خصوصاً مسلمانوں کا عام جذبہ بن چکا تھا۔ اور ہزاروں نوجوان اس کے لئے زندگیاں وقف کر چکے تھے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ اور (حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے پوتے) حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ نے انہیں نوجوانوں کو منظم کیا ۱۲۴۱ھ ۱۸۲۶ء میں جو فوج راجستھان اور سندھ ہوتے ہوئے آزاد قبائل کا رخ کر رہی تھی وہ انہیں نوجوانوں کی فوج تھی[1]

آزاد علاقہ میں حکومت کا قیام

۱۲ جمادی الاخری ۱۲۴۲ھ - ۱۰ جنوری ۱۸۲۷ء کو تحصیل "چارسدہ[2]" میں ایک حکومت قائم کی گئی۔ سید احمد صاحب شہیدؒ اس کے سربراہ اور امیر بنائے گئے۔ حکومت قائم کرنے والی جماعت وہی تھی جو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے اصول پر تربیت یافتہ تھی۔ انہیں اصول پر عوام کی تربیت حکومت کا اہم ترین مقصد ہے چنانچہ انتظامیہ اور عدلیہ کے ساتھ محکمۂ احتساب بھی قائم کیا گیا جو اخلاقی اصلاحات کو نافذ اور غلط کاروں کی تادیب کرتا ہے۔ ان تربیت یافتہ مجاہدین (رنگروٹوں) کا رنگ کیا تھا۔ ان کے اخلاق کیسے تھے ان کی حکومت کا طور و طریق کس شان کا تھا اس کی پوری تصویر آپ غلام رسول صاحب مہر کی مرتب کردہ تصانیف میں ملاحظہ فرمائیے مختصر تصویر شاندار ماضی جلد دوم میں پیش کر دی گئی ہے (ص ۱۴۳ تا ص ۱۹۶)

اس حکومت کی مقبولیت اور عوام کے رجحانات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابھی چند ہفتے گذرے تھے کہ "سیدو" کے میدان جنگ میں سید صاحب رحمۃ اللہ کے ساتھ تقریباً ایک لاکھ کا ہجوم تھا[3]

شکست اور وجہ شکست

مگر یہ ہجوم جو اتنی تیزی سے بڑھا تھا وہ غیر تربیت یافتہ تھا۔ اس کے بے پناہ جذبات کا کوئی خاص نصب العین نہیں تھا۔ ظاہر ہے۔ خاص نصب العین رکھنے والی جماعت سے نبھاؤ مشکل تھا۔ اُدھر

---

[1] ملاحظہ فرمائیے شاندار ماضی جلد دوم ص ۲۰۱ و ص ۲۰۷ [2] تحصیل چارسدہ کا نام ہشت نگری تھا (آٹھ بستیوں کا علاقہ) انہیں بستیوں میں ایک گاؤں ترنگ زئی بھی تھا سرگذشت مجاہدین ص ۱۴۴

[3] سوانح احمدی و وقائع احمدی وغیرہ۔

مخالف طاقتیں جن کے ذرائع ہر ایک لحاظ سے زیادہ تھے۔ تو ڑپڑی ہوئی تھیں۔ چنانچہ جیسے ہی سید صاحب رحمۃ اللہ نے اپنے نصب العین کے بموجب اخلاقی اور سماجی صلاح کی طرف قدم بڑھایا۔ مخالف طاقتوں نے ان اصلاحات کو "وہابیت" کا نفرت انگیز عنوان دے کر عوام کو مجاہدین کی پوری جماعت سے برگشتہ کر دیا۔ پورے علاقہ میں حکومت کا نظام اکھاڑ دیا جگہ جگہ اس کے ذمہ دار افسر تھے عوام نے ہر مقام کے ذمہ داروں کو شہید کر دیا۔ سید صاحبؒ اور اُن کے رفقاء نے (جن میں سب سے نمایاں مولانا اسمٰعیل صاحب تھے) پھر طاقت فراہم کی تو سکھوں کی فوجوں سے مقابلہ ہو گیا۔ نتیجہ شکست تھا۔ "بالاکوٹ" کے مقام پر بہت سے مجاہدین اور یہ دونوں بزرگ میدان جنگ میں شہید کر دیئے گئے [۱]

۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ ۶ مئی ۱۸۳۱ء بروز جمعہ یہ حادثہ پیش آیا [۲]

دوبارہ تنظیم

یہ سربراہ شہید ہو گئے مگر بقول ڈاکٹر ہنٹر۔

"یہ تحریک کسی رہنما کی موت و حیات سے بالکل مستغنی ہو گئی تھی خود سید صاحبؒ کی وفات کو بھی ان کے پرجوش حامیوں نے اپنے مسلک کی اشاعت کے لئے ایک مستقل ذریعہ بنا لیا تھا [۳]

تحریک سے متعلق کتابیں ملاحظہ فرمایئے۔ اس تحریک کے جاری رہنے کا ایک اور راز منکشف ہو گا۔

اس تحریک میں کام کرنے والوں کو آپ رنگروٹ کہیں یا مجاہدین ان میں جہاد کی حقیقی روح یعنی راہ حق میں فنا ہونے کا شوق پوری طرح سرایت کر چکا تھا۔ سربراہ کی موت اُن کو مایوس کر دیتی ہے جن کا نصب العین حصول منصب اور اقتدار ہو۔ لیکن جو سر فروش راہ حق میں فنا ہونے کے لئے کفن بر دوش آیا ہے۔ تاکہ جان آفرین کو جان عزیز کا گرانمایہ ہدیہ پیش کر دے سربراہ کی شہادت اس کے لئے نوائے نامرادی نہیں بلکہ نوید کامیابی ہوتی ہے۔ اُس کا یقین یہ ہوتا ہے کہ موت فنا نہیں بلکہ شاہراہ حیات ابدی کا وہ پل ہے

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے سیرت سید احمد شہید از مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب و از غلام رسول مہر [۲] سرگزشت مجاہدین از غلام رسول مہر صفحہ ۱۲۰ و شاندار ماضی ج ۳ ص ۲۵۵ [۳] ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۳۲

جو اس کو محبوب حقیقی تک پہنچا دیتا ہے۔

یَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

(ترجمہ) "جو لوگ راہِ خدا میں قتل کر دئے گئے اُن کے متعلق یہ تصور ہرگز نہ کرو کہ وہ مر گئے نہیں وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے حضور اپنی روزی پا رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں جو کچھ عطا فرمایا ہے اس پر وہ خوش ہیں۔ (ایسے خوش کہ پھولے نہیں سماتے) اور اُن کو جو اِن کے پیچھے رہ گئے ہیں اور اب تک اُن کے پاس نہیں پہنچے ہیں انھیں بشارت دے رہے ہیں کہ انہیں نہ کسی طرح کا کھٹکا ہوگا نہ غم۔ انہیں اس نعمت اور اس فضل و احسان کی بشارت دے رہے ہیں جو اللہ کی طرف سے اُن کو عطا ہوگا۔"

جس مردِ باخدا کے جذبات قرآن حکیم کی تعلیم کے سانچے میں ڈھل چکے ہوں اُس کے لئے کب ممکن ہے کہ کسی ہوش ربا، وحشت انگیز اور مایوس کن معرکہ کے بعد میدانِ شہادت سے منھ موڑ کر تنگنائے وطن کے گلی کوچوں کی راہ لے۔ وہ اگر میدان سے ہٹے گا تو صرف پلٹنے کے لئے اور اس لئے کہ تیار ہو کر دوبارہ حملہ کرے۔ اور بازارِ شہادت کو دوبارہ گرم کرے۔ چنانچہ معرکہ بالاکوٹ کی ہزیمت نے اگرچہ مجاہدین کی اجتماعیت کو کچھ عرصہ کے لئے انتشار سے بدل دیا مگر وہ اُن کے عزائم میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکی۔ بڑی جماعت یقیناً منتشر ہو گئی مگر چھوٹی چھوٹی جماعتیں جو اس انتشار کے بعد بنیں (یعنی جتنے مجاہدین جہاں اکٹھے ہو گئے اُنھوں نے اپنی جماعت بنا لی) اُنھوں نے اپنے اپنے مقام پر علمِ جہاد بلند کر دیا۔ آج کل کی زبان میں اس کی واضح تعبیر غالباً یہ ہوگی کہ ان چھوٹے چھوٹے گروہوں نے گوریلا جنگ شروع کر دی حضرت مولانا سید نصیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ کے پہنچنے تک یہی سلسلہ رہا۔

حضرت مولانا سید نصیر الدین صاحب دہلوی خانوادہ شاہ ولی اللہ کے ایک نونہال تھے عنفوانِ شباب سے ہی دل میں ایک درد تھا جس کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ ۱۲۴۱ھ (۱۸۲۵ء) میں جب سید صاحب کا قافلہ سفرِ جہاد کی تیاری کر رہا تھا تو حضرت شاہ اسحٰق صاحب وعظ فرماتے تھے اور مولانا نصیر الدین صاحب مدرسہ کے دروازہ پر فراہمی زرِ اعانت

میں مصروف رہتے تھے ۱؎

آپ نے ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ ۲۰ اپریل ۱۸۳۵ء کو جہاد فی سبیل اللہ کے مقصد عظیم کے لئے وطن عزیز دہلی سے ہجرت کی۔ ریواڑی جے پور۔ ٹونک۔ اجمیر۔ جودھپور وغیرہ قیام کرتے ہوئے تحریک کے قدیم آشناؤں میں روح جہاد اور ناآشناؤں کو تحریک سے آشنا کرتے ہوئے آپ جیسے ہی آزاد مرکز "ستھانہ" پہنچے جماعت مجاہدین نے آپ کو اپنا امیر بنالیا۔ جذبۂ صادق اور مکارم اخلاق کا اثر تھا کہ آپ عوام میں بھی بہت جلد مقبول اور ہردلعزیز ہوگئے۔ لیکن آپ کی زندگی نے وفا نہیں کی۔

دہلی سے ستھانہ تک سفر میں تقریباً چار سال صرف ہوگئے۔ ۱۸۳۹ء کے اواخر یا ۱۸۴۰ء کے آغاز میں آپ ستھانہ پہنچے اور ابھی پورا سال نہیں گذرا تھا کہ آپ نے دعوت اجل کو لبیک کہدیا رحمۃ اللہ ۱۲۵۶ھ ۱۸۴۰ء۔

اس طویل سفر میں جو مصلحۃً غیر معروف راستہ سے ہوا تھا دعوت جہاد کے علاوہ جگہ جگہ مخالف طاقتوں سے جہاد کی نوبت بھی آئی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ انگریزوں نے غزنی فتح کرنے کے بعد کابل پر قبضہ کرنے کے لئے اقدام کیا تھا مگر اہل افغانستان نے ہر ایک فوجی کی مدارات بندوق کی گولی سے کی یہاں تک کہ پوری فوج میں صرف ایک شخص "ڈاکٹر ڈرائیڈن" زندہ و سلامت جلال آباد پہنچا اور اس کے ذریعہ پوری دنیا اس المناک ڈرامہ کی تفصیل سے واقف ہوئی۔

سکھوں سے مقابلہ

بہت ہی تکلیف دہ اور دلخراش سانحہ ہے کہ حضرت سید صاحب کے مقابلہ پر سکھ آگئے حالانکہ سید صاحب واضح طور پر اعلان کر چکے تھے۔ اور بعض فرمانرواؤں (مہاراجوں) اور سکھ حکومت کے ذمہ داروں کو جو خطوط لکھے تھے۔ ان میں بار بار یہ مضمون دُہرا چکے تھے۔

"خدا گواہ ہے ہمارا منشا نہ دولت جمع کرنا ہے نہ اپنی حکومت قائم کرنا ہمارا منشا یہ ہے کہ یہ بعید الوطن بیگانے جو تاجر بن کر آئے تھے اور اب "ملوک زمین و زماں" بن گئے ہیں ان کو وطن سے نکال دیں ۲؎

سرکاری طور پر ایک خط خاص ایلچی کے ہاتھ رنجیت سنگھ کو بھیجا کہ

"ہم لوگ نہ تیرے ملک و مال کے طالب ہیں۔ نہ تیری جان اور عزت کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ نہ لڑنے کے خواہاں ہیں۔ صرف یہ چاہتے کہ ہمارا ساتھ دے اور ہمارا رفیق بن جا۔ دشمنوں کے خلاف جہاد کرکے ہم ملک تیرے حوالے کردیں گے۔ یہ دعوت منظور نہ کی تو لڑائی کے سوا چارہ نہیں" ۱؎

مقصد تحریک بیگانگان بعیدالوطن، یورپ کے تمام ہی فرماں روا تھے۔ لیکن اس وقت انگریز ہندستان پہ چھا رہے تھے۔ لہذا بیگانان بعیدالوطن انگریز ہی تھے۔ اور دعوت تحریک کا مقصد تھا اہل ہند کا جہاد بلا واسطہ انگریز کے مقابلہ میں اور بالواسطہ اہل فرنگ یعنی پورے یورپ کے مقابلہ میں۔

علماء صادق پور حضرت مولانا سید نصیرالدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ تو پھر انتشار و ضمحلال نے جماعت کا رخ کیا مگر جلد ہی وہ ایثار شیوہ صداقت کیش، سینوں میں جذبات شہادت کی بھٹیاں دہکائے ہوئے مونڈھوں پر علم جہاد اٹھاتے ہوئے میدان میں آگئے۔ جن کو علماء صادقپور کہا جاتا ہے۔ جنھوں نے دائرۂ عمل شمالی مغربی علاقہ ہی میں محدود نہیں رکھا۔ بلکہ پشاور اور درۂ خیبر سے لیکر بہار اور بنگال تک مجاہدین کے خیمے تان دئے ان کے کارناموں کی تفصیل کے لئے سینکڑوں صفحات کی ضرورت ہے۔ یہاں صرف تاریخ آغاز کار اور سربراہ حضرات کے اسماء گرامی اور ان کے سنہ وفات تحریر کرتے ہیں یہ اختصار ہی ہمارے موضوع کے مناسب ہے ۲؎

۱۷ شوال ۱۲۶۲ھ ۹ اکتوبر ۱۸۴۶ء کو مقام بالاکوٹ سے ان حضرات کی قیادت کا آغاز ہوا ۳؎

اب اسماء گرامی مطالعہ فرمایئے۔

(۱) حضرت مولانا ولایت علی رحمۃ اللہ متوفی محرم ۱۲۶۹ھ اکتوبر ۱۸۵۲ء وفات بعارضہ

۱؎ سرگذشت مجاہدین ص ۱۳۰ ۲؎ علماء صادقپور یعنی شاندار ماضی کی جلد سوم میں تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کہ مولانا غلام رسول صاحب مہر کی تصنیفات سرگذشت مجاہدین جماعت مجاہدین وغیرہ ۳؎ شاندار ماضی ص ۲۵ ج ۳

عمر ۷۴ سال مدفن ستھانہ تاریخ وفات "دخل خلدا" [۱]

(۲) مولانا عنایت علی۔ برادر خورد مولانا ولایت علی متوفی ۱۲۷۴ھ ۱۸۵۸ء بعارضہ بخار وضیق النفس [۲]

(۳) مولانا نور اللہ متوفی ۱۸۶۰ء بعارضہ بخار [۳]

(۴) میر مقصود علی صاحب متوفی ۱۲۷۸ھ ۱۸۶۲ء [۴]

مولانا عنایت علی غازی رحمۃ اللہ کی وفات جماعت کے لئے حادثۂ عظیم تھی۔ ان کی وفات کے بعد حالات کی نزاکت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کے دو جانشیں پوری طرح سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ سفر آخرت کا وقت آپہنچا۔ اور صرف چار سال میں دو جانشین واصل بحق ہو گئے مگر اس کمزوری اور انتشار کے باوجود مجاہدین کس شان سے علم جہاد بلند کرتی رہی۔ اس کے متعلق کسی معتقد اور ہمنوا کی نہیں بلکہ جماعت کے سخت مخالف کی شہادت ملاحظہ فرمایئے۔ ڈاکٹر ولیم ولسن ہنٹر اس دلسوزی اور افسوس وحسرت کے ساتھ فرماتے ہیں۔

"میں ان بے غیرتیوں، حملوں اور قتل وغارت کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا جو ۱۸۵۶ء میں سرحدی جنگ کا باعث ہوئے۔ اس دوران مذہبی دیوانوں نے سرحدی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف متواتر اکسائے رکھا۔ ایک ہی بات سے حالات کا بڑی حد تک اندازہ ہو جائے گا یعنی ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۷ء تک ہم علیحدہ علیحدہ ۱۶ جنگی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوئے جس سے باقاعدہ فوج کی تعداد تینتیس ہزار ہو گئی تھی۔ اور ۱۸۵۷ء و ۱۸۶۳ء تک ان فوجی مہموں کی گنتی بیس تک پہنچ گئی تھی۔ اور باقاعدہ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تک ہو گئی تھی بے قاعدہ فوج اور پولیس اس کے علاوہ تھی" [۵]

ایک اور دردمندانہ حسرتناک فقرہ ملاحظہ فرمایئے۔

بہر حال جب ہم نے اس مہلک گھاٹی کو چھوڑا تو اس کے چپہ چپہ پر برطانوی

[۱] شاندار ماضی ج ۳ ص ۲۶۸ [۲] سرگزشت مجاہدین ص ۳۰۲ [۳] ایضاً ص ۲۱۸ [۴] ایضاً ص ۲۱۸

[۵] ہمارے ہندوستانی مسلمان از ہنٹر ص ۲۴ مطبوعہ ۱۹۴۴ء لاہور

سپاہیوں کی قبریں موجود تھیں [۱]

چوتھے سربراہ یعنی میر مقصود علی صاحب کے بعد زمام قیادت اُس کے سپرد ہوئی جسکی پرورش بچپن ہی سے جان بازی۔ ایثار و قربانی اور جہاد فی سبیل اللہ کے ماحول میں ہوئی تھی۔ یہ تھے۔

(۵) مولانا عبداللہ صادقپوری فرزند اکبر مولانا ولایت علی صاحب رحمہما اللہ۔ اس مجاہد جان باز نے تقریباً چالیس سال تک علم جہاد بلند رکھا جس کے دورِ امارت میں بارہا انگریزی فوجوں کو خاک و خون سے کھیلنا پڑا۔

آپ کے نامہ و پیام کے جرم میں ہزاروں محبانِ وطن گرفتار کر کے عبور دریائے شور کیے گئے ایک عرصہ تک پورے شمالی ہند میں خانہ تلاشیوں اور گرفتاریوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اور یکے بعد دیگرے سازش کے مقدمات چلائے گئے [۲]

مولانا عبداللہ کی وفات اور اُن کے جانشین

حضرت مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ نے ۲۷ شعبان ۱۳۲۰ھ [۳] ۲۹ نومبر ۱۹۰۲ء میں جفاکش مجاہدانہ زندگی سے نجات پائی تو ان کے برادرِ خورد

(۶) مولانا عبدالکریم کو یہ خدمت سپرد ہوئی ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ / ۱۱ فروری ۱۹۱۵ء بمقام اسمست [۴] میں مولانا کی وفات ہوئی۔ تو

(۷) نعمت اللہ صاحب نبیرہ مولانا عبداللہ اور اُن کی شہادت [۵] کے بعد مولانا عبداللہ صاحب کے دوسرے پوتے رحمت اللہ غازی منصب امارت پر فائز ہوئے۔ انیسویں صدی کے آخر میں مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ کے دورِ امارت میں برطانوی سامراج کے کارندوں نے فارورڈ پالیسی پر عمل شروع کیا۔ مقصد یہ تھا کہ اُن ٹھکانوں کو جو مجاہدین کے لئے پناہ گاہ تھے ختم کیا جائے وہاں فوجی چوکیاں قائم کی جائیں اور سڑکیں نکال کر راستوں کی دشواریاں ختم کی جائیں ابھی یہ منصوبہ پورا نہیں ہوا تھا۔ کہ برطانوی سامراج کے ایجنٹ بھی عطار، تو بلقار، تو کہتے ہوئے ہندستان سے رخصت ہو گئے۔ سدا رہے نام اللہ کا"

[۱] ہمارے ہندستانی مسلمان ص ۲۰ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے نقش حیات جلد دوم ص ۲۹ تا ص ۳۸ [۲] ملاحظہ فرمایئے شاندار ماضی جلد سوم ص ۱۲۳ تا ص ۱۵۶ [۳] سرگذشت مجاہدین ص ۱۹۱ [۴] ایضاً ص ۴۹۹ [۵] ۲۶ شعبان ۱۳۳۹ھ م

ص ۱۹۲۱ء ... سرگذشت مجاہدین ص ۵۰۲

علمار صادق پور کی سوانح

علمار صادقپور کی قربانیاں کہ لاکھوں روپیہ کی ذاتی جائیدادیں منقولہ اور غیر منقولہ راہ جہاد میں صرف کردیں۔ عیش وعشرت اور شاہانہ زندگی کے بجائے جفاکشانہ زندگی افلاس اور وہ فقر وفاقہ اختیار کیا کہ بعض اوقات درختوں کے پتوں، کونپلوں اور پودوں کی جڑوں کو غذا بنانا پڑا۔ خود اپنے وطن عظیم آباد عرف پٹنہ ہیں نہیں بلکہ وطن سے سینکڑوں میل فاصلہ پر آزاد علاقہ شمالی مغربی سرحد کو قربان گاہ بنایا۔

اس قربان گاہ تک پہنچنے کے لئے غیر معمولی نظم وضبط کہ ہزاروں مجاہدین بنگال کے سرحدی علاقوں سے چل کر تقریباً دو ہزار میل کی مسافت طے کرکے اس قربان گاہ تک پہنچے۔ اور دادِ شجاعت ومردانگی دیتے تھے۔

بقول سنہر مجھو کے بنگالیوں کے حملے ایسے ہوتے گویا بھوکے شیر شکاروں پر جھپٹ رہے ہیں اس طویل مسافت پر رسد اور سامان جنگ پہنچانے کے لئے ایسا خفیہ نظم وضبط کہ جب تک تحریک کامیابی سے چلتی رہی یعنی ۱۸۴۶ء سے تقریباً ۱۸۶۲ء تک انگریزی سی۔ آئی۔ ڈی اُن کے خفیہ نظام کار سے واقف نہ ہوسکی۔ اس کی سراغ رسانی کی دراز دستی نہ کسی مرکز کو چھو سکی نہ کسی قافلہ کی گرفت کرسکی۔ اور نہ زر رسانی کے ذرائع اس کو معلوم ہوسکے اور نہ رسل ورسائل کے طریقوں کا پتہ چلاسکی۔

ان کی تفصیلات بطور خلاصہ آپ علمار صادقپور (یعنی شاندار ماضی جلد سوم) میں ملاحظہ فرمایئے اس موقع پر تو ان کے مقصد کی طرف توجہ دلانی ہے۔

مقصد

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نظریات پر (جو قرآن وحدیث کی روشنی میں مرتب کئے گئے تھے) نظام حکومت کی تاسیس بلاشبہ مقصدِ عظیم تھا لیکن اس سے بھی اہم مقصد وہ تھا جس کی روح حضرت مجدد صاحبؒ کے اس فقرہ میں پوشیدہ تھی جو آغاز مضمون میں پیش کیا گیا ہے"۔ کافرانِ فرنگ کا بدترین کفر" یہ بدترین کفر مجدد صاحبؒ کے زمانہ میں ایک نظری اور فکری مسئلہ تھا لیکن آج نہ صرف طبقۂ علمار نہ صرف ہندستان بلکہ پوری دنیا اس کا مشاہدہ کررہی ہے۔

غور فرمائیے۔ کوئی بھی اخلاق سوز عادت ہے جس کا مرکز یورپ اور امریکہ نہ ہو اور اس کے اثرات اقتدارِ یورپ کے سایہ میں دنیا کے ہر ایک گوشہ میں نہ پہنچ رہے ہوں بیشک سائنسی ترقیات نے انسان کو چاند پر پہنچا دیا۔ مگر کیا انسانیت اور شرافت کو بھی کوئی عروج میسر آیا۔ یا وہ دن بدن تحت الثریٰ سے نیچے زمین کی تہہ میں دفن کی جا رہی ہے۔ سائنس بالائے کہکشاں اور اخلاق زیرِ خاک۔ اور ان کا فاصلہ روز افزوں انسانیت۔ شرافت۔ اخلاق اور روحانیت کی ترقی ماہرین سائنس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ان کی تمام ذہنی اور فکری صلاحیتیں ایسے آلات کی ایجاد میں صرف ہو رہی ہیں جن کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ تباہی کم سے کم وقت میں لائی جا سکے۔

فراوانیِ دولت کی انتہا نہیں۔ ارب اور کھرب۔ جو طلسم ہوش ربا کے فرضی افسانوں کے خیالی عدد تھے۔ آج وہ نہ صرف حکومتوں کے خزانوں بلکہ تباہ کن گولوں اور ٹینکوں کے واقعاتی عدد ہو گئے ہیں۔ لیکن اس فراوانیِ دولت نے دنیا کو اطمینان بخشا یا پوری دنیا بحران میں مبتلا ہے۔

قرآن پاک کے الفاظ میں ان ترقی پذیر دولت مندوں کی مثال یہ ہے۔

كما يقوم الذي يتخبطه الشيطن من المس ۔ (ان کا اٹھان ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی آسیب زدہ ہو)

یہ آگ جس کی لپیٹ میں تمام دنیا آ چکی ہے اس کا تنور سفید فام یورپ ہے۔ مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چشم بصیرت سے اس کا مشاہدہ کر لیا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے نظریات پر اگر حکومت قائم ہو جاتی تو وہ آگ کی لپٹوں کو روک سکتی تھی۔ ان کے جانشینوں نے آگ بجھانے کی کوشش کو اپنا فرض سمجھا۔

گاؤں میں آگ لگ جائے تو کامیابی کے امکانات پر بحث نہیں کی جاتی۔ بلکہ بجھانے کی کوشش کو فرض سمجھا جاتا ہے۔ اور اس شخص کو نہایت بے وفا۔ ہمدردی سے ناآشنا بزدل اور ناکارہ سمجھا جاتا ہے۔ جو آگ بجھانے کی کوشش میں حصہ نہ لے۔

یہ ہے خلاصہ ان فدا کارانِ حق کی کوششوں کا۔ (جس کی آخری کڑی تحریک شیخ الہندؒ ہے)

تحریک شیخ الہند رحمہ اللہ

انقلابی تحریکات میں ایک تحریک وہ ہے جسے "ریشمی رومال والی تحریک" کہا جاتا ہے محکمہ خفیہ کے کارپردازوں کو ہمہ دانی کا بہت کچھ دعویٰ ہے۔ ممکن ہے کسی تحریک کے متعلق یہ دعویٰ درست ہو مگر جہاں تک اس تحریک کا تعلق ہے یہ دعویٰ سراسر غلط ہے۔

ایک خط جو ریشمی رومال پر لکھا گیا تھا۔ وہ سی۔ آئی۔ ڈی کے ہاتھ لگ گیا۔ یہی خط سی آئی ڈی کی تجسس و تفتیش کی بنیاد ہے۔ اسی بنیاد پر انھوں نے ایک عمارت کھڑی کی اور اس کا نام "ریشمی خطوط والی تحریک" رکھ دیا۔ یہ بنیاد ہی بے بنیاد ہے تو جو عمارت اس پر کھڑی ہوگی وہ بھی سراسر ریگ کا تودہ ہوگی۔

سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹوں کا ایک طومار ہے جو لندن کے "انڈیا آفس" میں محفوظ تھا انڈیا آفس سے وہ خارج (ریلیز) کیا گیا تو محترم مولانا موسیٰ بھائی کرماڈی اور ان کے چند مخلص احباب نے اس کے "فلم" لے لئے۔ یہ فلم "جمعیۃ علماء ہند" کی لائبریری میں محفوظ ہیں ان کا ترجمہ آئندہ صفحات میں آپ کے سامنے ہے۔

یہ خط مولانا عبیداللہ سندھی کا لکھا ہوا تھا سی۔ آئی۔ ڈی نے مولانا سندھی ہی کو اس تحریک کا بانی سمجھ لیا جو سراسر غلط ہے۔ اس خط کی بنیاد پر تحقیق و تفتیش کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ بہت سے حضرات شبہ میں گرفتار کئے گئے۔ عرصہ تک ان کو کسی مقام پر نظربند رکھا گیا یا جیل میں ڈال دیا گیا۔ تو محکمہ نے یہ سمجھا کہ ہماری جدوجہد نے تحریک کو ختم کر دیا حالانکہ تحریک جس وقت شباب پر تھی سی۔ آئی۔ ڈی کو اس کی کسی پرچھائیں کا بھی پتہ نہیں چلا لیکن جب تحریک خود اپنے حالات کی بنا پر افسردہ ہوگئی اور کارپردازوں نے بھی رازداری کو غیر ضروری سمجھا تب سی۔ آئی۔ ڈی کو موقع ملا کہ وہ دعویٰ ہمہ دانی کا سہرا باندھ سکے۔ اور تحریک کی ناکامی کو اپنی جدوجہد کا نتیجہ قرار دے سکے۔

بانی تحریک سوال یہ ہے کہ بانی تحریک کے سلسلہ میں ان رپورٹ کرنیوالوں کا بیان صحیح مانا جائے یا وہ بیان صحیح مانا جائے جو خود مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اپنی ذاتی ڈائری میں تحریر فرمایا جس کے چند فقرے یہاں نقل کئے جارہے ہیں

مولانا سندھی فرماتے ہیں۔

۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ نے مجھے دیوبند طلب فرمایا۔ اور مفصل حالات سنکر دیوبند میں رہکر کام کرنیکا حکم دیا چار سال تک جمعیۃ الانصار میں کام کرتا رہا اس تحریک کی تاسیس میں مولانا محمد صادق صاحب سندھی اور مولانا ابو محمد صاحب لاہوری اور عزیزی مولوی احمد علی میرے ساتھ شریک تھے حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۲ء میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔ اس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ساتھ حکیم اجمل خاں اور نواب وقار الملک ایک ہی طرح شریک تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے جس طرح چار سال دیوبند میں رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا تھا۔ اسی طرح دہلی بھیج کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے دہلی تشریف لائے۔ اور ڈاکٹر انصاری صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی مرحوم سے ملایا۔ اس طرح تخمیناً دو سال مسلمانان ہند کی اعلیٰ سیاست سے واقف رہا۔

۱۳۳۳ھ ۱۹۱۵ء میں شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل گیا۔ مجھے کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا گیا۔ اس لئے میری طبیعت اس ہجرت کو پسند نہ کرتی تھی۔ مگر تعمیل حکم کے لئے جانا ضروری تھا خدا نے اپنے فضل سے نکلنے کا راستہ صاف کر دیا۔

دہلی کی سیاسی جماعت کو میں نے بتایا کہ میرا کابل جانا طے ہو چکا ہے۔ انھوں نے بھی اپنا نمائندہ بنا دیا مگر کوئی معقول پروگرام وہ بھی نہیں بتا سکے۔

کابل جاکر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ جس جماعت کے نمائندہ تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کے لئے تیار ہے۔ اس کو میرے جیسے ایک خادم شیخ الہند کی اشد ضرورت تھی۔ اب مجھے اس ہجرت

اور شیخ الہندؒ کے انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا۔ ۱ ؎

(۱) اس بیان سے واضح ہوگیا کہ اس تحریک کے بانی مولانا عبیداللہ سندھی نہیں تھے بلکہ (۱۹۱۵ء تاریخ روانگی مولانا سندھی سے) پچاس سال پہلے تقریباً ۱۸۶۵ء میں اس کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ اور شیخ الہند رحمۃ اللہ ہندوستان میں اس جماعت کے نمائندے تھے۔

(۲) ایک جماعت ہندوستان میں بھی قائم ہو چکی تھی۔ اس کے ارکان مولانا ابوالکلام آزاد۔ ڈاکٹر انصاری مولانا محمد علی اور حکیم اجمل خاں وغیرہ تھے رحمہم اللہ۔ یہ جماعت بھی مولانا سندھی کی جدوجہد سے نہیں۔ بلکہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک سے قائم ہوئی تھی یا خود ارکان جماعت کے احساس اور اُن کے اتحادِ فکر نے اس کی بنیاد ڈال دی تھی اور اب حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھی کو اس میں شریک کرایا تھا۔

(۳) یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ مولانا سندھی کا دیوبند سے دہلی منتقل ہونا ذمہ داران دارالعلوم کے کسی اختلاف کے باعث نہیں تھا۔ بلکہ جماعت کے پروگرام کے بموجب ان کا کام مرکز علوم دارالعلوم دیوبند سے دہلی منتقل کیا گیا تھا جو پورے ہندوستان کا سیاسی مرکز تھا۔

(۴) مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۱۵ء ۱۳۳۳ھ میں کابل تشریف لے گئے وہاں آپ نے ایک جماعت دیکھی جو پچاس سال سے کام کر رہی ہے (یعنی ۱۸۶۵ء ۱۲۸۲ھ سے) یہ وہ زمانہ ہے کہ علماء صادقپور کی جماعت کے امیر مولانا عبداللہ (خلف اکبر حضرت مولانا ولایت علی صاحب) تھے (جو نومبر ۱۹۰۲ء شعبان ۱۳۲۰ھ تک امیر رہے) اور ہندوستان میں اس جماعت کے افراد پر سازش کے مقدمات چل رہے تھے۔ ۲ ؎

(۵) لیکن مولانا سندھی رحمۃ اللہ نے جن سے رابطہ قائم کیا وہ اگرچہ اپنی اہمیت اور عظمت کے

---

۱ ؎ کابل میں سات سال ص ۱۰۴ و ص ۱۰۵ شائع کردہ سندھ ساگر اکادمی لاہور و ذاتی ڈائری بحوالہ نقش حیات جلد دوم ص ۱۴۴ تا ص ۱۴۶ علماء حق جلد اول ص ۲۳۰ و ص ۲۳۱ ۲ ؎ ملاحظہ فرمائیے علماء صادقپور (شاندار ماضی جلد ۲) از ص ۱۲۳ تا ص ۱۶۷ و سرگذشت مجاہدین ص ۳۷۱ تا ص ۴۴۶

لحاظ سے جماعت تھے بلکہ ان میں کا ہر ایک فرد جماعت تھا۔ مگر وہ کسی جماعت سے منسلک نہیں تھے۔

بیشک وہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ اور ان کے شیخ و مرشد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی و حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہما اللہ کے دامنوں سے وابستہ تھے[1] مگر ان کی خدمات اپنے اپنے حلقوں میں محدود و مختص کوئی جماعتی السلاک نہیں تھا یہی حضرات تھے جن کے متعلق مولانا سندھی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ جس جماعت کے نمائندے تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے "غیر منظم شکل" میں تعمیل حکم کے لئے تیار ہے۔ (علماء حق جلد ا ص ۲۲۱)

پوری تحریک پر اجمالی نظر

سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹ بلکہ محکمۂ خفیہ کی پوری کارروائی آپکے سامنے آگے آئیگی۔ مگر اس سے تحریک کا قابل اطمینان نقشہ آپ کے سامنے نہیں آسکے گا اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تحریک کا قابل اطمینان نقشہ آپکے سامنے پیش کر دیا جائے یہ نقشہ محترم غلام رسول صاحب مہر کا مرتب فرمودہ ہے۔ وہ اگرچہ تحریک کے رکن نہیں تھے مگر حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ کے دور سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے دور تک جس کی مدت سو سال سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس پوری تحریک اور اس کی شاخوں کے کارناموں اور ان کی سرگذشتوں کے حالات کے بہترین محقق اور ماہر ہیں۔ پہلے ان کا مرتب کیا ہوا نقشہ پیش کیا جارہا ہے اس کے بعد اس تحریک کے عظیم رکن شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ کی مرتب فرمودہ روداد پیش کی جائے گی۔ آپ یہ نقشہ اور روداد ملاحظہ فرمالیجئے۔ پھر آپ سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹ پر علی وجہ البصیرت نظر ڈال سکیں گے۔

---

[1] مثلاً حاجی ترنگ زئی مولانا سیف الرحمٰن قندھاری، خان عبدالغفار خاں وغیرہ جن کے مفصل تذکرے "مردان کار" کے سلسلہ میں آئیں گے انشاء اللہ

شیخ الہند رحمۃ اللہ کی تحریک آزادی

مولانا غلام رسول صاحب مہر تحریر فرماتے ہیں ؎۔

میرے مطالعہ اور غور و فکر کا نچوڑ یہ ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ اپنی عملی زندگی کے آغاز ہی میں ایک نقشۂ عمل تیار کر چکے تھے۔ اور اسے لباسِ عمل پہنانے کی کوششیں انہوں نے اُس وقت سے شروع کر دی تھیں۔ جب ہندستان کے اندر سیاسی سرگرمیاں محض برائے نام تھیں۔

ملک کے حالات کسی تیز تحریک کے لئے ہرگز سازگار نہ تھے۔ مسلمانوں پر حیرانی اور افسردگی طاری تھی وہ ثریا سے تحت الثریٰ میں جا گرے تھے اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اپنی کھوئی ہوئی حیثیت حاصل کرنے کے لئے کون سا راستہ اختیار کریں اور کس طریقۂ عمل پر گامزن ہوں۔ ایسے اصحاب بہت کم نظر آتے تھے جن کے خلوص پر اعتماد کیا جا سکے۔ اور جو پیش نظر مقاصد کے لئے بے تکلف ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ ہوں پھر حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کو حکومت کے عتاب کا ہدف بننے سے حتی الامکان محفوظ رکھیں۔

اسلامی درسگاہوں کی تحریک

میرے اندازہ کے مطابق انہوں نے یہ طے کیا تھا کہ جن جن اصحاب میں عملی صلاحیت پائیں۔ انھیں جا بجا خصوصاً علاقۂ غیر (آزاد قبائل) کے مختلف حصوں میں دینی اور اسلامی درسگاہیں قائم کرنے کی ترغیب دیں۔ "ملا صاحب سنڈاکے" نے بھی حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات کی تھی۔ انہوں نے جب کام شروع کیا تو ابتدا میں ایک اسلامی درس گاہ ہی قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔

"حاجی صاحب ترنگ زئی" شیخ الہندؒ سے استفادہ کر چکے تھے۔ اُن کے پیش نظر بھی درس گاہیں قائم کرنے ہی کا سلسلہ تھا۔

سید عبدالجبار صاحب تھانوی لکھتے ہیں۔

جب مجھے نمائندگانِ صوبات نے بتایا کہ "ملا صاحب سنڈاکے" اسلامیہ کالج پشاور کے بالمقابل ایک عالی شان اسلامی درسگاہ کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں تو میں

ان پر صاف صاف واضح کردیا۔ کہ یہ اصطلاح ایک خاص جماعت کا شعار ہے جس میں مولوی صاحبان اور علمار شامل ہیں۔ انہوں نے اسلامی درسگاہوں کو حکومت برطانیہ کے خلاف تنظیمات کا پردہ بنالیا ہے۔ اور حاجی صاحب ترنگ زئی جو اپنے ضلع میں ایسی درسگاہیں قائم کرنا چاہتے ہیں وہ بھی اس حلقہ کے ایک رکن ہیں سید صاحب کہتے ہیں کہ مجھے یہ تو علم نہ تھا کہ اصطلاح کس نے ایجاد کی اور اس کا مرکز کہاں تھا۔ لیکن جنگ طرابلس اور جنگ بلقان نے واضح کردیا تھا کہ یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں ترکوں کے دشمن حملہ آوروں کی پشتبانی کرکے خلافت اسلامیہ کو برباد کردینے کے درپے ہیں۔ اس پر مسلمانوں میں ہمہ گیر بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ علمار حق خلافت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لئے سرگرم عمل ہوگئے اس سلسلہ میں تبلیغ واشاعت کے لئے بہترین طریقہ یہ سمجھا گیا کہ گاؤں گاؤں اور بستی بستی میں اسلامی درسگاہیں قائم کردی جائیں لہ

صحیح تربیت غرض شیخ الہندؒ کا ابتدائی منصوبہ یہی تھا اور اسے حضرت کے تعلیمی مشاغل سے خاص مناسبت تھی۔ یاد رہے کہ سید احمد شہیدؒ نے جب مسلمانوں کو بغرض جہاد منظم کرنے کا قصد فرمایا تھا تو پیروں کے شیوہ کے مطابق ..... مختلف علاقوں کے دورے شروع کردئے تھے۔ جگہ جگہ وعظ بھی ہوتے بیعت بھی لی جاتی توجہ بھی دیجاتی۔ اس طریقہ کو سید شہیدؒ کے مشاغل سے خاص مناسبت تھی۔ میرے نزدیک مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی بانیان دارالعلوم دیوبند کا اصل مقصد ونصب العین بھی وہی تھا جس کے لئے کارفرمایان دیوبند میں سے صرف حضرت شیخ الہندؒ سرگرم عمل ہوئے۔ اس طریقہ اور شیوہ کے مطابق جلد حسب مراد نتیجے برآمد ہونے کی توقع نہ رکھی جاسکتی تھی تاہم ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ انقلابی مساعی کے ساتھ ساتھ عوام کی صحیح تربیت کا کام بھی انجام پاتا جاتا۔ جس طرح سید شہیدؒ کی دعوت اصلاح میں انجام پاتا تھا۔ اُس انقلاب سے بڑھ کر مصیبت خیز اور

لہ شہادۃ الثقلین حصہ دوم قلمی نسخہ ص۳۷

تباہ کن شی کوئی نہیں ہو سکتی جس کے عوام، پیش نظر مقاصد کی تربیت کا ملاکے بہرہ ہوں دریاؤں کا پانی نہروں کے ذریعہ سے کھیتوں میں پہنچتا ہے تو زمین کی اندرونی صلاحیتیں پیداوار کے انبار فراہم کر دیتی ہیں لیکن اگر وہ پانی بے پناہ سیل کی شکل اختیار کر لے تو بستیوں کی ویرانی اور فصلوں کی بربادی کے سوا کیا نتیجہ نکلے گا؟

حوادث کا ہجوم و تواتر

مجھے یقین ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ مرحوم و مغفور اپنے اسی منصوبہ کے مطابق کاربند رہنا چاہتے تھے لیکن حالات کی خوفناک مخالفانہ رفتار اور حوادث کا ہجوم و تواتر اُن کے صبر و شکیب کے لئے شدید آزمائشوں کا موجب بن گیا۔

مولانا حسین احمد فرماتے ہیں کہ حضرت کی گہری نظر واقعاتِ عالم بالخصوص ہندستان اور ترکی پر مرکوز رہتی تھی۔ طرابلس اور بلقان کے زہرہ گداز مظالم اور اندرونِ ہند میں انگریزوں کی روز افزوں چیرہ دستیوں نے انہیں اس قدر متاثر کیا کہ آرام و چین تقریباً حرام ہو گیا گویا وہ اپنے اختیار سے نکل گئے۔ نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر انہیں سر بکف اور کفن بردوش میدانِ انقلاب میں نکلنا پڑا۔ زمانہ کی تاریکیاں، موسم کی کالی کالی گھٹائیں احوال کی نزاکتیں اہلِ ہند بالخصوص مسلمانوں کی ناگفتہ بہ کمزوریاں رکاوٹ بنکر سامنے آئیں۔ اور کچھ عرصہ اسی غور و خوض میں گذرا مگر پانی سر سے گذر چکا تھا۔ اس لئے خوب سوچ سمجھ کر صرف قادرِ مطلق پر اعتماد اور بھروسہ کر کے کام شروع کر دیا۔[1]

ابھی وہ کوئی فیصلہ کن قدم نہ اُٹھا سکے تھے کہ پہلی جنگِ یورپ شروع ہو گئی۔ دو تین ماہ بعد ترک انگریزوں کے خلاف جنگ میں شامل ہو گئے۔ گویا اطمینان و دلجمعی سے آہستہ آہستہ کام جاری رکھنے اور نتائج کا انتظار کرنے کی مہلت ختم ہو گئی۔ اور اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ جو کچھ بھی ممکن ہو فی الفور کیا جائے تاکہ انگریزوں کی مشکلات میں اضافہ ہو۔ ترکوں کو تقویت پہنچے۔ اور ہندستان کی آزادی کا خواب اپنی صحیح

---

[1] نقشِ حیات جلد دوم صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۶

تعبیر سے ہم آغوش ہو جائے۔

فوری کام کی ضرورت

حضرت شیخ الہندؒ ان تمام اصحاب کی طبیعتوں اور صلاحیت استقامت کا اندازہ فرماتے رہتے تھے۔ جو ان کے پاس تعلیم واستفادہ کی غرض سے آتے۔ ان میں سے بعض موزوں اصحاب کو انہوں نے اپنے کام کے لئے چن لیا تھا۔ انہیں حکم دیدیا کہ جلد سے جلد یاغستان پہنچ جائیں۔ اور آزاد قبائل کو ہندستان پر حملہ کے لئے اٹھائیں۔ مولانا عبیداللہ مرحوم کو انہوں نے افغانستان بھیجا کہ امیر حبیب اللہ خاں والئی افغانستان کو اس نازک وقت میں خدمت اسلام کے لئے جانبازانہ اقدام پر آمادہ کریں۔ حاجی صاحب ترنگزئی اور ملا صاحب سنڈاکے کے متعلق ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ وہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک سے وابستہ تھے۔ انکے علاوہ مولانا سیف الرحمن مولانا محمد میاں عرف منصور انصاری مولانا فضل ربی مولانا فضل محمود اکبر حضرت شیخ کے خاص ارکان تھے خود ہندستان میں ان کے مخلص کارکنوں کا شمار مشکل ہے مثلاً مولانا عبدالرحیم رائے پوری مولانا خلیل احمد مولانا محمد احمد چکوالی مولانا محمد صادق (کراچی) شیخ عبدالرحیم سندھی مولانا عبدالرحیم راندیری مولانا غلام محمد دین پوری مولانا تاج محمود (امروٹ ضلع سکھر) ڈاکٹر مختار احمد انصاری حکیم عبدالرزاق انصاری وغیرہ سینکڑوں ایسے اصحاب ہیں جن کے نام بھی معلوم نہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا محمد علی حکیم اجمل خاں۔ نواب وقارالملک اور وقت کے اکثر بڑے بڑے رہنما حضرت شیخ الہندؒ کے مشیر ومعاون تھے۔

مولانا عبیداللہ سندھی

مولانا عبیداللہ سندھی کابل جانے کے لئے تیار ہو گئے تو اس سلسلہ میں پہلا اہم مسئلہ روپیہ کا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس مقصد کے لئے حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون مرحوم سے ملاقات کی۔ انھوں نے بے تامل پانچ ہزار روپے پیش کردئے جو مولانا عبیداللہ کو دیدئے گئے [1]

---

[1] حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون مرحوم نے پچیس روپے ماہانہ کی ملازمت سے زندگی شروع کی تھی پھر بہت بڑے تاجر بن گئے اور انکی آمدنی لاکھوں روپے سالانہ تھی۔ وہ ہر دور اور عہد قومی کاموں کے لئے معتدبہ رقمیں نکالتے تھے موجودہ صدی کے اوائل میں سندھ کے اندر تبلیغ اسلام کے لئے جو کام جاری ہوا تھا اسمیں بھی بیشمار روپیہ خرچ کیا۔ خلافت لیگ اور مسلم کانفرنس کی تنظیمات میں عجیب چاپ گرانقدر امداد دیتے رہے قابل غور امر یہ ہے کہ اجزاء کار کے سوا ان کے سامنے کوئی غرض نہ تھی۔ وہ مسلمان اداروں کو جو روپیہ دیا اس کا [illegible]
[illegible]

معلوم نہیں اس کے سوا بھی کوئی رقم ملی یا نہ ملی دوسرا مسئلہ اخفار کا تھا، خفیہ پولیس مولانائے مرحوم پر متعین تھی اور اُن کی ہر نقل و حرکت کی نگرانی کی جاتی تھی۔ اس مصیبت سے بچنے کی تدبیر یہ سوچی گئی کہ مولانا بھاولپور اور سندھ چلے جائیں وہاں دیہات میں اس طرح رہنے لگیں گویا کوئی کام اُن کے پیش نظر نہیں چنانچہ وہ سنہ ۱۹۱۵ء کے اوائل میں دہلی چھوڑ کر پہلے بھاولپور بعد ازاں سندھ پہنچ گئے۔ اس اثنا میں راستہ کے انتظامات بھی کرتے رہے۔ پھر یکایک نکلے اور ۱۵ اگست کو "سوریا بک" کے علاقہ میں داخل افغانستان ہوئے۔ شیخ عبد الرحیم سندھی[1] بلوچستان کی آخری حد تک ساتھ رہے

قیام افغانستان کے حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ قندھار ہوتے ہوئے ۱۵ اگست سنہ ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچے سردار نصر اللہ خاں امیر حبیب اللہ خاں اور اُن کے فرزند اکبر سردار عنایت اللہ خاں سے ملاقاتیں کیں۔ ترکی اور جرمن مشن آیا۔ اور ہندستانیوں نے حکومت موقتہ قائم کی۔ تو مولانا بعض وجوہ سے اس کے ہم نواہ رہ سکے راجہ مہندر پرتاپ صدر حکومت موقتہ کے متعلق مولانا کو یقین ہو چکا تھا وہ کانگریس کے بجائے ہندو مہا سبھا کے کارندے ہیں اور انہوں نے خود حکومت موقتہ کی اسکیم لالہ لاجپت رائے کو دیدی تھی غالبًا اسی اسکیم کی بنا پر لالہ لاجپت رائے نے یہاں افغانوں کے حملہ کا افسانہ تیار کیا تھا۔ حکومت موقتہ کی طرف سے روس جاپان اور ترکی مشن بھیجے گئے مولانا ان کی تجویز و ترتیب میں شریک رہے افغانستان میں خدام خلق کی ایک جماعت بنائی۔ جس کا نام "جنود اللہ" رکھا۔

امیر امان اللہ خاں کے عہد میں ایک ہندوستانی تعلیم گاہ قائم کرنے کی اجازت لی لیکن برطانوی سفیر نے زور دیکر یہ اجازت منسوخ کرادی سنہ ۱۹۲۲ء میں افغانستان سے نکل کر ماسکو اور استنبول آئے ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچ گئے سنہ ۱۹۳۹ء میں وطن واپس آئے

ریشمی خطوط

مولانا نے کابل سے ایک خط ریشمی پارچہ پر لکھ کر شیخ عبد الحق نومسلم کے ہاتھ شیخ عبد الرحیم سندھی کے پاس بھیجا تھا اور تاکید کردی تھی کہ

---

[1] یہ جار یہ کرپلانی کے بھائی تھے مسلمان ہوجانیکے بعد پوری زندگی تبلیغ اسلام میں بسر کردی سیاسی کاموں میں بھی حصہ لیتے رہے سرہند میں وفات پائی۔ میرے عزیز و مکرم دوست شیخ عبد المجید سندھی بھی اُن کے عزیزوں میں ہیں وہ بھی اسلام لانیکے وقت سے برابر قید و بند کی تکلیفیں اٹھاتے رہے ہیں (ص ۱۰۲) سرگذشت مجلد ۲ ص ۵۵

شیخ صاحب فوراً حجاز چلے جائیں یا کسی معتمد علیہ حاجی کے ذریعہ سے خط حضرت شیخ الہندؒ کو پہنچا دیں۔ شیخ عبدالحق طلباء کے ساتھ ہجرت کرکے کابل پہنچا تھا۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ نواز خاں کا ملازم تھا وہ شخص ہر لحاظ سے قابل اعتماد تھا۔ لیکن خدا جانے کیا حالات پیش آئے کہ اس نے خط شیخ عبدالرحیم کے حوالہ کرنے کے بجائے اللہ نواز خاں کے والد خان بہادر رب نواز خاں کو دیدیا۔ ان کے ذریعہ سے پنجاب کے گورنر مائیکل اوڈوائر کے پاس پہنچا۔ اس طرح حکومت کو حضرت شیخ الہندؒ مولانا عبیداللہ اور دوسرے کارکنوں کی تحریک کے کچھ راز معلوم ہو گئے۔ اسی وقت سے شیخ عبدالرحیم کا تعاقب شروع ہو گیا اور حضرت شیخ الہندؒ کو بھی مکہ معظمہ میں گوناگوں حوادث سے گذرتے ہوئے بالآخر گرفتاری و نظر بندی قبول کرنی پڑی۔ اصل خط کا مضمون غالباً یہ تھا کہ حکومت موقتہ نے افغانستان سے عہدنامہ کر لیا ہے باقی حکومتوں کے پاس بھی سفارتیں بھیجی جارہی ہیں۔ اس سلسلہ میں حکومت ترکیہ سے بھی ربط و ضبط پیدا کرنا منظور ہے۔ آخر میں حضرت موصوف سے درخواست کی گئی تھی کہ ربط و ضبط پیدا کرنے اور معاہدہ کرانے میں امداد دیں"۔

اس ریشمی خط کے ساتھ مولانا محمد میاں عرف منصور انصاری کی طرف سے بھی ایک خط تھا (رولٹ رپورٹ میں ریشمی خط کے متعلق جو کچھ مرقوم ہے وہ غلط اور ناقص معلومات پر مبنی ہے)[۱]

حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان میں گرفتاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ حضرت شیخ الہندؒ بہت پریشان ہو گئے تھے۔ کہ کہیں بیٹھے بٹھائے گرفتار نہ ہو جائیں اور اس طرح ضروری جدوجہد کے اوقات تعطل میں بسر نہ ہوں۔ لہذا وہ باہر نکل جانا چاہتے تھے انہوں نے اپنے دوسرے مشیروں کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد سے بھی مشورہ کیا۔ مولانا آزاد کی رائے قطعی طور پر یہ تھی کہ باہر نہ جانا چاہئے اور یہیں بیٹھ کر کام کرنا چاہئے۔ اگر اس اثنا میں گرفتاری ہو جائے تو اسے قبول کئے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ وہ جانتے تھے کہ باہر جاکر کوئی کام نہ ہو سکتا تھا۔ اور رہا باہر رہ کر معطل

[۱] رولٹ رپورٹ صفحہ ۱۷۶ و صفحہ ۱۷۸

بیٹھنے سے اندرون کمرہ معطل ہو جانا بہر حال بہتر تھا۔

حضرت شیخ نے یہی مناسب سمجھا کہ پہلے حجاز پہنچیں۔ وہاں سے ذمہ دار ترک وزیروں اور ماموروں سے ربط و ضبط پیدا کر کے ایران و افغانستان کے راستے یاغستان جائیں چنانچہ چند رفقاء کے ساتھ حجاز چلے گئے۔

حج کیا۔ اُس وقت ترکوں کی طرف سے غالب پاشا حجاز کا گورنر تھا مکہ معظمہ کے مشہور تاجر حافظ عبدالجبار دہلوی کے ذریعہ سے غالب پاشا کے ساتھ ملاقاتیں کیں اور اُن سے تین تحریریں حاصل کیں۔

۱۔ پہلی تحریر مسلمانان ہند کے نام تھی۔

۲۔ دوسری تحریر مدینہ منورہ کے گورنر بصری پاشا کے نام تھی جس میں مرقوم تھا کہ حضرت شیخ الہند معتمد علیہ شخص ہیں اُن کا احترام کیا جائے اور انہیں استنبول پہنچا دیا جائے۔

۳۔ تیسری تحریر غازی انور پاشا کے نام تھی کہ ان کے مطالبات پورے کئے جائیں غالب پاشا نے خود حضرت موصوف کو تاکید کی کہ آپ تمام ہندستانیوں کو آزادی کامل پر آمادہ کریں۔ ہم ہر ممکن امداد دیں گے اور صلح کی کانفرنس منعقد ہوگی تو اسمیں ہندستان کے لئے آزادی کامل کی حمایت کریں گے ان میں سے پہلی تحریر ہندستان کی تاریخ سیاست میں "غالب نامہ" کے نام سے معروف ہوئی۔

انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات

حضرت شیخ الہندؒ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ چلے گئے اور ابھی وہ استنبول جانے کے لئے تیار نہ ہوئے تھے کہ انور پاشا وزیر حربیہ ترکیہ اور جمال پاشا گورنر شام کے مدینہ منورہ پہنچنے کا تار آگیا۔ چنانچہ اُن سے بھی تخلیہ میں ملاقاتیں ہوئیں۔ جمال پاشا نے وہی مطالب دہرائے جو غالب پاشا حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے پیش کر چکا تھا۔ نیز وعدہ کیا کہ وہ شام پہنچکر حضرت کے حسب خواہش ترکی عربی اور فارسی میں ایسی تحریرات بھیج دے گا جنہیں جا بجا شائع کیا جا سکے۔ حضرت نے یہ بھی کہا کہ مجھے محفوظ طریق پر حدود افغانستان تک پہنچا دیا جائے تاکہ میں یاغستان چلا جاؤں۔ ہندستان کے راستہ گیا تو انگریز مجھے گرفتار

کرلیں گے۔ جمال پاشاہ نے اس بنا پر معذوری ظاہر کی کہ روسی فوجیں ایران میں سلطان آباد تک پہنچ گئی ہیں۔ گویا افغانستان کا راستہ کٹ گیا ہے۔ فی الحال آپ کو افغانستان پہنچانا غیر ممکن ہے۔ واپسی میں گرفتاری کا خطرہ ہے۔ تو حجاز یا ترکی عملداری کے کسی دوسرے مقام پر ٹھہر جائیں۔

غالب نامہ کا ارسال

حضرت خود تو حجاز ہی میں ٹھہر گئے۔ لیکن غالب نامہ اور دوسرے ضروری کاغذات بطریق محفوظ ہندستان پہنچانے کی تدبیر یہ سوچی کہ کپڑے رکھنے کے لئے لکڑی کا ایک صندوق بنوایا۔ اس کے تختے اندر سے کھود کر کاغذات رکھ دئے پھر انھیں اس طرح ملا دیا۔ کہ باہر سے دیکھنے والا کتنا ہی مبصر کیوں نہ ہو پتہ نہ لگا سکے بلکہ شبہ بھی نہ کر سکے یہ صندوق مولانا ہادی حسن رئیس خاں جہاں پور (ضلع مظفر نگر) اور حاجی شاہ بخش سندھی کے حوالہ کر دیا گیا۔ بمبئی میں جہاز پر سی آئی ڈی بھی موجود تھی اور اہل شہر بھی بکثرت آئے ہوئے تھے انھیں میں سے مولانا محمد نبی[۵] نام ایک مخلص نے مولانا ہادی حسن صاحب سے کہا کہ اگر کوئی چیز محفوظ رکھنی ہو تو ابھی مجھے دیدیجئے۔ چنانچہ صندوق انہیں دیدیا گیا وہ اسے محفوظ نکال لائے اور توڑ کر تحریریں نکال لیں۔ دہلی میں حاجی احمد میرزا فوٹوگرافر نے ان کے فوٹو لئے اور مولانا محمد میاں عرف منصور انصاری کے ہاتھ یہ تحریریں سرحد بھیج دی گئیں بعد ازاں حضرت نے اپنے ایک عزیز کو اس خیال سے تحریروں کا راز بتادیا کہ وہ ہندستان واپس جا کر ان کے فوٹو دینے اور جا بجا پہنچانے کا پیغام ارباب کار تک پہونچانے کا انتظام کریں۔ مگر اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ اور اس نے سب کچھ بتا دیا جس کی بنا پر مختلف اصحاب کی تلاشیاں ہوئیں اور انہیں گوناگوں مصائب سے سابقہ پڑا۔

---

[۵] مولانا محمد نبی صاحب کا نام صحیح نہیں ہے نقش حیات میں آنے والوں کے مجمع میں سے ایک صاحب نے جو حضرت شیخ الہند کے مخلصین میں سے تھے مولانا ہادی حسن صاحب سے کہا کہ کوئی چیز محفوظ رکھنی ہو تو مجھ کو فوراً دیدیجئے۔ ص ۲۲۴ ج ۲ یہ مولانا سید محمد نبی صاحب رحمۃ اللہ۔ مولانا ہادی حسن صاحب رحمۃ اللہ کے عزیز غالباً برادر زادہ تھے یہ بمبئی نہیں آئے تھے اپنے وطن (خاں جہاں پور ضلع مظفر نگر) میں ہی رہے وہیں ان کو کسی ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ صندوق کے تختوں میں کوئی راز کی چیز ہے۔ پوری تفصیل نقش حیات کے اقتباسات میں آگے آئے گی۔ محمد میاں

حضرت شیخ الہندؒ کی اسیری اور رہائی

شریف حسین نے انگریزوں سے خفیہ خفیہ عہد و پیمان کر کے ترکوں سے غداری کی اور حجاز میں جتنے ترک موجود تھے وہ سخت و شدید ظلم و جور کا ہدف بنے حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفیقوں کو اسیر کر کے شریف نے جدہ پہنچا دیا۔ جہاں سے انگریز پہلے مصر لے گئے پھر مالٹا میں نظر بند کر دیا۔ تین برس سات مہینے کے بعد ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ (۸ جون ۱۹۲۰ء) کو بمبئی پہنچا کر انھیں رہا کیا۔

زمانہ قیام حجاز میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری حکیم عبدالرزاق انصاری مولانا محمد ابراہیم راندیری وغیرہ نے حضرت کی جو خدمت کی وہ ان کے حسنات عالیہ کا گراں بہا حصہ ہے

تحریک انقلاب عرف ریشمی خطوط کی تحریک

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی ابتدائی کارگذاری

اس تحریک[1] کے ابتدا میں ضروری سمجھا گیا کہ چونکہ بغیر تشدد (وائلنس)[2] ہندوستان سے انگریزوں کا نکالنا اور وطن عزیز کا آزاد کرانا ممکن نہیں ہے اور اس طرح کے انقلاب کیلئے محفوظ مرکز اور مرکز کے علاوہ اسلحہ اور سپاہی (مجاہدین) وغیرہ ضروری ہیں۔ بنا بریں مرکز یاغستان (آزاد قبائل) قرار دیا گیا۔ کہ وہاں اسلحہ اور جانباز سپاہیوں کا انتظام ہونا چاہیئے اسکے علاوہ چونکہ آزاد قبائل کے نوجوان ہمیشہ جہاد کرتے رہتے ہیں اور قوی ہیکل اور جانباز ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو متفق اور متحد کرنا اور ان میں جہاد کی روح پھونکنا بھی ضروری تصوّر کیا گیا۔ اور انھیں سے کامیابی کی امید قائم کی گئی۔ اس بناء پر ضروری سمجھا گیا کہ

---

[1] نقش حیات ص۲۰۹ تا ص۲۳۲ بعض غیر ضروری فقرے جو تحریک سے غیر متعلق ہیں حذف کر دئے گئے ہیں (محمد میاں)

[2] اس وقت تک نان وائلیس کا حربہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا اور کانگریس کی جو کچھ کوششیں اسوقت تک یعنی ۱۹۱۲ء تک تھیں ان کی کامیابی کی توقع موہوم بلکہ عبث تھی کیونکہ انگریز اپنی ڈپلومیسی سے ایسی رکاوٹیں پیدا کرتا تھا کہ برسوں کی جدوجہد ایک لمحہ میں خاک میں مل جاتی تھی۔

مندرجہ ذیل امور عمل میں لائے جائیں۔

(الف) اِن علاقوں کے باشندوں سے آپس کے نزاعات قدیمہ اور قبائلی دشمنیوں کو مٹایا جائے۔

(ب) ان میں اتحاد اور ہم آہنگی پیدا کی جائے۔

(ج) اِن میں جوشِ جہاد اور آزادی کی تڑپ پیدا کی جائے۔

(د) حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ کی لوگ (جماعت مجاہدین سرحد جو کہ ستھیانہ اور چمرقند میں مقیم ہیں) اور ان میں اور قبائل میں تنفر اور شکر رنجیاں عرصہ سے چلی آتی ہیں اُن کو دور کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس کے لئے مولانا سیف الرحمٰن صاحب کو دہلی سے مولانا فضل ربی اور مولانا فضل محمود صاحب کو پشاور سے بھیجا اور مولانا محمد اکبر صاحب وغیرہ کو آمادہ کیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اس علاقہ میں بہت سے شاگرد اور مخلص موجود تھے اِن سبھوں نے گاؤں گاؤں اور قبیلہ قبیلہ میں پھر کر زمین ہموار کی اور ایک عرصہ میں بفضلہ تعالیٰ بڑے درجہ تک کامیابی نظر آنے لگی۔ انہیں مقاصد کے لئے بار بار حاجی ترنگ زئی صاحب سے استدعا کی گئی۔ کہ وہ اپنے وطن کو چھوڑیں اور انگریزی حدود سے باہر جاکر ان مقاصد کے لئے کوشش کریں۔ اِن کو مختلف مجبوریاں درپیش تھیں۔ ان کو حل کرنے کے خیال سے وہ تاخیر فرمارہے تھے۔ کہ جنگ عمومی چھڑ گئی اور ترک بھی مجبور کردئے گئے کہ جنگ کا اعلان کردیں۔ ان کے دو جنگی جہاز جو انہوں نے انگلستان میں بنوائے تھے اور اُن پر کروڑوں اشرفیاں خرچ ہوئی تھیں۔ انگریزوں نے ضبط کرلئے۔ اور اسی قسم کے دوسرے غیر منصفانہ معاملات اُن سے پیش آئے۔ جو کہ ان کو جنگ میں گھسیٹنے والے تھے۔ یہ اُن معاملات کے علاوہ تھے جو کہ طرابلس غرب اور بلقان کریٹ یونان وغیرہ میں قریبی زمانہ میں پیش آئے تھے بہرحال ترکی حکومت نے مجبور ہو کر اعلانِ جنگ کردیا۔ تو اس پر تقریباً آٹھ یا نو محاذوں سے حملہ کیا گیا۔ انگریزوں نے عراق (بصرہ) پر عدن پر سویز پر چناق قلعہ پر اسی طرح روس نے متعدد تین

ل تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نقش حیات جلد دوم ص ۱۱۳ تا ص ۱۲۰

چار محاذوں پر اس یورش کی وجہ سے مسلمانوں میں جس قدر بھی بے چینی ہوتی کم تھی۔ چنانچہ احوال موجودہ سے حضرت شیخ الہندؒ نے حاجی ترنگ زئی صاحب کو مطلع کیا اور ضروری قرار دیا کہ وہ یاغستان چلے جائیں اور ضروری کارروائی عمل میں لائیں اسی طرح مرکز یاغستان اور اُس کے کارکنوں کو لکھا۔ چنانچہ جب حاجی صاحب مرحوم پہنچے مجاہدین کا جمگھٹا شمار سے زیادہ ہوگیا۔ مجاہدین چمرقند۔ (حضرت سید احمد صاحب شہید) کی جماعت بھی مل گئی۔ بالآخر کچھ عرصہ کے بعد جنگ چھڑ گئی اور بفضل تعالیٰ مجاہدین کو غیر متوقع کامیابی ہونے لگی۔ اور انگریزوں کو جانی اور مالی بیحد نقصان اُٹھا کر اپنی سرحد لوٹ آنا پڑا۔ اور اپنے استحکامات قدیمہ میں پناہ لینا ناگزیر ہوگیا۔ اس پر انگریز نے بالمقابل متعدد مذکورہ ذیل کارروائیاں شروع کردیں۔

(الف) فوجوں کو اطراف ہندستان سے جمع کرکے بڑی مقدار میں سرحد پر بھیجنا۔

(ب) عوام میں پروپیگنڈا کرنا کہ یہ جہاد نہیں ہے۔ جہاد بغیر بادشاہ کے نہیں ہوتا بغیر بادشاہ کے جہاد حرام ہے

(ج) پانی کی طرح روپیہ خرچ کرنا اور اپنے لوگوں کو قبائل کے سرداروں کے پاس بھیجنا اور مال و زر بے شمار دیکر ان کو جماعت مجاہدین اور حاجی صاحب موصوف سے توڑنا۔

(د) عوام میں تبلیغ کرنا کہ مسلمانانِ سرحد اور افغانوں کے بادشاہ امیر حبیب اللہ خاں والئی افغانستان ہیں مسلمانوں کو ان سے بیعتِ جہاد کرنا چاہئے اور اُس وقت تک انتظار کرنا ضروری ہے جب تک وہ جہاد کا علم بلند نہ کریں۔

(ﮦ) اُس وقت مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ کاغذوں پر بیعتِ جہاد کرکے دستخط کریں اور امیر کابل کے نائب السلطنت سردار نصر اللہ خاں کے دفتر میں یہ کاغذات بھیجیں

(و) امیر حبیب اللہ خاں کو مختلف وعدوں کے سبز باغ دکھلا کر اور بے شمار اموال اور نقد روپیہ دے کر اپنی طرف مائل کرنا اور جہاد کے لئے کھڑے ہونے سے روکنا اور یہ وعدہ کرنا کہ اس جنگ سے فارغ ہوکر تمھارے لئے فلاں فلاں وعدے پورے کردیئے جائیں گے ان اور ان جیسی دیگر ڈپلومیسیوں کا اثر ہونا طبعی طور پر لازمی تھا۔

چنانچہ اثر ہوا اور بہت برا ہوا۔ مگر اتنا نہ ہوتا اگر مجاہدین کو رسد اور کارتوسوں کی نیز دیگر اسلحہ کی کمی کی مشکلات نہ پیش آجاتیں۔ اُدھر یہ کیا گیا کہ مسلمانانِ ہند کے ہیجان اور اضطراب کم کرنے کے لئے ہندستان میں اعلان کیا گیا۔

(۱) ترکوں کو جنگ کے لئے ہم نے مجبور نہیں کیا بلکہ ترک از خود جنگ میں داخل ہوئے ہیں اور ہم اُن کے اعلان کی وجہ سے جنگ کرنے پر مجبور ہوئے ہیں (حالانکہ ترکوں کو جنگ پر انگریزوں نے مجبور کیا تھا)

(۲) یہ جنگ سیاسی ہے مذہبی نہیں ہے (حالانکہ فتح بیت المقدس پر وزیر اعظم انگلستان لائڈ جارج نے اپنے بیان میں اس کو صلیبی جنگ قرار دیا تھا)

(۳) ہم مسلمانوں کے مقدس مقامات جدہ۔ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ، بغداد وغیرہ پر بمباری کریں گے اور نہ کوئی اثر جنگ کا اِن مقامات مقدسہ پر پڑنے دیں گے، مگر بالکل اس کے خلاف عمل کیا گیا[۱]

(۴) ترک مسلمانوں کے خلیفہ نہیں ہیں (حالانکہ ۱۸۵۷ء میں سلطان عبدالمجید مرحوم سے فرمان مسلمانوں کے لئے انگریزوں سے نہ لڑنے اور اُن کی اطاعت کرنے کا بحیثیت ...... خلافت حاصل کیا اور ہندستان میں پروپگنڈا کیا کہ خلیفہ کے حکم پر چلنا مسلمانوں کے لئے مذہبی حیثیت سے فرض ہے۔ چنانچہ امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم والیٔ کابل اپنی تزک میں لکھتے ہیں "کہ اسی فرمان خلیفہ کی بناء پر سرحدی قبائل ٹھنڈے پڑ گئے تھے"۔ بہرحال ترکوں کے خلیفہ اسلام نہ ہونے اور عدم استحقاق خلافت پر فتوے لکھوائے گئے اور بار بار حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے دستخط اور تصدیق کے لئے پیش کئے گئے مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دستخط کرنے سے انکار کردیا اور بھرے مجمع میں اُن کو پھینک دیا۔

حضرت شیخ الہند رحؒ کا سفر حجاز حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پاس برابر کیفیات جہاد کی خبریں آتی رہتی تھیں۔ ابتدائی لڑائیوں میں کارکنان مرکز کا پیغام آیا کہ ہم رسد اور کارتوسوں کے ختم ہوجانے کی وجہ سے سخت

[۱] ملاحظہ فرمایئے نقش حیات صـ۲۲۳ ج ۲

مجبور ہیں جب تک ان دونوں کا انتظام نہ ہو۔ جہادِ حریت جاری نہیں رہ سکتا۔ بحمد اللہ ہمارے پاس بہادر آدمیوں کی کمی نہیں مگر اسلحہ اور رسد کے بغیر ہم بالکل بے دست و پا ہیں۔ ساتھ لائی ہوئی روٹیوں کے ختم ہو جانے پر مجاہد کو اپنے گاؤں جانا پڑتا ہے۔ اور مورچہ خالی ہو جاتا ہے۔ اور کارتوس کے ختم ہو جانے پر مجاہد بے ہتھیار ہو جاتا ہے اگر کارتوس اور رسد کافی مقدار میں ہو تو توپوں اور مشین گنوں ٹینکوں وغیرہ کا ہم بخوبی مقابلہ کر سکتے ہیں آپ جلد از جلد کسی حکومت کو ہماری پشت پناہی اور امداد کے لئے تیار کیجئے چنانچہ اس امر کی بنا پر شیخ الہندؒ کا ارادہ بدلا[1] اور مولانا عبید اللہ صاحب کو کابل اور خود کو استنبول پہنچانا ضروری قرار دیا۔

چونکہ اس وقت سرحد کے واقعات ہو رہے تھے حکومت بوکھلائی ہوئی تھی اور وہ معمولی شبہ پر بھی گرفتار کر کے نظر بند کر رہی تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سی۔ آئی۔ ڈی کی اطلاعات خود ہندوستان میں اور سرحد یاغستان میں بہت زیادہ اور خطرناک تھیں۔ اس لئے بڑی نگرانی ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم نے اسی وجہ سے زور دیا تھا کہ آپ جلد از جلد انگریزی عملداری سے نکل جائیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حجاز جانے کا ارادہ کر لیا۔ پہلے سے کوئی تذکرہ نہ تھا فوراً روانہ ہو گئے[2]

حافظ عبد الجبار صاحب دہلوی مرحوم سے مولانا شیخ الہند کی ملاقات

مکہ معظمہ میں بہت سے ہندوستانی تاجر کاروبار کرتے ہیں مگر دہلی کے تاجر حاجی علی جان مرحوم کے خاندان کی وہاں خصوصی حیثیت ہے۔ تجارت بھی ان کی بڑے پیمانہ پر ہے اور دین داری اور علمی حیثیت بھی ان کی اونچی ہے۔ اہل شہر اور حکام میں بھی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس خاندان کا حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے متبعین مجاہدین ستھیانہ وغیرہ سے بھی قدیمی تعلق ہے اس لئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حافظ عبد الجبار صاحب سے جو کہ اس خاندان میں معمر،

---

[1] مولانا ابو الکلام آزاد کے سامنے آزاد قبائل کی یہ درخواستیں اور صورت حال کی یہ نزاکت نہیں تھی وہ صرف ہندوستان میں تحریک کو کافی سمجھتے تھے اس لئے وہ حضرت شیخ الہند کے سفر کے مخالف تھے۔ [2] نقش حیات ص ۲۱۲ ج ۲

سمجھدار اور امتیازی حیثیت رکھتے تھے ملے اور ان سے معاملات کا ذکر کر کے گورنر حجاز غالب پاشا سے ملاقات کرانے کی استدعا کی۔

گورنر حجاز غالب پاشا سے ملاقات

انھوں نے اسی وقت ایک ہندستانی معاملہ فہم نوجوان تاجر کو جو کہ تسبیحوں کی تجارت کرتے تھے۔ اور ترکی اور عربی زبان سے خوب واقف اور وہاں کے ترکی اسکول کے پڑھے ہوئے تھے۔ بلا یا اور حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ کر دیا۔ وہ گئے اور غالب پاشا سے ملاقات کرادی اور جو باتیں حضرت شیخ الہندؒ نے کیں ان کا ترجمہ کر کے غالب پاشا کو سمجھایا۔ غالب پاشا نہایت توجہ اور غور سے تمام باتوں کو سنتے رہے معمولی ملاقات کے بعد کہا کہ آپ کل اسی وقت تشریف لائیں اس وقت میں جواب دوں گا۔ حضرت شیخ الہندؒ اس روز واپس آگئے۔ غالب پاشا نے ہندستان کے معزز تاجروں سے بالا بالا تحقیق کی کہ مولانا محمود حسن صاحبؒ کی حیثیت ہندستان میں کیا ہے۔ لوگوں نے حضرتؒ کی علمی اور عملی حیثیت شہرت اور قبولیت کی بہت اونچی شان بتلائی۔ لہذا اگلے دن جب حضرتؒ ملاقات کیلئے تشریف لے گئے تو بہت زیادہ اعزاز کیا اور نہایت تپاک سے ملے۔ اور جو کچھ حضرت نے کہا اس کو قبول کیا دیر تک تحریک اور مشن آزادی کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ میں انور پاشا سے ملنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ اُن سے ملنے کی کوئی ضرورت آپ کو نہیں ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ انور پاشا ہی کا کہنا ہے۔ مگر حضرت نے انور پاشا سے ملنے پر اصرار کیا تو انھوں نے ایک تحریر تمام ہندوستانی مسلمانوں کے لئے اپنی طرف سے بحیثیت گورنر حجاز لکھ کر دی اور ایک تحریر مدینہ منورہ بصری پاشا کو لکھی۔ کہ یہ معتمد علیہ شخص ہیں ان کا احترام کرو اور ان کو استنبول انور پاشا کے پاس پہنچا دو اور ایک تحریر انور پاشا کے نام لکھ دی کہ یہ معتمد علیہ شخص ہیں ان کے مطالبات پورے کیجئے پھر تحریک آزادی کے متعلق حضرت شیخ کو ہدایات کیں کہ آپ تمام ہندستان کو آزادیٔ کامل کے مطالبہ پر آمادہ کریں۔ ہم ہر قسم کی امداد کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ ہم سے جو کچھ ہو سکے گا ضرور

کریں گے۔ عنقریب صلح کی مجلس منعقد ہوگی تو ہم اور ہمارے حلفاء جرمنی اور آسٹریا وغیرہ ہندوستان کی مکمل آزادی کے لئے پوری جدوجہد کریں گے۔ ایسا نہ ہونا چاہیے کہ ہندوستانی لیڈر سست پڑ جائیں۔ اور انگریزوں کی باتوں میں آکر اس کے انتداب (مینڈیٹ) یا ملکی تابعداری پر راضی ہو جائیں۔ تمام ہندوستانیوں کو اخباروں، عام مجمعوں، تقریروں تحریروں اندرون ہند اور بیرون ہند ایک زبان اور ایک قلم ہو کر یہی مطالبہ جاری رکھنا چاہیے اور جب تک مقصد حاصل نہ ہو جائے۔ ساکت نہ ہونا چاہیے۔ اس کا پروپیگنڈہ پوری طرح پر جاری کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے لئے آپ کو واپس جانا اور آپس میں اتفاق اور اتحاد کے ساتھ مطالبہ کرانا ازبس ضروری ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ اس وقت انگریز مجھ کو نہایت ہی خطرناک نظر سے دیکھتے ہیں میں اگر ہندوستان جاؤں گا تو راستہ ہی میں گرفتار کر لیا جاؤں گا۔ مگر میں اپنے رفقاء کو اس کام کے لئے تیار کر کے ہندوستان بھیجتا ہوں اگرچہ وہاں کی جماعتیں کانگریس وغیرہ اس پر عمل درآمد کر رہی ہیں مگر اب آپ کے حکم کے موافق کوشش زیادہ ہوگی اور پہلے سے زیادہ زوردار طریقہ پر یہ مطالبہ جاری کیا جائے گا۔ میں بالفعل بالا بالا ہندستان کی مغربی حدود میں جانا چاہتا ہوں۔ وہاں میرے مشن کے لوگ کام کر رہے ہیں اُن میں مل کر کام کروں گا اس پہلی ملاقات کے بعد جب تک وہ مکہ معظمہ میں رہے دو تین ملاقاتیں نہایت راز کے ساتھ ہوئیں۔ مکہ معظمہ کے ہندوستانی باشندوں یا انگریزی سی۔آئی۔ڈی کو خبر نہیں ہو سکی۔ پھر غالب پاشا طائف کو اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ارادہ تھا کہ مدینہ منورہ میں تھوڑے دن قیام کر کے استنبول کو روانہ ہوں گے۔ اپنے تمام ساتھیوں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مولانا محمد میاں صاحب مولانا سہول صاحب وغیرہ کو آخری قافلہ میں مدینہ منورہ سے ہندوستان کو روانہ کر دیا۔ جدہ پہنچ کر اُن کو کوئی جہاز ہندوستان جانے والا نہ ملا۔ اس لئے وہاں ٹھہرنا پڑ گیا۔ جدا ہوتے وقت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کو دیوبند کے مرکز پر کام کرنے کی ہدایات

فرمائیں۔ اور بہت سے خفیہ امور پر مطلع فرمایا اور مولوی محمد میاں صاحب کو جو کہ بعد میں ...... محمد منصور الانصاری کے نام سے مشہور ہوئے خاص شعبوں کی نگرانی پر مقرر کی۔ غالب پاشا کی تحریر بھی ان کو دی گئی۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اگرچہ پہلے سے اس تحریک آزادی میں شریک نہیں تھے مگر مدینہ منورہ میں پہنچ کر بالکل متحد اور ہم نوا ہوگئے تھے۔

میرا سیاسیات میں داخل ہونا

میں اس وقت تک تحریک آزادی ہند میں شریک ہوا تھا نہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی عملی سرگرمیوں سے واقفیت رکھتا تھا۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت شیخ الہندؒ نے ایک خصوصی مجلس میں مجھکو اور مولانا خلیل احمد صاحب کو طلب فرما کر اپنے خیالات اور عملی کارروائیوں سے مطلع فرمایا۔ میں اس وقت تک فقط علمی جد و جہد میں مشغول تھا اگرچہ مدینہ منورہ میں اس سے پہلے جبکہ محاذ سوئز کے لئے متطوعین (والنٹیروں) کو بھیجنا شروع کیا گیا تھا ترغیب جہاد پر تقریر کرنے کی نوبت آئی تھی۔ اور اس سے متاثر ہوکر کچھ لوگ (اس محاذ پر جہاد کے لئے مدینہ منورہ سے گئے تھے۔ مگر اس کے علاوہ عملی جد و جہد کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے واقعات اور خیالات سنکر میں بھی متاثر ہوا۔ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ بھی۔ یہ وقت میری سیاست کی ابتدا اور بسم اللہ کا وقت ہے۔ اور یہی وقت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی ابتدائی شرکت کا ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ وارضاہ آمین۔ اس کے بعد مولانا خلیل احمد صاحب جب تک حجاز میں رہے۔ بالکل متفق اور ہم نوا رہے [1]

انور پاشا اور جمال پاشا کی مدینہ میں آمد اور ملاقات

اسوقت مدینہ تک حجاز ریلوے جاری تھی ٹرین آتی جاتی تھی ایک روز یکایک تار آیا کہ یہ دونوں وزیران جنگ دورہ کرتے ہوئے کل کو مدینہ منورہ پہنچیں گے۔ ہم نے بھی عرضی تیار کی۔ حکومت مدینہ منورہ بھی استقبال کی تیاری میں مشغول ہوگئی۔ اور اہل شہر بھی استقبال کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔ چونکہ انور پاشا اس زمانہ میں حکومت ترکیہ کے وزیر جنگ تھے اور جمال پاشا چوتھے فیلق (ڈویژن) کے جو کہ محاذ جنوبی اور غربی پر یعنی میدان سوئز، سینا، حجاز پر متعین تھا کمانڈر تھے۔ اس لئے انور پاشا کا

[1] نقش حیات ج ۲ ص ۲۱۶

فریضہ تھا کہ مرکز کی خبر گیری رکھتے ہوئے ہر محاذ کی محافظت کریں اور جمال پاشا کو صرف اپنے محاذ کی خبر گیری ضروری تھی۔ اس لئے انور پاشا تمام محاذوں کا دورہ کرتے ہوئے جب محاذ جنوبی غربی پر پہنچے اور سوریا (سیریہ شام) اور سوئز وغیرہ سے فارغ ہوئے تو ضروری معلوم ہوا کہ بادشاہ دوجہاں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کا شرف بھی حاصل کرلیں۔ اس لئے مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا۔ اور جمعہ کا مبارک دن اس کے لئے مقرر کیا۔ چنانچہ جمعہ کی صبح کو تقریباً ۹ یا ۱۰ بجے وہ اسپیشل ٹرین جس میں یہ دونوں وزراء اور اُن کے رفقا تھے۔ حسب اعلان مدینہ منورہ پہنچی۔ وقت معین سے پہلے مشتاقانِ ملاقات اور زائرین کی بے شمار تعداد نے تمام اسٹیشن اور اُس کے جوانب کو بھر دیا تھا اہلِ شہر اور حکومت اور فوج کی طرف سے جلوس کا اہتمام کیا گیا تھا (نقش حیات ص۲۱۸ ج۲)

میں (مولانا حسین احمد صاحب) تاک میں تھا کہ موقعہ ملے تو انور پاشا کے پاس پہنچوں اور عرضی پیش کردوں چنانچہ قطار چیر کر انور پاشا کے پاس پہنچا اور اس عرضی کو (جس میں حضرت شیخ نے تنہائی میں ملاقات کی استدعا کی تھی) پیش کردی انھوں نے اپنے پرائیویٹ سکریٹری کو دیدی۔ مفتی ماموں بری کو جو کہ مدینہ منورہ میں تمام مذہبی اور دینی طبقات کے رسمی سردار تھے اور نقیب الاشراف شامی رحمہ اللہ کو جو کہ رفقاء انور پاشا میں سے تھے۔ میں نے پہلے ہم تیار کر لیا تھا ان کی اعانت اور ہمدردی کی وجہ سے مجھ کو کسی طرف سے روک ٹوک نہیں کی گئی۔ میں عرضی دیکر واپس آیا۔ تو بعد میں معلوم ہوا کہ عرضی پر غور کیا گیا اور دونوں مذکورۂ بالا معززین کی مساعی سے مغرب کے بعد کا وقت تنہائی میں ملاقات کا دیا گیا۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ اور مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ موقعۂ ملاقات پر پہنچے ایک تنہا اور بند کمرے میں ملاقات ہوئی۔ جمال پاشا سے باتیں ہوئیں غالب پاشا کا خط اُن کو دکھایا گیا۔ بہت خوش اخلاقی سے پیش آئے اور تمام باتیں غور اور اطمینان سے سُنیں۔ اور فرمایا کہ تحریک مطالبہ آزادی اہل ہند کو متفقہ طور سے جاری رکھنی چاہیئے جب تک مقصود یعنی آزادی کامل حاصل نہ ہوجائے ساکت نہ ہوں۔ عنقریب صلح کی مجلس بیٹھے گی۔ ہم اہل ہند کی آزادی کے لئے پوری جدوجہد عمل میں لائیں گے۔ تم لوگ مطمئن رہو

اور جس طرح ممکن ہوگا ہم اُن کی (اہل ہند) امداد واعانت کریں گے۔ اس وعدہ اور عہد کیلئے انھوں نے کہا کہ تمھاری خواہش کے موافق تحریریں بھی دیں گے ہم نے عرض کیا کہ تحریر صرف ترکی زبان میں نہ ہونی چاہیئے بلکہ عربی اور فارسی میں بھی ہونی چاہیئے۔ تاکہ اہل ہند سمجھ سکیں انھوں نے اسکو قبول کیا مگر یہ کہا کہ چونکہ یہاں کا قیام حسب پروگرام تھوڑا ہے اور مقامی مشاغل بہت زیادہ ہیں، اس لئے ہم شام (دمشق) جاکر تحریریں مکمل کرکے بھیج دیں گے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مطالبہ کیا کہ مجھ کو حدود افغانستان تک یا ان یا لا پہنچا دیا جائے۔ ہندستان کے راستہ سے مجھ کو وہاں تک (مرکز تحریک یاغستان تک) اس وقت پہنچنا غیر ممکن ہے۔ انھوں نے اس سے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ روس نے اپنی فوجیں ایران میں داخل کرکے افغانستان کا راستہ کاٹ دیا ہے۔ اور سلطان آباد تک پہنچ گیا ہے۔ اس لئے یہ امر ہمارے قبضہ سے اس وقت باہر ہے۔ یا تو آپ جدہ ہی کے راستہ سے اپنے وطن واپس جائیں اور اگر آپ کو اپنی گرفتاری کا خطرہ ہے تو حجاز یا ترکی عملداری میں کسی دوسری جگہ قیام فرمائیں۔ اطمینان بخش باتوں کے ہوجانے کے بعد ہم واپس آگئے

چند گھنٹے بعد یہ حضرات شام کے لئے روانہ ہوگئے پھر دو تین روز بعد حسب وعدہ یہ تحریریں بھی تینوں زبانوں میں مرتب شدہ دونوں وزیروں کے دستخط سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے پاس بذریعہ گورنر مدینہ شام سے آگئیں۔

مضمون سب کا ایک ہی تھا صرف زبان کا فرق تھا جس میں ہندستانیوں کے مطالبہ آزادی کے استحسان اور اُن سے اس مطالبہ میں ہمدردی کو ظاہر کرتے ہوئے ان کی اس بارہ میں امداد واعانت کا وعدہ تھا اور ہر اُس شخص کو جو کہ ترکی رعیت یا ملازم ہو حکم تھا کہ مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الہندؒ) پر اعتماد کرے اور ان کی اعانت میں حصہ لے[1]

تحریرات اور وثائق کا ہندستان پہنچانا

چونکہ حضرت شیخ الہندؒ کو دھن لگی ہوئی تھی کہ جس طرح ممکن ہو میں مرکز تحریک "یاغستان" جلد از جلد پہنچ جاؤں (اگرچہ اعلیٰ درجہ کے ترکی آفیسر اس کو پسند نہیں کرتے تھے اور اصرار کرتے تھے کہ آپ ترکی قلمرو میں قیام کرکے یہاں ہی سے اپنی تحریک چلاتے رہیں) اس لئے

[1] نقش حیات جلد ۲ ص ۲۲۱

تجویز فرمایا کہ ان تحریروں کے فوٹو متعدد لئے جائیں اور ہر مرکز اور برانچ پر وہ بھیجے جائیں مگر انگریزی عملداری میں جانے والوں کی چونکہ نہایت ہی سخت تفتیش ہوتی تھی کسی چیز کا نکال کرلے جانا نہایت مشکل ہوتا۔ اس لئے یہ تجویز ہوئی کہ لکڑی کا صندوق کپڑوں کے رکھنے کا بنوایا جائے اور اس کے تختوں کو اندر سے کھود کر اس میں کاغذات رکھدئے جائیں اور پھر تختوں کو اس طرح ملا دیا جائے۔ کہ جوڑ ظاہر نہ ہو اس وقت ایک نہایت ماہر اور استاد بڑھئی ہمارے مکان میں لکڑی کا کام کر رہا تھا۔ اس سے کہا گیا اُس نے اسی طرح حاوی لکڑی کا صندوق بنا دیا اور کھدے ہوئے تختہ میں کاغذات رکھ کر اس طرح بند کر دیا کہ باہر سے دیکھنے والا کتنا ہی مبصر کیوں نہ ہو شبہ بھی نہ کر سکے۔ صندوق میں زائد کپڑے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اور کچھ نئے کپڑے اور شامی تھان ریشمین اور غیر ریشمین مشجر وغیرہ کے بچوں اور عورتوں کے لئے رکھ دئے گئے۔ اور چونکہ ہر مہینہ میں تجارتی جہاز مغل کمپنی کا غلہ اور سامان لیکر جدہ آتا تھا۔ اور واپسی پر بقیہ حجاج کو لے جاتا تھا۔ تجویز ہوا کہ اس میں حضرت شیخ الہندؒ کے بقیہ رفقاء اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور ان کے رفقاء روانہ کر دئے جائیں چونکہ زمانہ جنگ کا تھا اس لئے جہازوں کی آمد و رفت عام دستور کے مطابق جاری نہ تھی۔ اس لئے کچھ انتظار کرنا پڑا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء میں سے مولانا ہادی حسن صاحب[لہ] رئیس خانجہانپور ضلع مظفر نگر اور حاجی شاہ بخش صاحب سندھی (جو کہ حیدر آباد سندھ کے باشندے اور مشن آزادی کے پہلے سے ممبر تھے۔ باقی رہ گئے تھے اور جانے کا قصد فرما رہے تھے ان کو وہ صندوق دے دیا گیا اور سمجھا دیا گیا اپنے مکان پر ان کاغذات کو نکال لیں اور حاجی نور الحسن (رئیس موضع رتھیڑی ضلع مظفر نگر) ....

لہ مولانا ہادی حسن صاحب کا جو بیان سی۔ آئی۔ ڈی۔ کے ریکارڈ میں ہے اسمیں یہ ہے کہ شاہ بخش (جن کا ذکر چند سطور کے بعد آرہا ہے) کے پاس گھی کا ایک ڈبہ تھا۔ اس کا پیندا ڈبل تھا اور یہ موقع پاکر خاص طور سے تیار ہوا تھا۔ دو پیندوں کے بیچ میں ایک انچ خلا رکھا گیا تھا جس میں یہ کاغذات رکھدئے گئے تھے اس تفصیل کے بعد فرماتے ہیں کہ جب ہم بمبئی پہنچے تو ہمارے سامان کے ساتھ اس کو بھی کھولا گیا۔ اور معائنہ کرکے واپس کر دیا گیا تھا پھر فرماتے ہیں حاجی شاہ بخش ان کاغذات کے نگران تھے۔ [illegible] کہ مولانا ہادی حسن صاحب نے [illegible]

کو دیدیں۔ وہ احمد مرزا صاحب فوٹو گرافر دہلی سے ان تحریروں کے فوٹو اتروا کر چند کاپیاں لے لیں گے اور فلاں فلاں جگہ پہنچا دیں گے۔

حضرت شیخ الہند اور آپ کے رفقاء مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کو

حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقاء کا قافلہ ۱۲ جمادی الثانی کو مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر آخر ماہ مذکور میں مکہ معظمہ پہنچا۔ حضرت شیخ الہند قدس اللہ العزیز نے چند روز مکہ معظمہ میں قیام فرما کر طائف کا قصد فرمایا۔ اور ۲۰ رجب کو آپ طائف روانہ ہو گئے۔ مگر حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور دیگر رفقاء مکہ معظمہ میں رہ گئے حضرت شیخ الہندؒ شریف حسین کی بغاوت کی وجہ سے طائف میں محصور ہو گئے۔ جب ۱۰ شوال کو طائف سے واپس ہو کر مکہ معظمہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور دوسرے رفقاء جہاز آجانے کی وجہ سے جدہ روانہ ہو گئے ہیں چونکہ کوئی خبر حضرت شیخ الہندؒ کے طائف سے واپس ہونے کی نہیں تھی۔ اس لئے یہ سب حضرات بغیر انتظار اور بلا ملاقات روانہ ہو گئے تھے حضرت شیخ الہندؒ نے ضروری سمجھا کہ ان سے وداعی ملاقات کی جائے اس لئے حضرت شیخ الہندؒ بھی جدہ روانہ ہو گئے۔ جب جہاز سامان وغیرہ اتار کر اور اپنی ضروریات پوری کر کے تیار ہو گیا تو جانے والے حضرات ٹکٹ لیکر سوار ہو گئے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ اور حاجی مقبول احمد صاحب تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں سے مولانا ہادی حسن صاحب خان جہان پوری اور حاجی شاہ بخش صاحب سندھی تھے۔ ان سبھوں کو حضرت شیخ الہندؒ نے ساحل (پورٹ) تک رخصت کیا اور جہاز روانہ ہو گیا۔

تحریرات کا ہندوستان پہنچنا اور سی۔ آئی۔ ڈی کی تفتیش سے بچکر نکل جانا

بمبئی میں سی۔ آئی۔ ڈی کو اور حضرت شیخ الہندؒ کے مخلصین کو خیال تھا کہ اسی جہاز میں حضرت شیخ الہندؒ تشریف لائیں گے۔ اس لئے انگریزی پولیس سی۔ آئی۔ ڈی اور اہل شہر کا بہت بڑا مجمع جہاز پر پہنچ گیا تھا۔ اسی مجمع میں سے ایک صاحب نے جو حضرت شیخ الہندؒ کے مخلصین میں سے تھے مولانا ہادی حسن صاحب سے کہا

کہ اگر کوئی چیز محفوظ رکھنی ہو تو مجھ کو فوراً دیدیجئے میں اس کو نکال دونگا۔ اور جہاں پہنچانا ہو اس کا پتہ دیدیجئے۔ وہاں پہنچادوں گا۔ مولانا ہادی حسن صاحب اگرچہ پہلے سے ان سے واقف نہیں تھے مگر ان کے مخصوص انداز سے ان کے اخلاص و صداقت کا یقین ہو گیا اور صندوق ان کے حوالہ کر دیا۔

یہ صاحب عام مسافروں کے سامان کے ساتھ صندوق قلیوں سے اٹھوا کرلے گئے اور فوراً اسٹیشن لیجا کر بذریعہ پارسل چلتا کر دیا۔ پولیس اور سی آئی ڈی کو اس کی ہوا بھی نہ لگ سکی (یہ حضرت شیخ الہندؒ کی کرامت تھی) جب یہ صاحب صندوق اٹھوا کرلے جارہے تھے اسوقت سی آئی ڈی حضرت شیخ الہند کو ڈھونڈھنے میں مشغول تھی جب یہ یقین ہو گیا کہ حضرت شیخ الہندؒ نہیں ہیں البتہ ان کے ساتھ کے کچھ لوگ ہیں۔ تو پولیس نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور مولانا ہادی حسن صاحب کو حراست میں لے لیا۔ اور نہایت سخت تلاشی لی حتیٰ کہ ہاتھ کی چھڑی توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دی۔ مگر بحمد اللہ کوئی مشتبہ چیز نہیں نکلی۔ پھر ان سب کو پولیس کی حراست میں نینی تال پہنچا دیا گیا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے وہاں پوچھ گچھ ہوئی تو فرمایا کہ ......

میں فلاں جہاز سے فلاں تاریخ کو گیا تھا مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ کا ساتھ نہ جاتے میں تھا نہ آتے میں البتہ عام حاجیوں کی طرح حج و زیارت میں میری شرکت بھی رہی۔ میں اُن کی پارٹی میں نہیں ہوں۔ ایک ہفتہ یا عشرہ حضرت مولانا موصوف کو رکھ کر چھوڑ دیا گیا۔ البتہ مولانا حاجی ہادی حسن صاحب کو روک لیا گیا۔ ان سے بہت زیادہ پوچھ گچھ ہوئی۔ ڈرایا دھمکایا گیا سختی بھی کی گئی اور لالچ بھی دیا گیا۔ مگر یہ نہایت مستقل رہے کسی راز کی خبر نہیں دی۔ جب ہر قسم کی سختی اور طمع دینے پر بھی کوئی بات معلوم نہیں ہوئی تو ایک ڈیڑھ ماہ بعد آپ کو بھی رہا کر دیا گیا۔

صندوق خان جہان پور میں

مولانا محمد نبی صاحب کو کسی ذریعہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ صندوق کے تختوں میں کوئی راز کی چیز ہے جیسے ہی صندوق پہنچا اس کے کپڑے نکال کر لکڑی کے دوسرے صندوق میں رکھ دیے اور اس صندوق کو توڑنا شروع کر دیا مولانا کی اطلاع صحیح ثابت ہوئی اور ایک تختہ کے اندر سے تینوں

کاغذات برآمد ہوئے۔ فوراً ہی ان کاغذات کو نکال کر محفوظ کر لیا۔

پولیس کی یورش تلاشی اور حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کی کرامت

تقریباً ۱½ ماہ بعد ایک صاحب کے بیان سے سی آئی ڈی نے پتہ چلا لیا کہ وہ کاغذات لکڑی کے ایک صندوق میں مولانا ہادی حسن صاحب کے یہاں ہیں۔ فوراً مولانا کے مکان پر پولیس کی دوڑ پہنچی اور مکان کا محاصرہ کر لیا۔ ایک عجیب و غریب اتفاق تھا۔ کہ مولانا محمد نبی صاحب اسی وقت ان تحریروں کو نکالے ہوئے نقل کر رہے تھے۔ سپاہیوں کی دوڑ دیکھ کر جلدی میں ان کاغذات کو موڑ توڑ کر صدری کی جیب میں رکھ لیا اور صدری مردانہ مکان میں ایک کھونٹی پر لٹکا دی۔

تلاشی ۱ بجے سے شروع ہوئی اور نہایت سختی کے ساتھ چار بجے تک جاری رہی۔ عورتوں کو ایک کمرہ میں بند کر دیا گیا تھا۔ ہر شخص کی تلاشی لے کر مردانہ مکان میں سے بھی نکال دیا گیا۔ کھیل کھلونوں اور عورتوں بچوں کی ڈبیوں تک کو کھول کھول کر دیکھا گیا۔ کپڑوں کے صندوق کی کمبختی آئی اس کا ایک ایک تختہ توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا گیا۔ مگر جس چیز کی تلاش تھی وہ دستیاب نہ ہوئی کیونکہ یہ صندوق وہ صندوق ہی نہ تھا اور عجیب اتفاق یا حضرت شیخ الہندؒ کی کرامت یہ تھی کہ اس صدری پر کسی کی نظر نہ گئی۔ جو مردانہ مکان میں سب کے سامنے کھونٹی پر لٹکی ہوئی تھی۔ اور جس میں وہ خزانہ تھا جس کی جستجو میں پولیس سرگرداں تھی۔

چھ گھنٹہ کی سرگرم تفتیش اور تلاشی کے بعد پولیس کو ناکام واپس ہونا پڑا۔ موضع رتھیڑی بھی ضلع مظفر نگر میں ہے یہاں جناب حاجی نور الحسن صاحب رہتے تھے جن کے متعلق حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز نے یہ طے فرمایا تھا۔ کہ وہ ان تحریروں کے فوٹو لے کر اور اس کی کاپیاں کرا کر فلاں فلاں مرکز میں بھیجیں گے پولیس حاجی صاحب کے یہاں بھی پہنچی مگر ناکام واپس ہوئی۔

حاجی احمد مرزا فوٹو گرافر دھلی کے یہاں تلاشی اور ناکامی

سراغ رساں نے پولیس کو صحیح بتایا تھا کہ حاجی احمد مرزا صاحب

کے یہاں تحریرات کے فوٹو لئے جائیں گے۔ چنانچہ پولیس نے حاجی صاحب کی دوکان پر چھاپہ مارا مگر اب تک وہ تحریریں حاجی صاحب کے یہاں نہیں پہنچی تھیں۔ حاجی نور الحسن صاحب رحمۃ اللہ اسی وقت ان کو لے جا رہے تھے جب حاجی صاحب فوٹو گرافر صاحب کی دوکان کے قریب پہنچے تو دیکھا پولیس دوکان کا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔ حاجی صاحب ان تحریروں کو جیب میں ڈالے ہوئے اُلٹے پاؤں واپس ہو گئے۔ دوسرے وقت حاجی نور الحسن صاحب مرزا صاحب کی دوکان پر پہونچے۔ مرزا صاحب کی ثابت قدمی اور پختگی ملاحظہ کیجئے کہ پولیس ایک دفعہ چھاپہ مار چکی ہے۔ خدشہ اور خطرہ موجود ہے۔ مگر ہر خطرہ سے بے نیاز ہو کر حاجی صاحب نے فوٹو لئے۔ عین اس وقت کہ پلیٹیں پانی میں پڑی ہوئی تھیں اور پانی کا طشت میز کے نیچے رکھا تھا۔ پولیس پہنچ گئی۔ ساری دوکان چھان ماری۔ ہر ایک الم ٹٹولا۔ مگر طشت پر کسی کی نظر نہیں گئی۔ اس کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی کرامت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ بہرحال پولیس یہاں سے بھی ناکام واپس ہوئی۔

حاجی صاحب کا حسب ہدایت کام کرنا۔

فوٹو کی کاپیاں تیار ہو گئیں۔ حاجی نور الحسن صاحب نے ان کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اور جہاں جہاں پہنچانے کا حکم تھا پہنچا دیا۔ یہ غلط ہے کہ ان تحریرات کو جلا دیا گیا جیسا کہ مولانا عبید اللہ صاحب ذاتی ڈائری میں لکھتے ہیں۔ وہ اس زمانہ میں کابل میں تھے اُن کو غلط خبر پہنچائی گئی۔ یہ تمام فوٹو ذمہ داران مراکز کے پاس پہنچا دوئے گئے تھے۔ مگر چونکہ حکومت کی طرف سے تشدد اور چھان بین بہت زیادہ ہو رہی تھی تو ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے اُن کو جلا دیا ہو تاکہ کوئی خدشہ باقی نہ رہے۔

ان تحریرات کا کارآمد نہ ہونا

یہ تحریرات اور وثایق بہت زیادہ کارآمد ہوتے اور حکومت ترکیہ اور اس کے حلیف پوری طرح امداد کرتے مگر قدرت نے پانسہ ہی پلٹ دیا۔ جرمنی اور ترکی کی فتحمندی اور کامیابی کے بعد جب امریکہ انگریزوں کا حلیف ہو گیا۔ اور مسٹر ولسن کے پُرفریب نکات سامنے آئے تو یکایک حالت بدل گئی اور کل کی فتح آج کی شکست بن گئی۔ امریکہ کی بے شمار فوجیں اور لاتعداد ہتھیار جب

اتحادیوں (انگریزوں اور فرانس وغیرہ) کی مدد پر آگئے۔ اور ادھر شریف حسین نے غدر اور خیانت کر کے انگریزوں کی حمایت میں ترکوں اور ان کی قوت کو ہر قسم کا نقصان پہنچایا۔ عربوں اور ترکوں میں انتہائی نفرت پھیلا دی۔ تا آنکہ سوریا، فلسطین، عراق وغیرہ میں عرب کے عوام ترکوں کو قتل و غارت کرتے تھے اور عرب سپاہی ترکی فوج میں سے بھاگنے لگے اور جد وجہد سے جان چرانے لگے۔ تو طبعی طور پر ہر جگہ ناکامی ہی سامنے آگئی اور جو کچھ نہ ہونا چاہئے تھا وہ واقع ہو گیا۔ تفصیلات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں خدا کا ملک ہے جسکو چاہتا ہے دیتا ہے جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا طائف روانہ ہونا اور محصور ہو جانا

انور پاشا اور جمال پاشا سے جب تحریری دستاویز یں حاصل کر لیں تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کا قصد تھا کہ کسی طرح ایران کے راستے بالا بالا یاغستان (یعنی اپنی تحریک کے مرکز پر) پہنچ جائیں۔ مگر روسی اور انگریزی فوجوں نے راستہ روک لیا تھا۔ جنگی محاذ ان راستوں پر قائم ہو گئے تھے۔ اس لئے یہی قصد فرمایا کہ بحری راستہ سے سفر کیا جائے اور بمبئی نہ جایا جائے بلکہ بلوچستان کے کسی بندر (مکران وغیرہ) پر بھیس بدل کر بادبانی جہاز سے پہنچیں۔ اور پھر یاغستان کو وہاں سے روانہ ہو جائیں۔ مگر چونکہ مختلف مصالح سے آخری ملاقات غالب پاشا سے ضروری سمجھتے تھے۔ چند ضروری باتیں اسی ملاقات میں طے کرنی تھیں۔ اس لئے پہلے مکہ معظمہ اور پھر وہاں سے طائف کیلئے روانہ ہو گئے۔ غالب پاشا ان دنوں طائف میں تھے۔ حضرت نے عام لوگوں سے یہی ظاہر فرمایا کہ مکہ معظمہ میں ان دنوں گرمی زیادہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زیارت بھی کرنی ہے۔ اس لئے میں طائف جا رہا ہوں نصف شعبان تک واپس آجاؤں گا۔ چنانچہ ۲۰ رجب کو مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر ۲۳ یا ۲۴ رجب کو طائف پہنچے اور دو تین دن کے بعد غالب پاشا سے ملاقات کی۔ کچھ باتیں طے ہوئیں اور کچھ کے لئے دوسری ملاقات کا وعدہ ہوا۔ یہ وقت آنے نہ پایا تھا کہ شریف حسین نے بغاوت کر دی۔ اور ہم سب طائف میں محصور ہو کر رہ گئے۔

ایام حصار میں حضرتؒ ایک مرتبہ غالب پاشا سے پھر ملے۔ پاشا موصوف نے چند اصولی باتیں بتانے کے بعد مجبوریاں ظاہر کیں۔ اور کہا کہ آپ مکہ معظمہ جا کر ہندستان کو جلد از جلد چلے جائیں اور ہندستانی رائے عامہ کو آزادی کامل کے مطالبہ پر متفق کریں۔ مجلس صلح میں جو کہ عنقریب منعقد ہونے والی ہے انگریز پوری کوشش کرے گا کہ ہندستان آزاد نہ ہو یا کم از کم ہندستان کو زیر سایۂ برطانیہ اندرونی آزادی یعنی آدھی آزادی ملے۔ مگر ہندستانی باشندوں کو چاہئے کہ بغیر مکمل آزادی کے کسی چیز پر راضی نہ ہوں۔

تقریباً ڈیڑھ مہینہ محصور رہنے کے بعد اہل طائف کے ساتھ ہم کو باہر جانے کی سہولت حاصل ہوئی اور ۲۰ شوال کو ہم وہاں سے نکل کر مکہ معظمہ پہنچے۔ شریف عبداللہ بن شریف حسین باغی کیمپ کا کمانڈر تھا اُس نے ایک شب ہماری مہمانداری کر کے صبح کو مکہ معظمہ تک سواری کا انتظام کر دیا۔ ہم ۱۰ شوال کو مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ ۵۱

حج کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کا مکہ معظمہ میں قیام اور گرفتاری

حضرت شیخ الہندؒ نے اس سفر میں پہلا حج ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ میں کیا تھا پھر دوسرا حج طائف سے واپسی پر ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ میں کیا۔ قاضی مسعود احمد صاحب اور دوسرے واقف حضرات کے روانہ ہو جانے کے بعد حضرت کو فکر ہوئی کہ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو کر "یاغستان" پہنچنے کی کوئی تدبیر ہونی چاہئے۔ حضرتؒ نے بار بار فرمایا کہ مکہ معظمہ میں ہمارا قیام کسی طرح مناسب نہیں کیونکہ انگریزی حکومت ہم سے بدظن ہی نہیں بلکہ برہم اور مخالف ہے اور شریف حسین انگریزی حکومت کے آلۂ کار ہیں لہذا کسی بہتری کی توقع عبث ہے اس لئے جلد از جلد کوئی صورت ہونی چاہئے۔ کہ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ لیکن اگر تنہا حضرت کی ذات مبارک ہوتی تو معاملہ آسان تھا۔ مگر یہاں صورت یہ تھی کہ حضرت کے ساتھ چند رفقاء تھے جو اپنا سب کچھ قربان کر کے حضرت کے ساتھ ہوئے تھے۔ وہ حضرت کو کسی حال چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے اور نہ حضرت اُن کی جدائی پسند کرتے تھے۔ کیونکہ ترجمہ قرآن شریف کا سلسلہ جاری تھا لہذا کتابوں کا بھی ایک ذخیرہ ساتھ رہتا تھا۔ سردی اور گرمی کے کپڑوں کے علاوہ ضعیف العمری اور امراض کی بنا پر دوائیں بھی ساتھ رہتی تھیں۔ اس قسم کی اور

اور ضروریات بھی تھیں ان سب کے حمل و نقل کے لئے چند سواریاں درکار تھیں۔ اور خاموشی سے دفعۃً روانہ ہوجانا مشکل تھا۔ تاہم جب حضرت کا تقاضہ شدید ہوا تو ایسا انتظام کیا گیا کہ خفیہ طور سے یہاں سے روانگی ہوجائے۔

چنانچہ ہم دو چار روز بعد روانہ ہونے والے تھے کہ تدبیر کے راستہ میں تقدیر حائل ہوگئی جس کی تفصیل یہ ہے۔ محرم ۱۳۳۵ھ کی آخیر تاریخوں میں شیخ الاسلام مکہ معظمہ عبداللہ سراج کی طرف سے نقیب علماء مکہ عصر کے بعد آیا۔ اور کہا کہ مجھ کو شیخ الاسلام نے بھیجا ہے۔ اور حضرت شیخ الہند سے اس محضر کی تصدیق طلب کی ہے۔ مولانا کے اس پر دستخط کرادو اس کو دیکھا گیا تو عنوان یہ تھا "من علماء مکۃ المکرمہ المدرسین بالحرم الشریف المکی" (مکہ مکرمہ کے علماء کی جانب سے جو مکہ کے حرم شریف میں درس دیتے ہیں) اور اس میں تمام ترکوں کی تکفیر اس بناء پر کی گئی تھی کہ انہوں نے سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کو معزول کیا ہے۔ شریف حسین کی بغاوت کو حق بجانب اور مستحسن قرار دیا گیا تھا اور ترکوں کی خلافت کا انکار تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

حضرتؒ نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کردیا۔ اور کہا کہ چونکہ یہ محضر ان علماء مکہ مکرمہ کی طرف سے ہے جو کہ حرم مکی میں پڑھاتے ہیں اور میں ہندستان کا باشندہ ہوں۔ اور حرم مکی میں مدرس بھی نہیں ہوں اس لئے مجھ کو کسی طرح اس پر دستخط کرنا درست نہیں ہے وہ واپس چلا گیا۔

حاضرین میں سے بعض احباب نے کہا کہ اس کا نتیجہ خطرناک ہے حضرت نے جواب دیا کہ پھر کیا کیا جائے نہ عنوان اجازت دیتا ہے نہ مَعْنُوْنَ بِعَنْوَنْ میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں وہ سراسر خلاف شریعت ہیں۔ اس کے بعد سنا گیا کہ شیخ الاسلام عبداللہ سراج بہت برہم ہوئے۔ خطرہ تھا کہ وہ لوٹ کر آئے گا اور کچھ جواب دے گا۔

دو چار دن کے بعد شریف حسین خود جدہ گیا اور وہاں سے حکم بھیجا کہ فوراً مولانا محمود حسن اور ان کے رفقاء اور سید ہاشم اور حکیم نصرت حسین کو گرفتار کرکے بھیجو۔ اس پر بہت تشویش ہوئی۔ اور مختلف طریقوں سے اس کی منسوخی کا مطالبہ کیا گیا مگر کچھ نفع نہیں ہوا [۵۱]

[۵۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سفرنامہ اسیر مالٹا ...

یہ تحریک حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی مختصر تاریخ تھی اب محکمہ خفیہ کی رپورٹیں اور تحریریں پیش کی جائینگی مگر ان تحریروں سے متعلق چند امور وضاحت طلب ہیں مہربانی فرماکر پہلے یہ توضیحات ملاحظہ فرمالیجئے۔ پھر چشم بصیرت سے آپ تحریرات پر نظر ڈالیے۔

محکمہ خفیہ کی تحریروں سے متعلق چند توضیحات

وجوہاتِ ناکامی

مقدمہ ریشمی منظر کی طویل تحریر کا اتنا خلاصہ یقیناً آپ کے ذہن میں ہوگا کہ جب سے سفید فام یورپ نے کئی سو سال کی غفلت اور جہالت کے بعد ترقی کی طرف قدم بڑھانا شروع کیا تو حق پسند ایثار پیشہ اہلِ علم کی جماعت برابر کوشش کرتی رہی کہ مشرق کو مغرب کے تسلط سے محفوظ رکھے کوشش کی صورتیں بدلتی رہیں۔ مگر انکا سلسلہ منقطع نہیں ہوا

ہندستان میں انگریز کا اقتدار، اقتدارِ یورپ کا نمائندہ تھا۔ اس لئے براہِ راست مقابلہ، انگریزی اقتدار سے تھا۔ لیکن مطمح نظر صرف انگریز نہیں بلکہ پورا یورپ تھا۔ مگر اس ..... مقصد کے لئے صرف ہندستان کے مسلم فداکار کافی نہیں تھے۔ بلکہ پورے ایشیا یا کم ازکم اُن ممالک کا اتحاد اور انسلاک ضروری تھا جن کے سربراہ مسلمان تھے۔

مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ نے اسی ہمہ گیر عالمی انقلاب کے پیش نظر عسکری انسلاک اور فوجی تعاون کا ایک منصوبہ بنایا تھا۔ جس میں اسلامی دنیا کے تمام سیاسی سربراہوں اور ممتاز قومی رہنماؤں کے لئے شایانِ شان منصب معین کئے تھے۔ "جنودِ ربانیہ" اس کا نام تجویز کیا تھا۔

سی۔ آئی۔ ڈی کے مقبوضہ کاغذات میں اس منصوبہ کا مسودہ اور اس کا نقشہ بھی ہے ریشمی خطوط جو اس کے ہاتھ لگے جو اپنے موقع پر پیش کئے جائیں گے اُن میں آپ یہ نقشہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہ منصوبہ لامحالہ طویل المیعاد تھا۔ چند دنوں یا چند مہینوں میں اس کا تعارف بھی نہیں

ہو سکتا تھا۔ ادھر ۱۹۱۴ء کی جنگ یورپ نے تبدیلی حالات کی رفتار کو اتنا تیز کر دیا تھا کہ طویل المیعاد منصوبہ اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لامحالہ کسی ایسے منصوبہ کی ضرورت تھی۔ جس پر فوراً عمل ممکن ہو۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ کی جدوجہد جو علاقہ یاغستان (مغربی حصہ کے آزاد سرحدی قبائل) میں عرصہ سے جاری تھی۔ اس کو سامنے رکھتے ہوئے فوری منصوبہ ہو سکتا تھا کہ ان قبائل کو جدید آلات سے مسلح کر کے ان کے لئے اقدام کا موقع فراہم کر دیا جائے۔ ترکوں کا تعاون اس ضرورت کو پورا کر سکتا تھا۔ چنانچہ حالات کے پیش نظر[1] شیخ الہند رحمۃ اللہ کا فوری منصوبہ یہی تھا۔

اس منصوبہ کے تحت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کو تین کام کرنے تھے۔

(۱) ان قبائل کو آمادۂ عمل کرنا۔

(۲) ترکوں کو امداد پر آمادہ کرنا۔

(۳) ان قبائل کو ترکوں کی امداد کا یقین دلا دینا۔

سی۔ آئی۔ ڈی کی تحریرات جو آئندہ صفحات میں ہیں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان کی شہادت یہ ہے کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ نے یہ تینوں فرائض اس طرح انجام دے تھے کہ سی آئی ڈی کے افسر ابھی بیڈ۔ ٹی سے بھی فارغ نہیں ہوئے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

انٹیلیجنس کے ڈائرکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

ریشمی خطوط گذشتہ ماہ (اگست ۱۹۱۶ء) کی ۳۰ تاریخ کو میرے دفتر میں موصول ہوئے۔ یعنی اس وقت جبکہ ایک سال پہلے اگست[2] ۱۹۱۵ء میں مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ کابل پہنچ چکے ہیں اور آزاد قبائل میں اپنا کام کر چکے ہیں۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ شوال[3] ۱۳۳۳ھ (اگست ۱۹۱۵ء) میں دیوبند سے روانہ ہو کر ۲۰ ذیقعدہ (۲۰ ستمبر ۱۹۱۵ء) کو مکہ معظمہ پہنچ چکے ہیں۔ وہاں غالب پاشا سے ملاقات کر کے فرمان حاصل کر چکے ہیں۔ پھر کچھ دنوں بعد مدینہ طیبہ میں انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کر چکے ہیں۔ ان کی طرف سے عربی۔ فارسی اور ترکی تینوں زبانوں میں فرمان حاصل کر کے مولانا

[1] نقش حیات ص ۲۳۹ [2] رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں ہے ۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کو مولانا محمود حسن نے میاں محمد ایک شخص اور دوسرے دوستوں کے ساتھ مولوی عبید اللہ کی پیروی کی اور ہندوستان چھوڑ دیا۔ [3] نقش حیات ص ۲۰۴

ہادی حسن کے ذریعہ ہندستان اور مولانا محمد میاں منصور انصاری رحمۃ اللہ کے ذریعہ آزاد قبائل میں پہنچا چکے ہیں۔ وہاں ان کی اشاعت ہو چکی ہے اور قبائل کو ترکوں کی امداد کا یقین دلایا جا چکا ہے (ملاحظہ ہو نقش حیات کا طویل اقتباس جو پہلے گذر چکا ہے) یہ سب کچھ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی اس تحریر کے لکھے جانے سے پہلے ہو چکا ہے۔ جو اگست ۱۹۱۶ء میں سی۔ آئی۔ ڈی کے ہاتھ لگی۔

بہرحال جس کام کو محکمہ خفیہ کا کام کہنا چاہئے۔ محکمہ اس کو نہیں کر سکا۔ اس میں قطعاً ناکام رہا۔ لہذا تحریک کو ناکام کر دینے کا سہرا اس محکمہ کے سر نہیں باندھا جا سکتا۔ نہ حکومت ہند کی کسی تدبیر کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

ناکامی کا اصل سبب وہ ہے جو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے تحریر فرمایا کہ یہ تجربات اور وثائق بہت زیادہ کار آمد ہوتے اور حکومت ترکیہ اور اس کے حلیف پوری طرح امداد کرتے مگر قدرت نے پانسہ ہی پلٹ دیا۔ جرمنی اور ترکی کی فتح مندی اور کامیابی کے بعد جب امریکہ انگریزوں کا حلیف ہو گیا۔ اور مسٹر ولسن کے پُر فریب نکات سامنے آئے تو یکایک حالت بدل گئی۔ اور کل کی فتح آج کی شکست بن گئی۔ امریکہ کی بے شمار فوجیں اور لاتعداد ہتھیار جب اتحادیوں (انگریزوں اور فرانس وغیرہ) کی مدد پر آ گئے۔ ادھر شریف حسین نے غدر اور خیانت کر کے انگریز کی حمایت میں ترکوں میں........ ور ان کی قوت کو ہر قسم کا نقصان پہنچایا۔ عربوں اور ترکوں میں انتہائی نفرت پھیلا دی تا آنکہ عرب۔ سوریا (فلسطین) عراق وغیرہ میں عرب کے عوام ترکوں کو قتل و غارت کرتے تھے اور عرب سپاہی ترکی فوج ہی سے بھاگنے اور جدوجہد سے جان چرانے لگے۔ تو طبعی طور پر ہر جگہ ناکامی ہی ناکامی سامنے آ گئی۔ اور جو کچھ نہ ہونا چاہئے تھا وہ واقع ہو گیا[۱]

اسباب ناکامی میں سے ان واقعات کو بھی خارج نہیں کیا جا سکتا کہ

(۱) روس نے اپنی فوجیں ایران میں داخل کر دی تھیں اور افغانستان کا راستہ بند کر دیا تھا[۲]

[۱] نقش حیات صفحہ ۲۲۲ ج ۲ [۲] اسی فوج نے شہید میں عبد البار ی اور شجاع اللہ کو گرفتار کیا۔ جن کو مولانا سندھی نے خاص مشن پر ترکی بھیجا تھا۔ تفصیل آگے آئیگی۔

چنانچہ شیخ الہند رحمۃ اللہ نے جب انور پاشا سے مطالبہ کیا کہ
مجھ کو حدودِ افغانستان تک بالا بالا پہنچا دیا جائے تو پاشا نے معذوری ظاہر
کی اور کہا روس نے اپنی فوجیں ایران میں داخل کر کے افغانستان کا راستہ
کاٹ دیا ہے۔ اور سلطان آباد تک پہنچ گیا ہے [1]

(۲) حج ۱۳۳۴ھ (اکتوبر ۱۹۱۶ء) سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ ایسی تدبیر کر رہے تھے کہ بلوچستان کے کسی بندرگاہ پر بادبانی جہاز سے پہنچیں۔ اور وہاں سے یاغستان روانہ ہو جائیں مگر ابھی مکہ سے روانگی کی صورت نہیں بن سکی تھی کہ جدہ سے شریف حسین کا تار پہنچ گیا کہ مولانا محمود حسن اور اُن کے رفقاء کو گرفتار کر کے بھیجدو [2]

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی اس گرفتاری کو کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان رپورٹوں کا نتیجہ تھا جو خطوط حاصل ہو جانے کے بعد کی گئی تھیں مگر تحریک ماہ جون ۱۹۱۶ء شعبان ۱۳۳۴ھ میں ختم ہو چکی تھی۔ جب شریف حسین نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی تھی اور برطانیہ کا دامن سنبھال لیا تھا۔

سفر کے متعلق اختلافِ رائے حضرت مولانا ابو الکلام آزاد کا منشا تھا کہ حضرت مولانا ہندوستان ہی میں رہیں اور یہیں گرفتار رہوں۔ لیکن شیخ الہند رحمۃ اللہ کی نظران مجاہدین پر تھی جو دشمن کے مقابلہ پر بہادری کے اعلیٰ جوہر دکھا سکتے تھے اور دکھا چکے تھے [3]

مگر اب وہ مجبور اس سے تھے کہ اسلحہ گولہ بارود جو اُن کے پاس تھا ختم کر چکے تھے۔ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے پاس برابر پیغام آرہے تھے کہ ان کی امداد کی کوئی صورت نکالی جائے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم چھڑ گئی تو حضرت شیخ الہند کی جماعت کے مرکز یاغستان سے جس میں مولانا سیف الرحمن صاحب اور حاجی ترنگ زئی صاحب وغیرہ حضرات وہاں موجود تھے اور عرصہ سے جماعت کی تنظیمی ضروریات انجام دے رہے تھے

[1] نقش حیات صفحہ ۲۲۰ ج ۲ [2] نقش حیات صفحہ ۲۳۲ ج ۲ [3] نقش حیات صفحہ ۲۲۰ ج ۲ [4] نقش حیات صفحہ ۲۱۰ ج ۲

ان کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا حکم پہنچا کہ اب سکون سے کام کرنے کا وقت نہیں میدان میں آجانا اور سربکف ہو کر کام شروع کر دینا ازبس ضروری ہے مرکزی حضرات نے اصرار کیا کہ آپ یہاں پہنچ جائیں تو آپ کی سرپرستی میں ہم بخوبی اپنی جدوجہد جاری کر سکیں گے۔ مگر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہندستان سے مالی امداد کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ادھر راستہ بھی جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے بہت زیادہ مخدوش ہو رہا تھا اس لئے اسکی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ سرحد میں مجاہدین کے اجتماع کو دیکھکر انگریزی فوج نے حملہ کر دیا۔ مجاہدین نے نہایت بے جگری کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پلٹنوں کی پلٹنیں انگریزوں کی صاف کر دیں۔ جن کو انگریزوں نے ظاہر نہیں کیا۔ اور بے شمار قوت سرحد پر پہنچا دی سرحدی مجاہدین نے سرگرمی کے ساتھ مقابلہ کر کے انگریزی طاقت کو بے حد نقصان پہنچایا۔ مگر تابکے جبکہ انگریز کی ٹڈی دل فوج بے شمار سامان رسد، بے انتہا سامان جنگ اور دوسری طرف باغستان کے مفلس اور بے یارو مددگار عام باشندے نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ جبکہ مجاہد کے کھانے کا سامان ختم ہو جاتا تو اس کو مورچہ چھوڑ کر رسد کے لئے اپنے دور دراز گاؤں لوٹنا پڑتا تھا۔ کارتوس ختم ہو جاتے۔ تو اُن کے حاصل کرنے کے لئے مورچہ خالی کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے وہاں سے درخواست آئی کہ جب تک کسی منظم حکومت کی پشت پناہی نہ ہو ہماری شجاعت اور جانبازی بیکار ہے۔ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ آزاد حکومتوں کی پشت پناہی ضرور حاصل کی جائے۔ بنا بریں مولانا عبید اللہ صاحب کو کابل بھیجا گیا اور ٹرکی سے خود جا کر امداد حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

آپ کے سامنے کیا پیش کیا جارہا ہے؟

محکمہ خفیہ کی تحریروں کے فوٹو جو انڈیا آفس کے ریکارڈ سے حاصل کئے گئے ہیں۔ ان کے صفحات ایک ہزار سے زیادہ ہیں۔ مگر اس پورے ذخیرہ میں صرف ایک عشر یعنی تقریباً ایک سو پچیس ۱۲۵ صفحات وہ ہیں جن سے محکمہ کی کارروائی اور تحریک کے واقعات کا علم ہوتا ہے یعنی جن سے تحریک کی تاریخ سامنے آتی ہے۔ انھیں صفحات کا ترجمہ آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ اس کے ماسوا۔

(الف) تقریباً پانچسو ۵۰۰ صفحات میں وہ بیانات ہیں جو ان حضرات سے لئے گئے ہیں جن کو "استغاثہ از ملک معظم بنام عبید اللہ" میں مدعا علیہم قرار دیا گیا تھا۔ اور ان بنا پر انکی گرفتاری کے وارنٹ جاری کئے گئے تھے۔ یہ ۵۹ حضرات تھے۔

ان میں ایک کالا سنگھ کے علاوہ سب مسلمان تھے۔ مگر ان میں سے صرف چودہ ۱۴ کے بیانات لئے جا سکے۔ باقی صاحبان بیانات کے جھمیلے سے آزاد رہے۔ کیونکہ وہ ہندستان سے باہر جاچکے تھے (پولیس کے الفاظ میں مفرور تھے) یا ہندستان سے باہر برٹش کے زیر اثر کسی علاقہ میں نظر بند تھے۔ جیسے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ اور انکے رفقاء۔

چھ ۶ صاحبان اور ہیں جو استغاثہ میں مدعا علیہم نہیں ہیں ان میں سے تین صاحبان سے صرف اس بنا پر بیانات لئے گئے کہ وہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ سے قرابت یا خدمت گذاری کا تعلق رکھتے تھے۔ باقی وہ تھے جن سے توقع تھی کہ سی۔ آئی۔ ڈی کی منشا کے مطابق شہادت دے سکیں گے۔

مختصر یہ کہ صرف بیس ۲۰ حضرات کے بیانات تقریباً پانچسو ۵۰۰ صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سطور ذیل میں ان حضرات کے اسمار گرامی ملاحظہ فرمایئے۔ بیان دینے والے حضرت

کے اسمائے گرامی کے سامنے وہ تاریخیں بھی درج کردی گئی ہیں۔ جن میں بیانات لئے گئے۔ جن سے پولیس کے رویہ کا اندازہ ہوتا ہے کہ کام کو پھیلا کر اور بیان دینے والوں کو بار بار طلب کر کے کس طرح پریشان کیا گیا

(۱) مولانا احمد علی پسر حبیب اللہ ساکن چک بابو تھانہ و ضلع گوجرانوالہ عمر تقریباً ۳۴ سال دو بیان پہلے لئے گئے جن کی تاریخ درج نہیں پھر ۳۰-۳۱ مارچ پھر ۲ اپریل ۱۹۱۷ء کو بیانات لئے (پانچ روز)

(۲) مولوی عبد اللہ پسر نہال خاں۔ ذات بلوچ لغاری ساکن موضع گوٹھ ملان بخش لغاری۔ تھانہ میر پور بٹھیلو ضلع سکھر عمر ۵۰ سال۔ بیان کی تاریخ درج نہیں۔

(۳) مولوی ابو محمد احمد پسر غلام حسین ذات اعوان ساکن موضع چکوال ضلع جہلم حال امام مسجد صوفی کشمیری بازار۔ لاہور۔ عمر ۵۰ سال۔

(۴) سید ہادی حسن پسر مہدی حسن خان جہانپوری ضلع مظفر نگر۔ عمر ۲۴ سال۔ ۲۱ ستمبر ۔ ۱۷ اکتوبر۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۶ء پھر تقریباً ڈھائی ماہ بعد ۵ جنوری ۱۹۱۷ء کو (کل چار مرتبہ)

(۵) مولوی حمد اللہ پسر حاجی سراج الدین ساکن پانی پت محلہ مخدوم زادگان۔ ضلع کرنال۔ عمر ۴۰ سال ۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۱۶ء کو بیان لیا گیا۔

(۶) سید مرتضیٰ حسن ولد حکیم بنیاد علی ساکن چاند پور ضلع بجنور۔ ۵-۶-۸-۱۰-۱۱-۱۲ اکتوبر ۱۹۱۶ء (۶ روز)

(۷) مولوی مطلوب الرحمٰن ۔ساکن دیوبند۔ ۲۴ ستمبر تا ۲۷ ستمبر (۴ روز)

(۸) مولوی محمد سہول۔ موضع پریتی ۔ضلع دربھنگہ صوبہ بہار ۔وارد حال مدرسہ عالیہ کلکتہ

(۹) مولوی ظہور احمد خاں سہارنپوری ۳-۴ نومبر ۱۹۱۶ء پھر ۸ مارچ ۱۹۱۷ء (۳ روز)

(۱۰) مولوی محمد مبین پسر حاجی عبد المومن ۔ساکن دیوبند عمر تقریباً ۳۰ برس ۲۲ تا ۲۴ دسمبر ۱۹۱۶ء (۳ روز)

(۱۱) مولوی منظہر الدین پسر شیخ علی بخش ساکن شیرکوٹ ۱۴ نومبر پھر ۱۸-۱۹ نومبر ۱۹۱۶ء کو بیان لیا گیا (۳ روز)

(۱۲) مولوی انیس احمد پسر ادریس احمد (بی۔ اے علیگ) ۲۰ر نومبر ۲۲ تا ۲۶ر نومبر ۱۹۱۶ء (۶ روز)

(۱۳) محی الدین احمد خاں قاضی بھوپال پسر نواب شیر علی خاں مراد آباد۔ ۷ر دسمبر کو بھوپال میں ان کا بیان لیا گیا۔

(۱۴) نذیر احمد پسر محمود حسین ذات راجپوت موضع مٹیان والا ضلع گجرات عمر ۳۰ سال۔ بیان کی تاریخ درج نہیں۔

(۱۵) مولوی محمد حنیف ساکن دیو بند ۱۸ر اکتوبر اور ۲۰ر اکتوبر کو (۲ روز)

(۱۶) مولوی محمد مسعود ساکن دیو بند ۶۔ ۷۔ ۸ر نومبر ۱۳ر نومبر ۲۰ر نومبر اس کے بعد ۱۳ر دسمبر ۱۹۱۶ء کو چھ متفرق تاریخوں میں ان کے بیانات لئے گئے)

(۱۷) محمد جلیل پسر محمد اسمٰعیل۔ ساکن کیرانہ ضلع مظفر نگر۔ ۱۱ر اور ۱۳ر نومبر کو ان کا بیان لیا گیا۔

ان حضرات کے بیانات جو تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہیں ہم ان کو تاریخی دستاویز نہیں قرار دے سکتے۔ کیونکہ ان میں زیادہ سے زیادہ اخفا سے کام لیا گیا ہے اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے۔ حقائق کے اظہار سے گریز کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان سترہ حضرات میں سے صرف پانچ صاحبان (از ۱ تا ۵) وہ ہیں جن کا تعلق تحریک سے ایک حد تک ذمہ دارانہ رہا ہے۔

ؔ۱ وہ بزرگ ہیں جو حضرت مولانا احمد علی لاہوری سابق امیر انجمن خدام الدین کے اسم گرامی اور خطاب سے معروف و مشہور ہیں۔ حضرت مولانا سندھی رحمۃ اللہ کابل تشریف لے گئے تو ان کے بعد آپ ہی نظارۃ المعارف کے مدیر اور ناظم رہے۔

ؔ۲ مولانا عبد اللہ صاحب مولانا سندھی کے ساتھ کابل گئے۔ وہاں سے خطوط لائے جو رازداری کے ساتھ شیخ عبد الرحیم سندھی اور شیخ ابراہیم صاحب (سندھی) کو پہنچائے۔

ؔ۳ مولانا ابو محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ جمعیۃ الانصار کی تاسیس میں مولانا سندھی کے

شریک رہے۔ پھر اس کے اجلاس عام کو کامیاب بنانے کی کوشش کی۔ اس کے لئے
چندہ کیا۔ جمعیتہ الانصار کے نائب ناظم مقرر کئے گئے تحریک کے سلسلہ میں حاجی ترنگ زئی
صاحب کے پاس آزاد علاقہ سرحد میں گئے۔ مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری جو
غالب پاشا کا خط لے کر آزاد علاقہ میں گئے تھے ان کی مدد کی وغیرہ وغیرہ۔
۴ مولانا سید ہادی حسن صاحب وہ بزرگ تھے جن کے پاس تحریک کے سلسلہ
کی رقومات بھی رہا کرتی تھیں۔ پھر وہ بکس جبکی تملی میں غالب پاشا اور انور پاشا کے پیغامات
تھے۔ انہیں کے سپرد کیا گیا تھا جس کی تفصیل نقشِ حیات کے حوالہ سے پہلے گذر چکی
ہے۔
۵ مولانا حمد اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ اس جماعت کے خازن تھے۔ کارکن حضرات
کو رقومات پہنچانا انھیں کے ذمہ تھا۔
ان کے علاوہ ۶ تا ۹ اس بنا پر گرفتار کئے گئے کہ وہ سفرِ حج میں حضرت شیخ الہند
رحمۃ اللہ کے ساتھ رہے تھے۔ ان کے ساتھ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ بھی گئے۔ ۷ یعنی
مولانا مطلوب الرحمٰن صاحب ایگریکلچر ڈیپارٹمنٹ حکومتِ یو، پی میں ملازم تھے۔
رخصت لے کر حج کو گئے تھے۔ ایسے ہی مولانا محمد سہول صاحب بھی مدرسہ عالیہ کلکتہ
میں (جو سرکاری مدرسہ تھا) سینیر مدرس تھے۔
۱۰ مولانا محمد مبین صاحب انبالہ میں ایک مدرسے سے وابستہ تھے۔ تحریک سے صرف
اتنا تعلق تھا۔ کہ چندہ کے لئے بنگال گئے تھے۔ اس سفر میں کلکتہ پہنچے تو مولانا آزاد سے
بھی ملاقات کی تھی۔
۱۱ مولوی مظہر الدین صاحب شیرکوٹی کا بھی جرم یہی تھا کہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد
رحمۃ اللہ کے اخبار الہلال پھر البلاغ وغیرہ میں کام کرتے رہے تھے۔
۱۲ مولوی انیس احمد زئی۔ اے وہ عجیب انسان تھا جو نظارۃ المعارف کا متعلم رہا۔
پھر مولانا سندھی اور حضرت شیخ الہندؒ کا حاضر باش رہا۔ لیکن قابلِ اعتماد کبھی نہیں ہوا
مشکوک اور مشتبہ رہا۔ اس کا بیان پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ

قابلِ اعتماد نہیں تھا بلکہ مزاج میں اعتدال بھی نہیں تھا۔
جیسے ہی حضرت شیخ الہندؒ ہندستان سے روانہ ہوئے اُس نے علی گڈھ میں ملازمت کے لئے درخواست دیدی۔ چنانچہ اس کو ایک سو روپیہ کی فیلوشپ مل گئی جیسا کہ خود اس نے اپنے ۲۵ ر نومبر ۱۹۱۶ء کے بیان میں ظاہر کیا ہے۔ اس کے بعد علیگڈھ کالج کے اسسٹنٹ سکریٹری ہوگئے۔
۱۳ مولانا قاضی محی الدین صاحب مرادآبادی۔ بھوپال کے قاضی تھے زمانہ طالب علمی سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ سے تعلق تھا۔ یہ دونوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ کے شاگرد تھے۔ جب شیخ الہند رحمۃ اللہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو پرانے ساتھی کو رخصت کرنے کیلئے یہ بھی بھوپال سے بمبئی پہنچ گئے تھے۔ اس دوستی کے اعتماد پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ نے اُن کو عدن سے ایک کارڈ بھی لکھدیا تھا کہ ان کے متعلقین کا خیال رکھیں۔
پھر مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مولانا محمد میاں صاحب حج سے واپس ہوئے تو ان کے یہاں قیام بھی کیا تھا۔ باقی جہاں تک حکومت کا تعلق تھا انہوں نے اپنے بیان میں بڑی قوت سے بیان کیا ہے کہ وہ انگریزی حکومت کے وفادار رہیں۔
۱۴ یعنی نذیر احمد پسر محمد حسین کاتب تھے کتابت پیشہ تھا۔ آزاد علاقہ کے مرکز "اسماس" میں مقاصد تحریک کی اشاعت کے لئے جو پریس قائم کیا گیا تھا۔ اُسمیں شائع ہونیوالے چند پمفلٹوں (رسالہ جہاد وغیرہ) کی کتابت اُنھوں نے کی تھی یہی ان کا جرم تھا۔
۱۵ مولوی محمد حنیف صاحب دیوبندی
۱۶ مولوی مسعود صاحب دیوبندی حضرت شیخ الہندؒ کے داماد تھے۔ تحریک سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ محمد حنیف صاحب سرکاری اسکول میں ماسٹر تھے۔
۱۷ مولوی محمد جلیل صاحب دارالعلوم میں پڑھتے تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے یہاں رہتے تھے اور ان کی خدمت بھی کیا کرتے تھے۔ اسی تعلق کی بنا پر ان کو گرفتار کیا گیا۔ اور ان سے بیانات لئے گئے۔
ان سترہ ۱۷ حضرات کے علاوہ تین ۳ صاحبان اور ہیں۔

۱۸۔ عبدالباری بی۔ اے پسر غلام جیلانی ساکن محلہ قاضی جالندھر
۱۹۔ شجاع اللہ پسر شیخ حبیب اللہ ساکن محلہ مصری کل لاہور عمر ۲۳ برس
۲۰۔ عبدالحق (پہلا نام جیون داس ولد پورن داس) ساکن موضع ڈارچھا ضلع شاہ پور
ستمبر ۱۹۱۶ء کے شروع میں سی۔ آئی۔ ڈی کے ایک افسر نے ان کا بیان تحریر کیا ہے
ان تینوں نوجوان کا تعلق ابتدا میں تحریک سے نہیں تھا۔ عبدالباری اور شجاع اللہ
کالج کے اسٹوڈنٹ تھے۔ اور عبدالحق ان کے دوست۔ انہوں نے خود اپنے طور پر ترک
وطن طے کیا تھا۔ اور کابل پہنچ گئے تھے۔

جب حضرت مولانا سندھی کابل پہنچے تو انھوں نے ان طلبہ کی قدر کی۔ ان کو شریک کار بنایا۔ اور ان سے خدمات لیں۔ عبدالباری اور شجاع اللہ کو مولانا نے خاص مشن پر ترکی بھیجا تھا۔ راستہ میں روسی فوج پڑی تھی۔ روسیوں نے مشہد میں گرفتار کر لیا۔ بہت کچھ اذیت دی۔ پھر انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔

اپنے بیان میں انھوں نے اپنی پوری سرگذشت بیان کی ہے جو تحریک کے متعلق بھی ایک روشن دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا ہم نے عبدالباری صاحب کا پورا بیان اس تالیف میں شامل کر لیا ہے۔ اور شجاع اللہ کے بیان کے وہ حصے لئے ہیں جو عبدالباری صاحب کے بیان میں نہیں تھے۔ عبدالحق کو بھی ایک مشن پر روانہ کیا گیا تھا یعنی خطوط دے کر سندھ بھیجا گیا تھا۔ مگر لاہور میں اس نے اپنے سابق آقا اور محسن رب نواز خان کے یہاں قیام کیا اور ان کی باتوں میں آکر وہ خطوط ان کے حوالے کر دئے۔ تفصیل آپ آئندہ ریشمی خطوط سے متعلق سی۔ آئی۔ ڈی کے پہلے نوٹ میں اور استغاثہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔
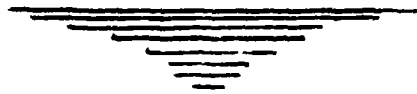
بیانات اور ترتیب استغاثہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ نے اس تحریک کی روداد تحریر فرمائی ہے جو نقش حیات کے طویل اقتباس میں پہلے گذر چکی ہے۔ آپ استغاثہ (از ملک معظم بنام عبید اللہ) ملاحظہ فرمائیں گے آپ کو تعجب ہوگا کہ استغاثہ میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ وہی ہیں جو نقش حیات میں تحریر کئے گئے ہیں۔ اس یکسانیت اور موافقت کی بنا پر شبہ کیا جاسکتا ہے کہ گرفتاران بلا میں سے کسی نے اپنی گلوخلاصی کے لئے پوری کہانی سنادی اور سب راز اگل دے۔ اور چونکہ ان میں زیادہ نرزدہ ناکردہ گناہ ہیں جو محض رفاقت سفر یا قرابت کی بنا پر پولیس کے لطف وکرم کا نشانہ بنے تو یہ شبہ برمحل بھی ہوسکتا ہے خصوصاً جبکہ بعض وہ بھی ہیں جن کو اس سلسلہ کا مردخام کہا جاسکتا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ نہ کسی پختہ کار نے پوری داستان سنائی نہ کسی مردِخام نے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ استغاثہ کی ترتیب پولیس کی ہوشمندانہ تدبیر (جس کو عرف عام میں پولیس کی چال کہا جاتا ہے) کا سبق آموز نمونہ ہے۔

جب کسی شخص کو باربار طلب کیا جائے گا اور اس پر سوالات کی بوچھاڑ کی جائے اور کئی کئی روز تک سوالات اور ان پر جرح اور تنقید کا سلسلہ چلتا رہے۔ تو مردِ خام تو درکنار کیسا ہی تجربہ کار اور پختہ مغز ہو کوئی فقرہ اس کی زبان سے بھی ایسا نکل جائے گا جو پولیس کے منشا کو پورا کرتا ہو۔

یہ استغاثہ ایسے ہی فقروں کا مرتب مجموعہ ہے۔ یہ پولیس کی فن کاری ہے کہ اس نے ان فقروں کو اس طرح ترتیب دیا کہ ایسی روئداد تیار ہوگئی جو قریب قریب حضرت شیخ الاسلام کی تحریر کے موافق ہے۔ جو فقرہ جس کی زبان سے نکلا حاشیہ پر اس کا نام بھی دیدیا گیا ہے۔ اگر چند صاحبان کی زبان سے وہ فقرہ نکلا تو ان چند کے نام اس فقرہ کے سامنے حاشیہ پر درج کردیے گئے ہیں۔

پھر ان بیان دینے والے حضرات کا موازنہ اور تجزیہ کیا ہے کہ کون صاحب اس فقرہ کو دہرا سکتے ہیں۔ اگر ان کو شہادت میں پیش کیا جائے۔ ایسے صاحبان کو

سلطانی گواہ لکھ دیا ہے۔ یہ صاحبان جو نہ پولیس کی چالوں سے واقف نہ کچہریوں کی پُر فریب فضا سے آشنا۔ عام طور پر سچ بولنے کے عادی اور جو فقرہ ان کی زبان سے نکل گیا شاید ان کو اس کا بھی احساس نہ ہو کہ پولیس اس سے اپنا منشا پورا کرے گی۔ ان سے بعید نہ تھا کہ جو فقرہ پہلی مرتبہ زبان سے نکلا ہے۔ جب بیان حلفی کا وقت آئے تو بعینہ اسی کو دُہرا دیں۔ یہ ان کی صداقت پسندی پولیس کی کامیابی کے لئے وثیقہ تھی۔

بہرحال یہ مرتب استغاثہ جو واقعات کا آئینہ دار ہے کسی راز دار کا افشاءِ راز نہیں بلکہ پولیس کی فنی مہارت کا شاہکار ہے۔ یہ نام جو اصل استغاثہ کے حاشیہ پر درج ہیں ہم نے ان کے اندراج کو غیر ضروری سمجھا کیونکہ نہ یہ فقرہ افشاء راز کے طور پر کہا گیا تھا نہ اُن صاحبان سے جو عرصہ ہوا وفات پا چکے ہیں اس فقرہ کے بارے میں کوئی تحقیق ہو سکتی ہے پس ان نشانوں کا بے نشان ہونا ہی بہتر ہے۔

(ب) اسی طرح تقریباً ڈیڑھ سو صفحات اور ہیں جن کو نظر انداز کرنا ہم نے ضرور سمجھا تاکہ تالیف میں دور از کار مواد جمع نہ ہو۔ ان ڈیڑھ سو ۱۵۰ صفحات کی تفصیل نہ صرف دلچسپ بلکہ مضحکہ خیز ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پولیس نے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے مشہور ہفت روزہ "الہلال" کے دفتر پر چھاپہ مارا تو وہاں سے کچھ مسودے کچھ کتابیں اور اخبارات برآمد کئے۔

(۱) جو کتاب پولیس نے اپنے قبضہ میں لی وہ "الخواطر فی الاسلام" تھی جو مصری ادیب و مفکر عطا حسین کی لکھی ہوئی تھی اس میں انگریزوں کے برخلاف ترکوں کی حمایت کی گئی تھی۔ اور مسلمانوں کو جدوجہد اور سعی کی تلقین تھی۔ سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹ ہے کہ مولوی مظہر الدین ساکن شیر کوٹ ضلع بجنور نے ۱۹۱۵ء کے نصف آخر میں اپنے مالک اور آقا ابوالکلام آزاد کے لئے بغرض اشاعت اس کا ترجمہ اردو میں کیا تھا۔ اور البلاغ میں اس کی اشاعت ہونے لگی تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے فردِ جرم میں یہ ترجمہ اس لئے داخل کیا گیا کہ "یہ اسی وقت کیا گیا تھا جبکہ تقریباً ایک برس سے انگریزوں کی ترکوں سے جنگ جاری تھی۔"

منشی تصدق حسین انسپکٹر یو، پی۔ سی۔ آئی۔ ڈی نے سب انسپکٹر محمد مظہر کی مدد سے اس کے ہر ایک باب کا خلاصہ مرتب کیا یہ باب وار خلاصہ تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) "نظارۃ المعارف" میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی قرآن حکیم کا درس دیا کرتے تھے اس میں سیاسی مسائل پر بھی روشنی ڈالا کرتے تھے۔ اور جہاد سے متعلق آیات پر سیر حاصل بحث کیا کرتے تھے۔ انیس احمد صاحب بی۔ اے علیگ متعلم نظارۃ المعارف نے حضرت مولانا سندھی رحمۃ اللہ کے ان افادات کو دو کتابوں میں مرتب کر لیا تھا۔ کلید قرآن اور تعلیم القرآن۔ سی۔ آئی۔ ڈی نے ان پر بھی قبضہ کیا اور ان کی ترتیب و اشاعت کو سازش کا ایک جزو قرار دیا۔

منشی تصدق حسین مذکور نے ان کا بھی انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اور ان کے متعلق تفصیلی نوٹ لکھا جس میں ان کتابوں کے ابواب و مباحث کا خلاصہ پیش کیا جو تقریباً ساٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

ان کے علاوہ بنگال و بہار و اڑیسہ کے شائع ہونے والے ہندوستانی اخبارات حضرت مولانا آزاد کے اخبار الہلال، البلاغ کے متعدد مضامین اور ان پر تفصیلی نوٹ نیز فتاویٰ عزیزیہ کا ایک فتویٰ اور علامہ خیری کے فتویٰ کا ترجمہ وغیرہ جن سے تقریباً تیس ۳۰ صفحات پُر کئے گئے ہیں۔

بہرحال یہ ترجمے اور اقتباسات مقدمہ کی کارروائی کے لئے خواہ کتنے ہی مفید ہوں مگر تحریک کی تاریخ کے لحاظ سے بے سود اور طول لاطائل ہیں۔ لہٰذا ان کو بھی پیش نہیں کیا گیا۔

(ج) دو سو ۲۰۰ سے زیادہ حضرات کے نام اس کیس کے سلسلہ میں آئے ہیں ایک مستقل حصہ میں ان کا تعارف کرایا گیا ہے۔ Who's Who in the silk letter case.؟ ریشمی خطوط کیس میں کون کیا ہے؟ اس حصہ کا عنوان ہے۔ جس میں تقریباً دو سو ۲۰۰ صفحات مکمل ہوگئے ہیں یہ پورا حصہ انشاء اللہ آخر میں پیش کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ اس وقت آپ کے سامنے چھ باب پیش کئے جا رہے ہیں۔

(۱) محکماتی کارروائی۔ مثلاً تار یا آرڈر جو اُسرائے یا دوسرے افسروں کی طرف سے دیئے گئے یا ان کو دیئے گئے۔

(۲) سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹوں کے پیش نظر پورے کیس کا خلاصہ۔

(۳) استغاثہ از ملک معظم بنام عبید اللہ وغیرہ۔

(۴) عبد الباری صاحب اور شجاع اللہ صاحب کے بیانات (۵) خطوط کے ترجمے

(۶) ریشمی خطوط کے کیس میں کون کیا ہے۔

چند مغالطے

(۱) استغاثہ کے آخر میں ایک عنوان ہے۔ مقدمہ کا مذہبی پہلو۔ رپورٹ مرتب کرنے والوں کے نزدیک مذہبی پہلو یہ ہے "کہ جہاد اور جہاد کیلئے اشتعال دلانا" فرض ہونا کجا جائز بھی نہیں۔ بلکہ فی الحقیقت حرام ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے خیالات کی حوصلہ افزائی کرے تو وہ مملکت کے خلاف ایسے جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ جسکے لئے شرعی طور پر مکلف ہونے کا عذر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ممکن ہے کچھ علماء کے اقوال اور فتاویٰ ایسے ہوں جن کی بنا پر سی۔ آئی۔ ڈی کا یہ فتویٰ صحیح کہا جا سکے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ سی۔ آئی۔ ڈی نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور خود حضرت شیخ الہندؒ کے فتوی کو اس رائے کی بنیاد قرار دیا ہے استغاثہ میں ہے۔

"شاید اس سلسلہ میں سب سے زیادہ گراں قدر فیصلہ وہ فتویٰ ہے جو ۱۸۹۸ء میں مرحوم مولانا رشید احمد گنگوہی نے جاری کیا تھا۔ کیونکہ اس پر دوسرے علماء کے علاوہ مولانا محمود حسنؒ کے بھی دستخط ہیں" کہ مسلمان مذہبی طور سے پابند ہیں کہ حکومت برطانیہ کے وفادار رہیں خواہ آخر الذکر سلطان ترکی ہی سے برسر جنگ کیوں نہ ہو۔

اس فتوے کے مستفتی کون تھے؟ سوال کے الفاظ کیا تھے؟ کیا ۱۸۹۸ء میں انگریزوں کی ترکوں سے جنگ ہو رہی تھی؟ ان سوالات میں سے کسی پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی حوالہ یہ دیا گیا ہے "ترکی کے موجودہ جنگ میں شامل ہونے سے کچھ دن پہلے ہی یہ فتویٰ البشیر میں طبع ہوا ہے" البشیر۔ اخبار ہے یا رسالہ۔ کہاں سے شائع ہوتا ہے۔ ترکی کے موجودہ جنگ میں شامل ہونے سے کچھ دن پہلے۔ تاریخ ندارد۔ مہینہ کا بھی نام نہیں۔

ترکی اس جنگ میں نومبر ۱۹۱۴ء میں شامل ہوا۔ خلاصہ یہ کہ ۱۶ سال تک یہ فتویٰ سربستہ راز رہا۔ حضرت گنگوہیؒ کے سینکڑوں شاگردوں اور ہزاروں مریدوں لاکھوں متوسلین میں سے کسی کو بھی اس کا علم نہیں ہوا۔ شاید محکمہ خفیہ کے کسی افسر کے بازو پہ تعویذ کی طرح بندھا رہا حتیٰ کہ اگست ۱۹۰۵ء حضرت گنگوہی کی بھی وفات ہو گئی۔ سولہ سال بعد جبکہ حضرت گنگوہیؒ کی وفات کو بھی نو سال ہو گئے تھے۔ یکایک طلسمی قوت سے البشیر کے نامعلوم ایڈیٹر صاحب کے پاس پہنچ گیا اور نامعلوم ایڈیٹر صاحب نے کسی مقام سے نہیں بلکہ لامکان سے کسی غیر معین تاریخ میں شائع کر دیا۔ سی۔ آئی۔ ڈی۔ کی اس مسل میں بہت سی تحریرات کے فوٹو شامل ہیں مگر یہ فتویٰ ایسا ہے کہ اس کا فوٹو تو کیا تاریخ اشاعت بھی درج نہیں۔

بہرحال یہ محض افتراء اور اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے وہ جعل اور وہ چال ہے جس کے لئے ہندستانی پولیس بدنام ہے۔

جہاں تک شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ کا تعلق ہے۔ تو اس الزام کی حقیقت یہ ہے۔ دروغ گورم بروے تو۔ باقی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ کے متعلق اس فتویٰ کا امکان اس وقت ختم ہو گیا تھا جب آپ نے مولانا سعد الدین صاحب کشمیری اور مولانا امان اللہ صاحب کشمیری کے استفتاء کے جواب میں مبسوط اور مدلل فتویٰ صادر فرمایا تھا جس میں سات صفحہ کی مفصل اور مدلل تحریر کے بعد بطور نتیجہ فرماتے ہیں۔

اکنوں حالِ ہند راخود غور فرمانید کہ اجراء احکام کفارِ نصاریٰ درین جا چہ قوت و غلبہ است۔ اگر ادنیٰ کلکٹر حکم کرد کہ در مساجد جماعت ادا نکنید۔ ہیچ کس از امیر و غریب قدرت ندارد کہ ادا آں نماید۔

ترجمہ: اب ہندستان کی حالت پر آپ خود غور فرمائیے کہ اس جگہ کفار نصاریٰ کے احکام کا اجراء اس قوت اور غلبہ کے ساتھ ہے کہ اگر ایک ادنیٰ کلکٹر حکم کر دے کہ مسجدوں میں جماعت ادا نہ کریں تو کسی بھی امیر یا غریب کی مجال نہیں رہتی کہ مسجد میں جماعت ادا کر سکے۔

چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

بہر حال تسلط کفار بر ہند بداں درجہ است کہ در ہیچ وقت تسلط کفار بدار الحرب زیادہ ازیں ہنود وادا رمراسم اسلام از مسلمانان محض باجازت ایشان است از مسلمانان عاجز تریں رعایا کسے نیست۔ ہنود راہم رسوخ است مسلمانان را نیست

ترجمہ: بہر حال کفار نصاریٰ کا تسلط ہندوستان میں اس درجہ ہے کہ کسی وقت کسی ...... کافر کا کسی دار الحرب پر اس سے زیادہ غلبہ نہیں ہوا۔ اور جو اسلامی رسومات اور شعائر مسلمان یہاں ادا کرتے ہیں۔ وہ صرف ان کی اجازت سے کوئی رعایا مسلمانوں سے زیادہ عاجز نہیں۔ ہنود کو بھی ایک رسوخ حاصل ہے۔ مسلمانوں کو وہ بھی نہیں۔ (علما رحق ص۹۶ وص۹۷ جلد اول)

اس سلسلہ میں دلچسپ بات یہ ہے کہ استغاثہ مرتب کرنے والے صاحبان شاید حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ میں فرق نہیں کر سکے یہ دونوں بزرگ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ مہاجر مکی سے بعیت تھے ان کے خلیفہ مجاز تھے اور ۱۸۵۷ء کی تحریک حریت میں حضرت حاجی صاحب کے ساتھ دونوں نے حصہ لیا۔ مقام شاملی پر جو معرکہ ہوا اس میں دونوں شریک تھے۔ تحریک ناکام ہوئی اور تحریک میں حصہ لینے والوں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ تو ان دونوں کے بھی وارنٹ جاری ہوئے۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ تو گرفتار کر لئے گئے ان پر مقدمہ چلا ان کو سزا ہوئی اگرچہ حسن اتفاق کہ چھ ماہ بعد رہائی ہو گئی۔ مگر عجیب اتفاق کہ حضرت مولانا محمد قاسم گرفتار نہیں ہو سکے ایک روز وہ دیوبند میں اپنے مکان کے قریب چھتہ کی مسجد میں تھے۔ پولیس انسپکٹر اُن کے پاس پہنچا خود اُن سے دریافت کیا کہ محمد قاسم کہاں ہے۔ مولانا نے اپنی جگہ سے ذرا ہٹ کر جواب دیا کہ "ابھی یہیں تو تھے۔" انسپکٹر پولیس مسجد میں مولانا کو تلاش کرتے گیا اور مولانا سامنے سے نکل کر کہیں چلے گئے پھر پولیس ان کو نہیں پا سکی یہاں تک کہ عام معافی کا اعلان ہو گیا۔ لیکن استغاثہ مرتب کرنیوالے صاحب فرماتے ہیں۔ وہ گرفتار کیا گیا۔ اس پر مقدمہ چلا وہ بری ہو گیا (فقرہ ۵)

(۳) پنجاب کے کچھ طلبہ اپنے کالجوں سے نکل کر سرحد پار پہنچ گئے۔ یہ خود ان کا بیان

ان طلبہ میں عبدالباری بھی تھے۔ جن کا بیان آپ آئندہ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان کا بیان یہ ہے کہ ترکوں سے جنگ کے علاوہ برطانیہ کی طرف سے ترکوں کے خلاف جو غلط پروپیگنڈا کیا جارہا تھا حتیٰ کہ کہا جاتا تھا کہ ترک۔ جرمنی کے سربراہ (قیصر جرمنی) کو رسول اللہ کہتے ہیں (معاذاللہ) اور کلمہ توحید اس طرح پڑھنے لگے ہیں "لا الٰہ الا اللہ قیصر رسول اللہ" برطانیہ کی ان حرکتوں نے ان کو متنفر کیا یہاں تک کہ اس کے زیر حکومت رہنے سے ان کو نفرت ہوگئی اور وہ وطن چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔

لیکن مسٹر ڈی۔ وی دیان نے جو ریشمی خطوط کے کیس کا خلاصہ مرتب فرمایا۔ اس میں فرماتے ہیں کہ "طالب علموں کی ہجرت کا محرک اصلی مولوی عبیداللہ ہے"۔

حالانکہ عبدالباری صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان میں مولانا سندھی سے ان طلبہ کی ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ عبدالباری صاحب کا بیان ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد ہجرت کرنے کے خلاف تھے فرمایا تھا کہ تم باہر جاکر کچھ نہیں کرسکو گے۔

مگر سی۔ آئی۔ ڈی نے بلا کسی دلیل کے ہجرت کا محرک مولانا عبیداللہ کو قرار دیا اور چونکہ اس تحریک کا بانی حضرت شیخ الہندؒ کے بجائے مولانا سندھی کو قرار دیا تو ہجرت کو بھی تحریک شیخ الہند کا ایک منصوبہ قرار دیدیا۔ چنانچہ مقاصد سازش کے حصول کے طریق میں ہجرت کو بھی شامل کردیا (ملاحظہ ہو استغاثہ کا فقرہ ۳)

بہرحال سی۔ آئی۔ ڈی کا پہلا مغالطہ یہ تھا کہ تحریک کا بانی مولانا عبیداللہ سندھی کو قرار دیا۔ اسی طرح دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ ہجرت کو بھی تحریک کا ایک منصوبہ قرار دیدیا۔

مہتمم صاحبان اور شیخ الہندؒ میں اختلاف

کیس کے خلاصہ اور استغاثہ میں ایسے الفاظ آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سندھی کے سبب سے دارالعلوم کے اساتذہ میں اختلاف ہوگیا تھا اس بنا پر مولانا سندھی کو برطرف کردیا گیا (خلاصہ کیس فقرہ ۲۷)

مولانا محمد احمد مہتمم اور مولانا حبیب الرحمٰن نائب مہتمم رحمہما اللہ کے رویہ سے جو حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ تھا تلخی پیدا ہوئی (استغاثہ فقرہ ۱۳)

وجہ۳ یہ تصنیف کی ہے کہ مہتمم اور نائب مہتمم یہ محسوس کرتے تھے کہ مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ کے احترام کے سبب سے اِن کا اثر کم ہو رہا ہے (فقرہ ۱۳)

۴۔ تلخی کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ مہتمم صاحب نے مولوی محمد میاں کو کسی قصور کی بنا پر مولانا کے مشورے یا اطلاع کے بغیر دیوبند سے رخصت کر دیا تھا۔ جو ان کے نزدیک ان کی شان کے خلاف تھا (فقرہ ۱۴)

۵۔ بعض گواہوں مثلاً مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ کے بیان میں بھی اختلاف کا ذکر ہے کہ جمعیۃ الانصار کے سلسلہ میں مولانا حبیب الرحمٰن اور مولانا عبید اللہ رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہو گیا تھا مولانا عبید اللہ چاہتے تھے کہ طلبہ قدیم کا مدرسہ کے اہتمام میں ہاتھ ہو جبکہ مولانا حبیب الرحمٰن اس کے خلاف تھے۔

تبصرہ رپورٹ یا کیس کے خلاصہ میں دونوں مہتمم صاحبان میں سے کسی کا بھی کوئی ایسا کارنامہ نقل نہیں کیا گیا جس سے معلوم ہو کہ ان حضرات نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ۔ یا ان کی تحریک کے خلاف حکومت کی یا سی۔ آئی۔ ڈی کی کوئی مدد کی۔ صرف یہ کہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام کے ساتھ اُن کا خطاب بھی لگا دیا ہے شمس العلماء حافظ محمد احمد صاحب (استغاثہ نقرہ ۹ و فقرہ ۱۳ وغیرہ) ایک یادداشت میں وفادار کا لفظ استعمال کیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے وفادار پرنسپل (ریشمی خطوط کے معاملہ میں دوسری یادداشت)

البتہ یہ ضرور ہوا کہ اس تحریک کے زمانہ میں مہتمم صاحبان نے حکومت کے ذمہ داروں سے تعلق رکھا حتیٰ کہ گورنر یو۔ پی کو دارالعلوم دیوبند میں مدعو کیا اس کو ایڈریس بھی پیش کیا اور اس تعلق کا نتیجہ تھا کہ حافظ صاحب کو شمس العلماء کا خطاب دیا گیا۔

سوال یہ کہ جو کچھ ہوا اس کا سبب یہ تھا کہ مدرسہ کے بعض اساتذہ اور حضرت مہتمم صاحبان فی الواقع تحریک کے مخالف اور حکومت کے ہی خواہ تھے یا یہ رویہ بتقاضائے مصلحت اختیار کیا گیا تھا۔ بہتر یہ ہے کہ ان امور میں اپنی رائے یا سی۔ آئی۔ ڈی کی تخلیق کے بجائے ہم حضرت شیخ الہند کے جانشین اور اُن کے سب سے زیادہ معتمد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ سے

دریافت کریں ان کا جواب بھی سند اور قابلِ اطمینان حجت ہونا چاہیئے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی تحریر فرماتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ دار العلوم دیوبند کے اربابِ اہتمام کے سامنے دار العلوم کی بقاو تحفظ کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کے واقعات اور اس کے بعد انگریزوں کی پالیسی ان کے سامنے تھی انہوں نے مولانا عبید اللہ کی سرگرمیوں کو نہ صرف دار العلوم دیوبند بلکہ عام مسلمانوں کی پالیسی کے لئے بھی خطرناک تصور کیا۔ اور اپنے خیال کے مطابق ضروری سمجھا کہ مولانا سندھی کا تعلق اس مرکز سے نہ رہے اسی زمانہ میں اتفاق سے چند علمی مسئلوں میں مولانا سندھی اور دار العلوم کے دوسرے علماء کے درمیان اختلاف پیدا کرادیا گیا اس اختلاف کو وجہ قرار دے کر مولانا سندھی کو دار العلوم سے رخصت کردیا گیا۔ چنانچہ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے اس اختلاف نے اگرچہ دار العلوم کے اساتذہ، ملازمین اور عام طلبہ کو حضرت مولانا سندھی سے بہت زیادہ بعید کردیا تھا لیکن حضرت شیخ الہندؒ سے تعلق میں کوئی فرق نہیں آیا خفیہ آمد و رفت جاری رہی۔ رات کی اندھیری میں دیوبند سے باہر ملاقاتیں ہوتی تھیں اور ضروری باتیں انجام دی جاتی تھیں

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب مرحوم نے مولانا سندھی کے نام مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں پیغام بھیجا تھا کہ قیام دیوبند کے زمانہ میں غلط فہمی کی وجہ سے میں آپ کے لئے تکلیف کا باعث بنا اب میرے دل میں آپ سے کوئی رنج نہیں ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی معاف فرمائیں گے (نقش حیات صفحہ ۱۴۴ ج ۲)

حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ کی تحریر بالا میں اساتذہ ملازمین اور عام طلبہ کے متعلق تحریر ہے کہ ان کو بعید کردیا تھا لیکن مہتمم صاحب اور نائب مہتمم صاحب دار العلوم کے متعلق کچھ نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بعد اس علمی مسئلہ میں اختلاف کی سبب ہوا یہ صورت نہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک سے مخالفت یا برطانیہ سے حمایت کے سبب سے یہ بعد پیدا ہوا۔

ے ۱ مگر مولانا سندھی رحمۃ اللہ کا خود اپنا بیان یہ ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا ملاحظہ فرمایئے کابل میں سات سال صفحہ ۲۱ یعنی اگر مصلحت تحریک دہلی منتقل ہونا ضروری نہ ہوتا تو مولانا سندھی اس اختلاف سے اتنے متاثر نہیں تھے کہ دیوبند چھوڑ دیتے۔

مولانا غلام رسول صاحب مہر بہترین سیاسی مبصر بھی ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

ایسے حضرات بہت کم نظر آتے تھے جن کے خلوص پر اعتماد کیا جا سکے اور جو پیش نظر مقاصد کے لئے بے تکلف ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ ہوں۔ پھر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے سامنے ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کو حکومت کے عتاب کا ہدف بننے سے حتی الامکان محفوظ رکھیں۔ (سرگذشت مجاہدین ص۵۵۳)

نقش حیات ص۲۴۰ کے حاشیہ کی آخری سطر غلط یا نا گزیر ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

بہر حال اصلی سبب وہ امر ہے جس کی بنا پر مسٹن گورنر یو، پی دیوبند اور دارالعلوم دیوبند میں گیا تھا اور مہتمم صاحب کو شمس العلماء کا خطاب ملا تھا۔

حاشیہ کے یہ الفاظ اگر حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ کے ہیں تو ہمیں پھر بھی یقین نہیں ہے کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مہتمم صاحب اور نائب مہتمم صاحب دل سے انگریز کے حامی ہوگئے تھے۔ ہمارا یقین یہی ہے کہ تقسیم کار کے اصول پر جو فرض حضرت مہتمم صاحب اور نائب مہتمم صاحب کے سپرد ہوا تھا اس کا تقاضہ یہی تھا کہ سفید فام انگریز کو زیادہ سے زیادہ روغن قاز ملیں۔ جبکہ انگریز کی سراسیمگی حد کو پہنچ ہوئی تھی اور معمولی معمولی شبہ پر سخت سزائیں دی جا رہی تھیں۔ دوسری طرف خود حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے مبلغین قبائل یاغستان کو جہاد پر آمادہ کر رہے تھے۔ تو لا محالہ مہتمم صاحب کو نہایت نرم رویہ اختیار کرنا تھا۔

تقسیم کار کے سلسلہ میں ہمارے سامنے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ کا اسوہ حسنہ رہنا چاہئے۔ آپ نے حضرت سید صاحب اور مولانا شہید کو جہادی خدمات پر مامور فرمایا اور حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ کو تعلیم و تربیت کی خدمت سپرد کی کہ دہلی میں مسند درس کو رونق بخشتے رہیں اور علاقہ سرحد میں سرفروش مجاہدین مصروف جہاد ہوں۔ تو یہ حضرات علوم نبوت کے قندیلوں کو زیادہ سے زیادہ روشن کرتے رہیں۔

حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ کے تلامذہ میں مولانا مفتی صدرالدین رحمۃ اللہ جیسے حضرات بھی تھے جو حکومت وقت کے معتمد تھے۔

بہر حال نہ سیاسی خیالات اور رجحانات میں اختلاف تھا نہ جذبات حریت میں،

اختلاف صرف مصلحت کی بنا پر تھا خود حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ نے بھی اس مصلحت کا لحاظ رکھا۔ چنانچہ کاربردازان حکومت کا احساس یہ ہے کہ مولانا یاغستان اس لئے نہیں تشریف لے گئے کہ دیوبند کا مدرسہ حکام کی نظر میں مشتبہ ہو جاتا۔ (ملاحظہ فرمایئے استغاثہ کا فقرہ ۳۶)

یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی یہ بحرانی دور ختم ہوا مہتمم صاحبان کا رویہ بھی بدل گیا شمس العلماء مولانا حافظ محمد احمد صاحب نے اپنا خطاب واپس کر دیا اور کچھ دنوں بعد سیوہارہ ضلع بجنور میں جمعیۃ علماء اور خلافت کمیٹی کی عظیم الشان کانفرنس ہوئی اس سے چند ماہ بعد دسمبر ۱۹۲۲ء (جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ) میں گیا میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس عام ہوا تو نائب مہتمم علامہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے ان دونوں کی صدارت فرمائی مندرجہ ذیل فقرہ جو آپ کے جذبات کا آئینہ دار ہے دونوں خطبوں میں مشترک تھا۔

"صرف قوم نصاریٰ اور ان میں سے بھی یورپ کے نصاریٰ کا مقابلہ اسلام سے دائمی رہا ہے اور اس لئے یہ کہنا کہ "اسلام کے اصلی اور حقیقی دشمن عیسائی ہیں" بالکل صحیح ہے۔ اسلام کی چودہ صدیوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کو اس عرصہ میں جس قدر لڑائیاں غیر مذہب والوں سے لڑنی پڑی ہیں ان میں زیادہ حصہ مسیحی سلطنتوں کا ہے۔

(خطبہ صدارت اجلاس گیا ص ۱۵)

اس موقعہ پر کس قدر دلچسپ اور معنی آفرین ہے اس شعر کا نقل کر دینا جو حضرت ممدوح اکثر اپنی ان تقریروں میں پڑھا کرتے تھے۔ جو اساتذہ اور طلبہ دارالعلوم کے اجتماعات میں وقتاً فوقتاً ہوا کرتی تھیں۔

تیرے تیر نیم کش کو کوئی میرے دل سے پوچھے
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

※
(انتہائی خفیہ)

جزو اوّل

ریشمی خطوط سازش کیس

رپورٹ

جسمیں

سارا کیس مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے

※ ضروری اطلاع

ترجمہ کی ترتیب اصل کی ترتیب کے بموجب ہے۔ قلم کے جلی اور خفی ہونے میں بھی اصل کا لحاظ رکھا گیا۔

پولیٹیکل اینڈ سیکرٹ ڈیپارٹمنٹ

پی
۴۲۶۰
۱۹۱۶ء

موضوع

افغانستان

ریشمی خطوط کا معاملہ

اگلے فائل کا نمبر سیل ۳/۱۶۳

اس فائل میں یہ کاغذات شامل ہیں

سنہ ۱۹۱۶ء پی ۴۲۶۰، ۴۴۳۴ اور ۴۵۲۲

سنہ ۱۹۱۷ء پی ۲۹۹ ۳۶۸۸

سنہ ۱۹۱۸ء پی ۲۹۹۲ ۵۳۲۷

اگر اس فائل میں سے کوئی کاغذ نکالا جائے تو پولیٹیکل اندراجات کے شعبہ کو مطلع کر دیا جائے۔

مجھے امید ہے کہ فوجی جاسوسی کا شعبہ ان کاغذات کو مفید پائے گا۔
اس وقت ہندوستان میں ترکی و افغانستان کے اثرات سے متعلق ان کاغذات کی بڑی اہمیت ہے
ان کاغذات کی افادیت اس وقت بھی باقی ہے۔

دستخط جے ڈبلیو ہول

1/8/8 ار اگست ۱۹۱۸ء

از طرف وائسرائے فارن ڈیپارٹمنٹ ۱۵ ر ستمبر ۱۹۱۶ء

پی ۳۷۷۵ خفیہ بحوالہ آپ کے ٹیلیگرام مورخہ ۸ ر ماہ جاری افغانستان

محمود حسن مدینہ منورہ کے نام عبیداللہ کا کابل سے تحریر کردہ ایک مکتوب مورخہ ۹ جولائی کو قاصد نے حکام کے حوالہ کر دیا ہے اور اس نے مکمل تفصیل بھی بتا دی ہے مکتوب نویس ایک مشہور ہندوستانی ہے۔ جو بغاوت کے لئے ورغلاتا رہتا ہے۔ وہ گذشتہ سال حجاز گیا تھا۔ اور پھر ہندوستان کے راستہ سے کابل پہنچا تھا۔ جب کہ جرمن مشن کی آمد کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔ جرمن مشن سے اس کا قریبی تعلق ہے۔

مکتوب الیہ دیوبند کے مذہبی مدرسے سے تعلق رکھتا ہے وہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں حجاز چلا گیا تھا جہاں وہ غداروں کے بدنام گروہ کا سرغنہ بنا ہوا ہے۔

قاصد ایک ہندوستانی باشندہ ہے جو لاہوری طلبہ کے ہمراہ کابل گیا تھا اور ۱۹۱۵ء میں ہندوستانیوں کیساتھ شامل ہو گیا تھا۔ جو اسوقت کابل میں ہے خط کا خلاصہ یہ ہے۔

جرمن مشن کا اعزاز کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ لیکن وہ اپنے مشن میں ناکام رہے۔ کیونکہ ترکی نے افغانستان کے لئے فوجی جوانوں، افسروں، اسلحہ اور نقد امداد کا تعین کرنے اور اسے مہیا کرنے نیز افغانستان کے ساتھ میثاق کرنے سے انکار کر دیا ہے ....

- -

لیکن اگر ترکی ان دونوں باتوں پر رضامند ہو جائے اور کافروں کی کامیابی کی صورت میں افغانستان کی سالمیت کے تحفظ کا وعدہ کرے تو افغانستان جہاد میں شریک ہونے کے لئے تیار ہے۔

دریں اثنا امیر نصر اللہ خاں آزاد قبائل میں اپنے اثر و رسوخ سے کام لے رہے ہیں۔
دو جماعتیں بنائی جارہی ہیں۔
(الف) مسلم نجات دہندہ فوج (جنود ربانیہ) جس کا مقصد مسلمان شہنشاہوں کو متحد کرنا ہے۔ مسلم سلاطین، بادشاہ اور امیر اس کے سرپرست ہوں گے۔ اس میں گیارہ فیلڈ مارشل ہوں گے۔ جن میں پانچواں فیلڈ مارشل شریف مکہ ہے۔ نیز بہت سے افسران نچلے درجے کے ہوں گے۔ بہت سے ہندوستانی بھی اس میں شامل ہوں گے۔ جو اپنی باغیانہ حرکات کے لئے بدنام یا مشتبہ ہیں۔
(ب) حکومت موقتہ ہندیہ۔ جو ہندوستان کو آزاد کرائے گی۔ اور فوجی معاہدے و میثاق کرے گی۔ اس کے صدر راجہ مہندر پرتاب۔ وزیر اعظم برکت اللہ اور وزیر امور ہند عبید اللہ ہوں گے۔
اس کی کارروائی کا خلاصہ اس طرح کیا گیا ہے۔
(۱) یہ جماعت امیر کو ہندوستان کا مستقل فرمانروا تسلیم کرے گی۔ بشرطیکہ افغانستان جنگ میں شامل ہو جائے۔ یہ بات امیر کے سامنے رکھی گئی تھی۔ لیکن پھر اس خیال کو ترک کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ اس وقت تک جہاد میں شامل ہونے پر آمادہ نہ تھا۔
(۲) روس کو سفارت بھیجی گئی۔ جس کے نتائج افغانستان کے لئے مفید ہوتے۔ روسی نمائندہ کابل آنے والا ہے۔
(۳) قسطنطنیہ اور برلن کو براہ ایران سفارت روانہ کی جارہی ہے
(۴) جاپان اور چین کو سفارت روانہ ہونے والی ہے۔
(۵) ہندوستان کو سفارت بھیجی گئی تھی لیکن کچھ کامیاب نہیں ہوئی۔
(۶) دوسری سفارت اب برلن اور ہندوستان کو روانہ کی جارہی ہے (خط کا خلاصہ ختم)
اس خط میں جو اطلاعات دی گئی ہیں ان کی تشریح اور وضاحت قاصد کے بیان سے ہوتی ہے۔ اور ان کی تصدیق روسی ترکستان اور جاپان کو سفارتیں بھیجنے سے ہوتی ہے۔ اس کی مزید تصدیق دوسری اطلاعات سے ہوتی ہے۔ اور دوسرے واقعات کے تمام

اس کا سلسلہ مل جاتا ہے۔ جو ہمارے علم میں ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کابل میں سازش تیار ہے۔ جس کی جڑیں ہندوستان اور حجاز تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس سازش کی تفصیلات اگرچہ مضحکہ خیز نظر آتی ہیں لیکن اگر روک تھام نہ کی گئی تو خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

خطوط سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ نصراللہ پورے طور پر ہمارے خلاف ہے اور امیر خود پس منظر میں ہے۔ اگرچہ وہ سازشیوں کے مقاصد اور ان کی حرکات سے پوری طرح باخبر اور متفق ہے۔ اور ہر ایسی بات سے صرف نظر کرنے کو تیار ہے جو روس اور انگلستان میں غلط فہمی پیدا کرے۔ جن کا اتحاد افغانستان کو بے اثر بنا دیتا ہے اس لئے اس موقعہ پر اس کو کچھ لکھنا بے فائدہ اور غیر دانشمندانہ ہے۔ ہم ہندوستان میں ایک ہی وقت میں پنجاب دلی سندھ اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں چھاپے مارنے اور ان چند اشخاص کو گرفتار کرنے کے انتظامات کر رہے ہیں جو اس میں واضح طور پر ملوث ہیں۔ مکمل تفصیلات اور کاغذات اگلی ڈاک سے روانہ کئے جائیں گے۔

ہمیں اب معلوم ہو گیا ہے کہ رسوائے زمانہ ڈاکٹر متھرا داس اس سفارت میں شامل تھا جو روسی ترکستان کو گئی تھی۔ اس نے شمشیر سنگھ کے نام سے سفر کیا تھا۔ غالباً یہ وہی شمشیر سنگھ ہے جس کا تذکرہ آپ نے اپنے محولہ بالا ٹیلیگرام میں کیا ہے۔ عبدالقادر خاں اُن لاہوری طلبا میں شامل ہے جن کا اوپر تذکرہ ہوا۔ وہ لاہور یونیورسٹی کا گریجویٹ ہے۔

تیسرا نام مشتبہ ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ ان اشخاص کی حوالگی کے لئے حکومت روس سے سختی کے ساتھ اصرار کیا جائیگا

اہم

از وائسرائے فارن ڈیپارٹمنٹ ۱۶ ستمبر ۱۹۱۶ء۔

(پی نمبر ۳۸۲) خفیہ افغانستان۔

برطانوی ایجنٹ نے مطلع کیا ہے۔ کہ ۷ ستمبر کی سہ پہر کو امیر سے ملاقات کے لئے اُسے اچانک طلب کیا گیا۔ امیر نے اس سے بند کمرے میں ملاقات کی جہاں کوئی تیسرا شخص

موجود نہ تھا۔ امیر نے جرمن مشن کے اغراض و مقاصد پر ناپسندیدگی ظاہر کی۔ اور بتایا کہ وہ بری طرح مایوس ہو کر کابل سے چلے گئے ہیں اور اب تک سرحد پار کر چکے ہوں گے۔ پھر اُس نے کاظم بیگ، برکت اللہ اور مہندر پرتاب تینوں کا نام لیا۔ اور کہا کہ وہ کابل ہی میں رہ گئے ہیں۔ اس وجہ سے اس کو پریشانی ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں سے کس طرح نجات حاصل کی جائے۔ کیونکہ یہ لوگ ایک لحاظ سے مہمان ہیں۔ اس کے بعد اُس نے مطمئن لہجہ میں کہا کہ ان لوگوں نے عنقریب چلے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے

پھر اس نے پوری سنجیدگی کیساتھ حلفیہ کہا کہ "اُس کے اس پختہ ارادہ میں نہ تو کوئی تبدیلی ہوئی ہے۔ اور نہ کوئی تبدیلی ہوگی کہ وہ انگلستان کے ساتھ غیر جانب داری اور دوستی کے قول و قرار کا پابند رہے"

اس جملہ سے انٹرویو کے اصل مقصد کی وضاحت ہوگئی۔ اُس نے کہا کہ اسے پشاور سے اطلاع ملی ہے کہ سرکاری حلقوں میں افواہ ہے کہ خیرالدین اور احمد نامی دو ترک اس وقت تیراہ میں بے چینی پھیلا رہے ہیں۔ یہ لوگ خود کو ترکی کا نمائندہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان کو کابل سے روانہ کیا گیا ہے۔ اُس نے بتایا کہ اول الذکر فوجی کالج کا سابق استاد ہے جسے سال گذشتہ اس بنا پر برطرف کر دیا گیا تھا۔ کہ اس نے لڑکوں کو سیاست میں اُلجھانے کی کوشش کی تھی۔

جبکہ آخر الذکر شاہی مطبخ کا نان بائی ہے۔ جس کو نا اہلی کی بنا پر علحیدہ کر دیا گیا تھا۔ یہ دونوں خفیہ طور سے تیراہ پہنچے ہیں اور ترک نمائندہ نہیں۔

امیر نے نہ تو ان کو کوئی اختیار دیا ہے۔ نہ کوئی اشارہ دیا ہے۔ اس نے یقین دلایا کہ ان لوگوں کی تمام حرکتوں کی اطلاع اسے پشاور کی خبروں سے ملی ہیں۔

اس کے بعد امیر نے یہ کہہ کر گفتگو ختم کر دی کہ اُس نے جو باتیں کہی ہیں۔ برطانوی ایجنٹ ان سے اپنی حکومت کو مطلع کر سکتا ہے۔ تاکہ اگر کوئی بدگمانی ہے۔ تو وہ دور ہو جائے۔ اس نازک زمانہ میں ہر شخص کو اپنے وقار اور پوزیشن کا خود ہی خیال رکھنا چاہیئے۔

محکمہ خفیہ | رجسٹر نمبر ۴۲۶۰ | قرطاس کارروائی

ہندوستان سے موصولہ خفیہ خط نمبر ۳۷ ایم — مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۱۶ء، موصولہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۶ء

	تاریخ	دستخط	موضوع
انڈر سیکریٹری	۲۷ 10/16	N	افغانستان
سیکریٹری آف اسٹیٹ	۳ 11/16	W	مولوی عبید اللہ اور دوسرے ہندوستانی ایلچیوں کی سازش

نقول برائے: جے آئی پی، ڈی ایم آئی، میجر ویلنگر — ۴ 12/16

برائے اطلاع

عبید اللہ کی سازش حکومت ہند کے برقیہ مورخہ ۱۶ ستمبر میں اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور اُس کے اپنے بیان کے مطابق اُن کاغذات میں درج ہے۔ جن پر لے در A کا نشان ہے۔

اِس پنجابی شخص کو جو دار العلوم دیوبند میں استاد تھا۔ نوجوان ترک عبید اللہ آفندی نہ سمجھنا چاہیئے۔ جسے ایران میں گرفتار کر لیا گیا تھا لیکن وہ کرمان اور بندر عباس کے درمیان فرار

ہوگیا تھا)

اگر کابل کے سرکاری حلقوں میں اس قسم کے خیالات ہوتے تو یہ قابل فہم ہے کہ عربوں کی بغاوت پر وہاں بڑا شور وغل اور ہنگامہ ہوتا۔ شریف مکہ کو جنود ربانیہ (نجات دہندہ مسلم فوج) میں فیلڈ مارشل بنایا جانا تھا۔

لیکن یہ بات نوٹ کر لینی چاہیئے کہ عبدالحق کے بیان کے مطابق (کاغذ سی ص ۵) لاہور میں شریف مکہ کے بارے میں فروری ۱۹۱۵ء میں بھی اچھی رائے نہ تھی۔ یہ بیان بغاوت کے بعد دیا گیا ہے۔ غالباً تاریخ یاد رکھنے میں کوئی غلطی ہوگئی ہے۔

یہ اسکیم اینگلو سیکسن نسل کے لوگوں (انگریزوں) کو انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہوگی۔ لیکن مسلمان اور خصوصاً ہندوستانی مسلمان انتہائی احمقانہ باتوں کا بھی یقین کر سکتا ہے۔ تاہم اس بات کا خطرہ بلاشبہ ہے۔ جیسا کہ سر سی کلیولینڈ نے اپنے نہایت دلچسپ نوٹ کے صفحہ ۱۲-۱۳ پر ریمارک کیا ہے (کاغذ بی ۵)

اس وقت جو باتیں چند افراد تک محدود ہیں۔ جلد یا بدیر بڑے گروہوں اور قوموں میں نفوذ کر سکتی ہیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ سب سے پہلے برکت اللہ اور مہندر پرتاب کو یہ خیال آیا ہو نہ کہ عبیداللہ کو (اِلّا یہ کہ ان کے درمیان پہلے سے خط و کتابت جاری ہو) اور اس کا کچھ تعلق ان اہم انکشافات سے ہو جو مہندر نے جرمن چانسلر کے کہنے پر حق الخدمت لیکر امیر کے روبرو افغانستان و جرمن سلطنت آسٹریا ہنگری اور ترکی کے آئندہ تعلقات کے بارے میں کہے تھے۔ ان میں اگرچہ ایران کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے لیکن وہ اس زنجیر کی ایک ضروری کڑی ہے۔

یہ بات واضح نہیں کہ عبیداللہ جرمنوں کے آنے سے پہلے کابل پہنچا تھا یا ان کے آنے کے بعد یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ملتان کے کمشنر نے عبیداللہ کے خطوط دیکھکر انہیں "طفلانہ حماقت" قرار دیا تھا۔ اُمید ہے کہ اس واقعہ سے اِن خیالات کے بارے میں آگہی حاصل ہوگی۔ جو عام طور پر اس وقت لوگوں کے ذہنوں میں پرورش پا رہے ہیں بہرحال اس واقعہ سے حکومتِ ہند کا یہ خیال تو دور ہو ہی جائیگا کہ سنسر کے ذریعہ ترک جرمن پروپیگنڈہ

گویا بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہے۔

(ٹیلیگرام بنام ایس آف ایس مورخہ ۶ جولائی)

ڈاکٹر انصاری جن کا اس خط میں تذکرہ ہے (آر۔ پی۔ بی۔ ۲۲۔ ۷) گذشتہ جنگ بلقان میں ہلال احمر تحریک کے وقت سے ہندوستان میں انجمن اتحاد و ترقی کے حامی اور ایجنٹ ہیں۔ لیکن فی الوقت حکام ان کے خلاف ایکشن لینا مناسب نہیں سمجھتے (بی۔ پی۔ ۱۴)

عبید اللہ نے عہدداروں کی جو فہرست دی ہے اس سے معلومات میں بڑا اضافہ ہوا ہے (صـ۳۱ـ۹ ۔ ۱۰)
اس میں ان لوگوں کے نام ملتے ہیں جیسے مصر کا بدنام قوم پرست شیخ شاویش کئی قبائلی ملا جیسے حاجی صاحب ترنگ زئی (پشاور) بابڑ ملا اور اسکے ساتھی، جان محمد صاحب جو سنڈا کی ملا آف کوہستان۔ ان سب نے لڑائی کے دوران سرحدی جنگ میں حصہ لیا ہے۔
اور مولانا عبد الباری لکھنؤ صدر انجمن خدام کعبہ نیز ایسے شہری و صحافی جیسے ڈاکٹر انصاری مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور ظفر علی خاں۔ (آخر الذکر تینوں نظر بند ہیں)

عبد الحق کے بیان کے دلچسپ حصوں پر نشان کر دیا گیا ہے۔ بیان کا صفحہ ۵ آغاز جنگ سے میں مسلم نوجوانوں کی آرزوؤں اور امنگوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ (اس بات کو خاص طور نوٹ کریں کہ ان کی زبردست خواہش یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح ترکی پہنچ جائیں) صـ۱۲ـ۱۴ پر مجاہدین کے بارہ میں ایسی مکمل تفصیل ملتی ہے جو اب تک ہمیں حاصل نہ ہوئی تھی ہم ان کو کٹر متعصب مذہبی ہندوستانی کہتے ہیں مثلاً یوسف زئی قبائل کے علاقہ میں ہندوستانی مہاجرین کی بستی کا حال معلوم ہوتا ہے جو ۱۸۲۴ء سے وہاں قایم ہے۔ جب بھی سرحدی علاقہ میں کوئی گڑبڑ ہوتی ہے یہ بستی اہمیت حاصل کر لیتی ہے۔ لیکن ابھی تک ہمیں کوئی شدید نقصان نہیں پہنچا سکی ہے۔

صـ۱۶ـ۲۰ ہندوستانی طلبہ کے ۱۵ مئی کو کابل پہنچنے پر ان کے ساتھ انتہائی سرد مہری کا سلوک کیا گیا۔ ۱۵ دسمبر کو جرمن وفد کے آنے تک یہ صورت حال رہی۔

صـ۲۲ـ۲۳ دعویٰ کیا گیا ہے کہ روس کو جو پہلا مشن بھیجا گیا تھا وہ کامیاب رہا۔ اور اس سوال کا جواب ہمارے مخبر حق "میں لایا کہ اگر افغانستان نے ہندوستان پر حملہ کیا تو

کیا روسی افغانستان پر حملہ کر دیں گے۔ حال ہی میں ایران میں دو طلبا کو روسیوں نے گرفتار کیا تھا۔ تب بھی انہوں نے ایسا ہی بیان دیا تھا۔ لیکن روسیوں نے اس کی سرکاری طور پر تردید کر دی تھی۔

ص۲۳ عبد الباری اور شجاع اللہ پر مشتمل مشن جو ۱۶ جون کو قسطنطنیہ اور کابل گیا تھا۔ شجاع اللہ نے یونس کے فرضی نام سے سفر کیا تھا۔ (دیکھئے ص۸) اس کو روسیوں نے محمد حسین کے ہمراہ ایران میں گرفتار کر لیا تھا۔ شاید اس کا نام محمد حسن تھا دیکھئے ص۸)

ص۲۳-۲۴ مہمند علاقہ کی لڑائی میں سکھ فوجیوں پر اثر انداز ہونا۔

ص۲۴ ہندوستان کو خفیہ مشن

ص۲۶ آزاد علاقہ میں پریس قائم کرنے کی اسکیم تاکہ باغیانہ لٹریچر چھاپ چھاپ کر قبائلی علاقہ میں تقسیم کیا جائے۔ شاید یہ کام شروع بھی ہو چکا ہے۔

کیونکہ صوبہ سرحد کی ۹ ستمبر کی ڈائری میں تذکرہ ہے کہ حاجی صاحب ترنگ زئی نے ایک پریس حاصل کر لیا ہے (یہ نام عبد الحق کے بیان میں بار بار آیا ہے)

ص۲۸ جرمن مشن کا قبائلی علاقہ میں دورہ

ص۳۰ بلوچستان میں شورش برپا کرنے کا انتظام ہندوستان میں کیا گیا تھا۔ (بہاول پور کے غلام محمد کو گرفتار کیا جا چکا ہے۔ دیکھئے۔ بی B ص۱۹-۲۰)

سر کلیولینڈ کے نوٹ (بی B) ص۱۶-۲۱ میں بتایا گیا ہے۔ کہ اس سلسلہ میں کیا کارروائی ہونے والی ہے۔

پیش کیا

جے۔ آر۔ ایس
۲۳ر مارچ ۱۹۱۸ء

مسٹر ہورس۔

برائے اطلاع۔ کیا آپ ان یادداشتوں کو میجر ڈبلیو کے پاس بھیجدیں گے۔ بشرطیکہ آپ ایسا کرنا مناسب سمجھتے ہوں

جے۔ آر۔ ایس
۱۴ر جنوری ۱۹۱۸ء

میجر ڈیسنگر (میجر ڈبلیو)
شاید آپ ان کو ملاحظہ فرمانا پسند کریں۔ (چار جلدیں)
جے ڈبلیو۔ ایچ
۱۸/۳/۱۸

مسٹر ہورس۔
بہت بہت شکریہ۔ دستخط برائے والینگر ۱۸/۳/۲۰
برائے پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ۔ جے۔ ڈبلیو۔ ایچ
۱۸/۳/۲۱

P. ۴۲۶۰

ڈرافٹ ٹیلیگرام

سکریٹری آف اسٹیٹ

بنام

وائسرائے فارن ڈیپارٹمنٹ

(رویٹ مدّھ)

(پرائیوسٹ)

گرانٹ بحوالہ خطوط و جوابات جو آپ نے اپنے ہفتہ وار مورخہ ۱۵ ستمبر کے ساتھ دوبارہ عبیداللہ منسلک کئے تھے کیا آپ کلیولینڈ کے نوٹ اور منسلکہ کاغذات کی پانچ زائد نقول بھیج سکتے ہیں (ہرٹزل) بھیجا جائے۔ دستخط

۱۹ اکتوبر ۱۹۱۶ء

روانہ کیا گیا

دستخط۔ ایم۔ ڈی

بتاریخ

۱۹ اکتوبر ۱۹۱۶ء

نقل ٹیلیگرام

منجانب وائسرائے

۴۴۳۴

مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۶ء

۱۹۱۶ء

وصول شدہ در لندن آفس

خفیہ

ہرٹزل!

بحوالہ آپ کے ٹیلیگرام مورخہ ۱۹ ماہ جاری۔ ہم اگلے ہفتہ کے خط کے ساتھ عبیداللہ سے متعلق کاغذات کی زائد نقول جتنی بھی دستیاب ہیں روانہ کر رہے ہیں۔ گرانٹ

موصولہ

۲۴ دسمبر ۱۹۱۶ء

۵۰۴۷
۱۶

موصولہ
۲۵ اکتوبر ۱۹۱۶ء
پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ

سر - اے - ہرٹزل

عبیداللہ سے متعلق کاغذات کی زائد کاپیاں نیز عنوانات ذیل پر یادداشتیں اس ڈاک سے آگئی ہیں۔

(۱) ہندوستان میں مسلمانوں کی صورت حال پر یادداشت۔
(۲) انجمن خدام کعبہ
(۳) وہابی فرقہ اور ہندوستانی متعصب
(۴) وہابی فرقہ کی مہم جوئی۔

دستخط (ڈبلیو - ایس)
۴ر دسمبر ۱۹۱۶ء

ریشمی خطوط پر پہلا نوٹ

یہ خطوط ہمارے ہاتھ کیسے آئے

۱۴ اگست کو ملتان کے خان بہادر رب نواز خاں نے ملتان ڈویژن کے کمشنر کو زرد ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑے دکھائے جن پر خوشخط اردو لکھی تھی۔ انہوں نے بیان کیا کہ یہ ۱۴ اگست سے ان کے پاس تھے لیکن کمشنر کی عدم موجودگی کے باعث پیش نہیں کئے جا سکے

خان بہادر نے بتایا کہ انہیں یہ خطوط عبدالحق سے ملے ہیں جو پہلے ان کے لڑکوں کا اتالیق تھا اور ۱۹۱۵ء میں ان کے ہمراہ کابل گیا تھا عبدالحق نے رب نواز خاں کو یہ خط پیش کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ان خطوط کو پہنچانے کے لئے ہی اسکو کابل سے بھیجا گیا ہے۔ جو حیدر آباد سندھ میں عبدالرحیم کو دئے جانے تھے تاکہ وہ ان خطوط کو مدینہ روانہ کر دے۔ عبدالحق کو عبدالرحیم سے ان خطوط کی رسید لینی تھی اور اس رسید کو واپس کابل لے جانا تھا۔

کمشنر ملتان نے اس خط کے بعض حصے پڑھوا کر سنے اور انہیں بچوں کی سی حماقت قرار دیا۔ تاہم ان خطوط کو پنجاب سی آئی ڈی کے حوالہ کر دیا گیا پنجاب سی آئی ڈی کے مسٹر ٹومکنس نے ان خطوط کا ترجمہ کرایا اور عبدالحق قاصد پر جرح کرائی۔

مجھے ۲۰ اگست کو ان خطوط کے ترجمہ کا مسودہ مل گیا۔ دو دن بعد اس نے اصلی ریشمی خطوط میرے حوالہ کر دیئے۔ اگلے چند دنوں میں عبدالحق نے مکمل تفصیلی بیان دیا۔ جس کے مطبوعہ ترجمہ کے صفحہ ۳۱ پر اسکی زبانی یہ تفصیل دیکھی جا سکتی ہے کہ اسنے یہ خطوط کس طرح حوالہ کئے۔ ممکن ہے کہ جب خان بہادر اس پر جرح کی اسوقت تک شہ خوف زدہ ہو چکا ہو۔ اور اپنے مشن کے خطرات سے اور جہاں گردی سے تھک چکا ہو اور اسنے مزید مہم جوئی سے احتراز کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو لیکن ان سب باتوں کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ خان بہادر نے بہت خوب کام کیا۔ اور مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی ہے کہ پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر جنرل کا بھی یہی خیال ہے چنانچہ اس کو جلد ہی تعریفی سند اور انعام عطا کیا جائے گا۔

ریشمی خطوط کا لکھنے والا

یہ خطوط زرد رنگ کے ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر ہیں ان میں پہلا خط شیخ عبدالرحیم صاحب کے نام ہے ۔ یہ ٹکڑا چھ انچ لمبا اور پانچ انچ چوڑا ہے ۔
دوسرا خط مولانا کے نام ہے یہ دس انچ لمبا اور آٹھ انچ چوڑا ہے۔ تیسرا خط بظاہر پہلے خط ہی کے تسلسل میں ہے ۔ پندرہ انچ لمبا اور دس انچ چوڑا ہے ۔
پہلے اور تیسرے خطوط پر "عبیداللہ" دستخط ہیں۔ عبدالحق نے ہمیں بتایا ہے کہ مولوی عبیداللہ نے اس کو یہ تینوں ریشمی رومال دئے ہیں جن پر اس کی موجودگی میں مولوی عبیداللہ نے خطوط لکھے تھے ۔

. . . .

اس میں شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ عبیداللہ نے خود ہی یہ خط لکھے تھے عبیداللہ نام کے دستخط عبیداللہ کے ان دستخطوں سے پوری مطابقت رکھتے ہیں جو یہاں ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ جہاں تک عبیداللہ کی شخصیت کا تعلق ہے ۔ میں اپنے دفتر کی مرتب کردہ وہابی تحریک کی ممتاز شخصیتوں کی تاریخ مجریہ ۱۹۱۵ء سے یہ اقتباس نقل کر رہا ہوں ۔
مولوی عبیداللہ شاید اس تحریک کی اہم ترین شخصیتوں میں شامل ہے ۔ ایسا ظاہر ہو سکتا ہے کہ وہ شروع میں سکھ تھے ۔ اور سیالکوٹ کے رہنے والے تھے لیکن انھوں نے شروع میں اسلام قبول کر لیا اور سترہ برس کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو گئے۔ جہاں انھوں نے علوم دینیہ کی تکمیل کی ۔ اور استاذ بن گئے ۔ دیوبند کے طلبا ر قدیم کی انجمن قائم کی ۔ انھوں نے سندھ میں بارہ ۱۲ برس گذارے۔ جہاں انھوں نے مسلمانوں میں امتیازی پوزیشن حاصل کر لی ۔ اور پیر جھنڈے والا میں ایک مدرسہ قایم کر دیا۔
اگست ۱۹۱۵ء میں ان کے بارہ میں شبہ ہوا کہ وہ کچھ رسالے لکھ رہے ہیں جن میں جہاد پر اکسایا گیا ہے۔ یہ رسالے ہندوستانی انتہا پسندوں میں پہنچ گئے تھے ۔

جنگ بلقان کے موقع پر غیر ملکی سامان کے بائیکاٹ کی تجویز پیش کی ۱۹۱۲ء میں وہ دلی میں مقیم ہوگئے۔ اور ادارہ نظارۃ المعارف قرآنیہ قائم کیا۔ بظاہر اس ادارہ کی شاخیں سندھ میں ہیں۔ اور اس کا مقصد مسلم نوجوانوں میں مجنونانہ افکار پیدا کرتا ہے۔

عبیداللہ پیر جھنڈے والا کے ہمراہ ۲۷ جون ۱۹۱۵ء کو کراچی پہنچے تھے اور کہا جاتا ہے کہ چند دن بعد لکھنؤ روانہ ہوگئے تھے۔ لکھنؤ میں ان کے بارہ میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ فی الحال وہ مفقود الخبر ہیں۔

مخبر (جی۔بی) نے بیان کیا تھا کہ مجاہدین بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ اس کا نام لیتے ہیں۔

(۱۹۱۵ء کا اختتام) کہا جاتا ہے کہ لاہوری طلبا کی مہم جوئی اور سیف الرحمٰن کے مشن کے پیچھے عبیداللہ تھا۔ جب وہ دلی میں تھے تو مولانا محمد علی کے بہت قریبی ساتھی تھے۔ اس پر اتنا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ عبدالحق کے بیان کے مطابق عبیداللہ نے کابل پہنچتے ہی بڑی عزت و عقیدت کا مقام حاصل کر لیا تھا۔ (فروری ۱۹۱۶ء کے لگ بھگ) پہلی مرتبہ عبدالحق کے سامنے اِن کا یہ کہہ کر تعارف کرایا گیا۔ کہ وہ نہایت ذہین دانشمند لائق قابل اور با اثر و مقتدر شخص ہیں اور برطانیہ کے خلاف سازش کرنے میں مصروف ہیں۔

عبدالحق کے مزید بیانات سے ظاہر ہے کہ سردار نصر اللہ خاں عبیداللہ پر بہت بھروسہ اور اعتماد کرتے تھے۔

ان خطوط کی تحریر بہت اچھی نہایت صاف اور پختہ ہے۔ نہ تو کوئی لفظ کھرچ کر صاف کیا گیا ہے نہ کہیں کچھ مٹایا گیا ہے۔ نہ کسی لفظ کی اصلاح کی گئی ہے۔ صرف و نحو کی صرف ایک نہایت معمولی غلطی پوری تحریر میں نظر آتی ہے۔ خط کی زبان اگرچہ بعض مقامات پر مبہم ہے۔ جیسا کہ بالعموم سازشی تحریروں میں ہوتی ہیں لیکن اچھے تعلیم یافتہ بلکہ عالم شخص کی زبان ہے۔

قاصد جو یہ خطوط لایا۔

عبدالحق نے ہمیں اپنے حالات سنائے ہیں۔ اس کا بیان ۳۸ مطبوعہ صفحات

پر مشتمل ہے۔ وہ بہت اچھا سرکاری گواہ ہے۔ اس کا حافظہ حیرت انگیز ہے۔ اسے نام خوب یاد رہتے ہیں۔ اس کا انداز سامع کو مطمئن کر دیتا ہے۔

جب اس پر افغانستان اور قبائلی علاقہ کے معاملات پر جرح ہو رہی تھی تو میں بھی سن رہا تھا اس سے جو سوالات کئے جاتے تھے ان کا نفی یا اثبات میں جواب دینے میں اسے کوئی ہچکچاہٹ نہ ہوتی تھی میں اس کے بیان کا خلاصہ کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اس کا ایک ایک ٹکڑا نہایت دلچسپ، باموقع اور مناسب ہے۔

ریشمی خطوط کے مضمون

عبدالحق کے بیان کا جائزہ لینے سے ان حالات کا صحیح علم ہو جاتا ہے۔ جن حالات میں یہ خطوط لکھے گئے ہیں۔ عبیداللہ سازش کے سلسلہ میں مغربی ہند کے قبائلی علاقے اور افغانستان میں مسلسل کام کر رہا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ اپنی سازش کی تفصیلات سے ہندوستان اور عرب میں اپنے سازشی ساتھیوں کو باخبر کرے۔ اصل خط حضرت مولانا کے نام ہے۔ یہ خط کسی معتمد آدمی کے ذریعہ مدینہ بھیجا جانا تھا۔ اسے توقع تھی کہ وہاں مکتوب الیہ کا پتہ چل جائیگا۔ لیکن راستہ میں یہ خط ہندوستانی سازشیوں کو بھی دکھانا تھا۔ ان میں سے ایک حیدرآباد سندھ کے شیخ عبدالرحیم صاحب ہیں۔ اس خط کو مدینہ پہنچانا انہی کی ذمہ داری تھی۔ اس لئے شیخ صاحب کو بھی ایک مختصر تشریحی خط لکھا گیا۔ جو حسب ذیل نکات پر مشتمل ہے۔

اوّل یہ خط حضرت مولانا کو مدینہ بھیجنا ہے۔ دوم حضرت مولانا کو زبانی گفتگو میں بھی اور ان کے نام تحریر شدہ خط کے ذریعہ بھی خبردار کر دیتا ہے کہ وہ کابل آنے کی کوشش نہ کریں۔ سوم حضرت مولانا کو سمجھ لینا چاہئے کہ مولوی منصور اس بار حج کے لئے نہ جا سکیں گے چہارم شیخ عبدالرحیم کابل آنے اور مولوی عبیداللہ سے ملاقات کرنے کی کوشش کریں پنجم شیخ رحیم سے کہا گیا تھا کہ اگر وہ ضروری سمجھیں تو اس خط کو مدینہ پہنچانے کے لئے پانی پت کے مولوی احمداللہ سے مدد لے سکتے ہیں۔

نیز اس خط کا جواب یا تو براہ راست کابل بھیجا جائے یا مولوی احمد لاہوری کے ذریعہ روانہ کیا جائے

اوپر جن ناموں کا ذکر آیا ہے بظاہر یہ سب نام ان ہندوستانیوں کے ہیں جو مولوی عبید اللہ کی سازش میں شامل تھے ان کے بارہ میں مزید تفصیلات ریشمی خطوط سے متعلق مطبوعہ انڈکس میں ملے گی ۔

یہاں جس شخص کا خاص طور پر حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ حضرت مولانا ہیں، بلاشبہ یہ محض ایک "خطاب" یا تعظیمی الفاظ ہیں ۔ عبد الحق نے ہمیں بتایا کہ حضرت مولانا یعنی مکتوب الیہ سے مراد دیوبند کے مولانا محمود الحسن ہیں۔

یہ بات حضرت مولانا کے نام خط سے بھی ظاہر ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں کہا گیا ہے کہ سازش کی اسکیم میں حضرت مولانا کو جنرل مقرر کیا گیا ہے ۔ عہدوں کی فہرست میں جنرل کا عہدہ سلطان العلما حضرت محدث دار العلوم دیوبند دام ظلہ ، کو دیا گیا ہے ۔ یہ القاب و آداب دیوبند کے مولانا محمود الحسن کے سوا کسی اور پر منطبق نہیں ہو سکتے ۔

عبد الحق کا بیان سننے سے پہلے ہی اس امر کا ہمیں یقین ہو گیا تھا ۔ دوسرا خط جو حضرت مولانا کے نام ہے ۔ ان واقعات کی تفصیل سے شروع ہوتا ہے جو جدہ سے آنے کے بعد عبید اللہ کو پیش آئے ۔ جس کا سراغ اس کے سفر کراچی (جون ۱۹۱۵ء) کے بعد سے ہم بالکل کھو چکے تھے ۔

اس تفصیل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ عرب گیا تھا اور وہاں سے ہندوستان واپس آیا ۔ جہاں اس نے اپنے دوستوں سے ملاقات کی ۔ انھوں نے اس کو وہ سب باتیں بتائیں جو اس نے اس خط میں تحریر کی ہیں ۔

عبید اللہ کے خط کے اس حصے کی ہر بات تشریح طلب ہے ۔ اس میں جو نام لئے گئے ہیں ان میں بعض نام مشتبہ ہیں حکیم صاحب سے شاید حکیم عبد الرزاق مراد ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب سے ڈاکٹر انصاری مراد ہیں ۔ لیکن یہ عین ممکن ہے کہ یہ القاب دوسرے لوگوں کے لئے استعمال کئے گئے ہوں ۔ مطبوعہ انڈکس میں ہم نے کوشش کی ہے کہ عبید اللہ نے جن اشخاص کا تذکرہ کیا ہے ۔ ان کے بارہ میں زیادہ سے زیادہ معلومات مہیا کرائیں ۔ اگر اس انڈکس کے ساتھ اس خط کو پڑھا جائے تو خط کا مطلب کافی واضح ہو جاتا ہے ۔

ہندوستان کا جائزہ لینے کے بعد عبیداللہ لکھتا ہے کہ اس نے مدینہ کو حسب وعدہ واپسی ممکن نہ پائی اور آگے بڑھا۔ (غالب نامہ دیکھئے انڈیکس) یاغستان کے سرداروں کے پاس لے گیا۔ اس کے بعد اس نے مختصراً یاغستان یعنی قبائلی علاقہ کے حالات بیان کئے ہیں۔ اسکے بعد وہ کابل پہنچا۔ (غالب نامہ فوری کاملا)

اس کے بعد اُس نے افغانستان کے کوائف و واقعات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ جن کی تصدیق عبدالحق کے بیان سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد اُس نے مستقبل کا نقشہ بیان کیا ہے۔ اب وہ جو اسکیمیں بیان کرتا ہے اُن کا ایک حصہ قابل عمل ہے۔ اور ایک حصہ خیالی اور تخیلی ہے۔ لیکن جہاں جہاں اُس نے حقائق اور واقعات کا تذکرہ کیا ہے مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اُس کا بیان بالکل صحیح اور حرف بحرف درست ہے۔

جنود ربانیہ (مسلم نجات دہندہ فوج) کے عہدہ داروں کی جو فہرست اُس نے تیار کی ہے۔ وہ دنیائے اسلام کی تمام ممتاز ترین شخصیتوں پر مشتمل ہے۔ جنھیں اتحاد عالم اسلامی کی ہر بڑی اسکیم میں شامل کرنا لازمی ہے۔

یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ اُس نے شریف مکہ کو بھی فیلڈ مارشل کی حیثیت سے شامل کیا ہے۔ عبیداللہ کے خط کی تاریخ ۸ رمضان اتوار ہے جو ۹ جولائی کے مطابق ہے۔ شریف مکہ کی بغاوت کی خبر ہندوستان میں ۲۳ جون کو پہنچی تھی اور جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے۔ ۹ جولائی کے بعد تک کابل میں اس کا علم نہیں ہو سکا تھا۔

لفٹنٹ جنرل اور اُس سے کم درجہ کے عہدے متعدد اشخاص کو دیئے گئے ہیں جو تقریباً سب کے سب اتحاد اسلامی یا وہابی تحریک کے سلسلہ میں ہمارے نوٹس میں آچکے ہیں۔

عبیداللہ نے اپنے خط کے آخر میں اس کی تفصیل دی ہے جسے وہ حکومت موقتہ ہند قرار دیتا ہے۔ اس طرح اُس نے اس سازش میں راجہ مہندر پرتاب کا حصہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے جس کے بارہ میں اُس کا بیان ہے کہ اُس کا آریہ سماجوں سے خاص رابطہ ہے اور ہندوستانی راجاؤں سے بالواسطہ تعلق ہے۔

اس جگہ بھی حقائق اور واقعات کے بارہ میں جو ہمیں معلوم ہیں مثلاً روس کو سفارت بھیجی گئی

سفارت کے بارہ میں اس کا بیان ، بالکل درست ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں مجموعی طور پر عبید اللہ کے ان خطوط کے متعلق یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس نے واقعات اور منصوبوں کے بیان میں پوری کوشش کی ہے تاکہ مکتوب الیہم اور وہ درمیانی لوگ جو یہ خطوط پڑھیں گے ۔ سب باتوں کو سمجھ سکیں ۔

پنجاب کے ایک ڈویژن کے کمشنر نے ان خطوط کو حماقت سے تعبیر کیا ہے ۔ لیکن ان خطوط میں مندرجہ واقعات کا جب ہم اس محکمہ کے معلوم شدہ حقائق سے اور عبدالحق کے انکشافات سے موازنہ کرتے ہیں تو ان کے معنی بالکل واضح ہو جاتے ہیں جو اس کمشنر کے اخذ کردہ مطالب کو غلط اور باطل بنا دیتے ہیں ۔

ریشمی خطوط اور عبدالحق کے بیان میں ظاہر کردہ واقعات اور منصوبہ جات کا تعارف اور ان پر تبصرہ

سنہ ۱۹۱۲ء کے بعد سے مسلمانوں کے جذبات و احساسات میں حکومت برطانیہ سے نمایاں طور پر دوری اور بُعد پیدا ہو رہا ہے ۔ اس ضمن میں ہم نے جو کچھ کہا ہے میں اسے یہاں دہرانا نہیں چاہتا ۔ میں اس سلسلہ میں صرف اپنی خاص خاص مطبوعات کی طرف اشارہ کرونگا ۔

فروری مارچ سنہ ۱۹۱۲ء میں میں نے حکومت ہند کو مسلمانان ہند کے بارہ میں ایک یادداشت پیش کی تھی جسے مسٹر پیٹرک نے بڑی احتیاط کے ساتھ تیار کیا تھا ۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے متوجہ کیا تھا کہ میری رائے میں اس صورت حال میں تشویش کا عنصر مطلق نہیں ۔ اگرچہ بلاشبہ کہیں کہیں اشتعال اور تناؤ پایا جاتا ہے ۔

میں نے یہ بھی کہا تھا کہ میرے خیال میں مسلمانان ہند کے تمام ہی خواہوں کو بڑی خوشی اور اطمینان ہوگا ۔ اگر کسی دن صبح اخبار کھولتے ہی اچانک ان کی نظر اس خبر پڑے کہ برطانیہ

غلطی نے ترکوں کو اٹلی سے جھگڑا نبٹانے کے لئے اپنی خیر سگالانہ خدمات پیش کر دی ہیں۔
مارچ ۱۹۱۴ء میں ہم نے انجمن خدام کعبہ پر ایک نوٹ شائع کیا تھا کہ یہ زیادہ خطرناک اور جارحیت پسند ادارہ اور اتحاد اسلامی کا حامی ہے۔ اگست ۱۹۱۵ء میں ہم نے وہابی فرقہ اور ہندوستانی متعصبوں کے بارے میں ایک یادداشت شائع کی تھی۔ جس سے ہمارا خاص مقصد یہ تھا کہ صوبائی پولس پر اپنا یہ خیال واضح کر دیں کہ ہندوستانی متعصبوں کو جہاد کے مقصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ یادداشت ان الفاظ پر ختم ہوئی تھی۔
"ممکن ہے یہ تنبیہی آواز بے بنیاد ثابت ہو لیکن مسلمانان ہند میں اس وقت تناؤ کی جو کیفیت ہے۔ اس میں بہتر یہ ہوگا کہ متعصب مسلمانوں میں کسی چنگاری کے بھڑک اٹھنے کے امکان کو نظر انداز نہ کیا جائے"
وہابیوں کی حالیہ سرگرمیوں کے بارہ میں گذشتہ جنوری میں ہم نے ایک یادداشت شائع کی تھی۔ اس کے ساتھ میں نے یہ نوٹ لکھا تھا۔
ہند اور بیرون ہند میں اتحاد اسلامی کے حامیوں کے پروپیگنڈہ کے بارے میں ہمیں بہت سی پریشان کن اطلاعات ملی ہیں، اور اس میں ذرا شبہ نہیں۔ کہ ان میں یعنی وہابیوں میں اور مولویوں کے طبقہ میں کافی رابطہ اور باہمی ہمدردی ہے۔ لیکن ہمارے خلاف مسلمانوں میں جو جذبہ اور نفرت ہے۔ اس وقت تک اس کا اظہار صرف متعدد ناپسندیدہ واقعات کی صورت میں ہوا ہے۔ جو بظاہر بیرونی طور پر ایک دوسرے سے متعلق اور ایک بڑی تحریک کا حصہ معلوم نہیں ہوتے۔ اتحاد اسلامی کے جرنلسٹوں نے بہت سے قابل اعتراض مضامین لکھے ہیں۔ مولویوں نے سلطان ترکی اور جہاد کی حمایت و تائید اور تعریف میں بہت کچھ لکھا ہے۔ مذہبی عالموں نے ہندوستان سے ترک وطن کیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اس کو ناپاک ملک سمجھتے ہیں۔ اسکولوں کے لڑکوں کو اکسایا گیا ہے کہ وہ سرحد پار ہمارے متعصب دشمنوں سے مل جائیں۔ ہندوستانی مسلمان جو اب تک سکون کے ساتھ زندگی گذارتے رہے ہیں۔ دفعتہً غدر پارٹی میں شامل ہونے لگے ہیں۔ خفیہ طور پر کافی رقوم جمع کر کے ہمارے خلاف لڑنے والوں کو بھیجی گئی ہیں اور ہماری پسپائیوں پر اظہار مسرت کیا گیا

لیکن دوسری طرف ایسے کئی واقعات ہوئے اور ایسے مظاہرے دیکھنے میں آئے ہیں جن کا مسلمانوں میں ہمہ گیر برطانیہ دشمن جذبہ سے کوئی تعلق نہیں۔ صورت حال کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن اس واقعہ پر ہم خوش ہو سکتے ہیں کہ آغاز جنگ کے بعد سے مسلمانوں نے اس سرزمین میں نہ تو نقص امن کیا ہے۔ اور نہ طاقت اور تشدد سے حکومت کی مخالفت کی ہے۔"

عبیداللہ کے خطوط پڑھنے کے بعد کئی تجربہ کار افسروں نے مجھ سے کہا کہ ان تفصیلی معلومات کے بغیر جو میری دسترس میں تھیں وہ ان خطوط کو مطلق نہیں سمجھ سکتے تھے جب میں نے ان پر باتوں کی وضاحت کر دی تو خطوں کا مضمون روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا۔

وہابی تحریک، ہندوستانی متعصب لوگوں، روسی ترکستان کو راجہ مہندر پرتاب کے مشن، دیوبندی مولویوں کا ترک وطن وغیرہ معاملات سے جو تجربہ کار افسران بالکل ناواقف تھے انہیں عبیداللہ کے خطوط میں مذکور ناموں اور اشارات وکنایات کو زبانی سمجھانے میں مجھے ایک گھنٹہ سے تین گھنٹہ تک لگے۔

اس لئے مجھے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نوٹ میں بہت سی پیچیدہ اطلاعات کو جمع کردوں۔ عبیداللہ کی سرگرمیاں اس وقت جس منزل پر پہنچ چکی ہیں۔ اور جس منزل پر وہ اپنے ڈرامہ کو آگے بڑھانا چاہتا ہے اس کے پس منظر میں بہت سے مسلمان ہیں جن کے مذہبی اور سیاسی احساسات برطانیہ دشمنی اور اتحاد اسلامی کے ہیں۔ جن کے خیالات جہاد میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کی طاقتیں اور سرگرمیاں تمام عملی سمتوں میں محدود ہیں ہندوستان میں اسکے غیر متحرک اور متحرک ہمدرد اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے کہ اسوقت تک بالکل ابتدائی کام کرتے رہیں جبتک کہ شمالی مغربی سرحد پر یا مشرق قریب میں کوئی بہت طاقتور تحریک شروع ہو جیسا کہ ہے کہ قبائل اندرونی جھگڑوں اور باصلاحیت لیڈروں کے فقدان کی وجہ سے منتشر ہیں۔

افغانستان کا حکمراں بہت محتاط ہے اور اس کی فوج صلاحیت اور مستعدی سے محروم ہے۔ ترک اور جرمن فوجیں بہت دور ہیں اور اپنے فوری مسائل میں الجھی ہوئی ہیں تاہم اس کا ذہن جو ایک متعصب ہندوستانی مولوی کا ذہن ہے۔ اور جس کے نزدیک جنگ ایک مرکب ہے۔ بغاوت افراتفری اور پرانی طرز کی کوہستانی لڑائی کا اس

عظیم صورت حال" سے پنجہ آزما ہونے کی سعی کرتا ہے۔ اس کی کوشش ہے کہ علوم مذہبی کے ہفتاد سالہ بزرگ اور عمر رسیدہ عالم حضرت مولانا کو سیاست دان اور سفیر کے طور پر استعمال کر کے ترکوں اور جرمنوں کو بغاوت کے اپنے منصوبے سے موافقت کے لئے آمادہ کرے نیز دور افتادہ افغانستان کو فوجی افسروں اور سامان جنگ کی تیزی سے فراہمی پر رضامند کرے۔

وہ بوڑھے حاجی ترنگ زئی کو جھنجھوڑتا ہے کہ وہ ایسی دیا سلائی روشن کریں جس سے سارا سرحد شعلہ زار بن جائے۔ اسکول میں پڑھنے والے پرجوش اور متعصب لڑکے جو ایک فاضل فصیح البیان لیکن نہایت ہوشیار پیشوا ابوالکلام آزاد کی لطیف اشتعال انگیزیوں سے مذہبی جنون کی حد کو پہنچ چکے ہیں ان سے وہ اصرار کرتا ہے کہ وہ جہاد کی طرف پہلا قدم اس طرح اٹھائیں کہ ہندوستان کو چھوڑ کر کسی سچے اسلامی ملک میں چلے جائیں اور وہاں ان کو وہ اپنے ادارہ کے فعال کارکنوں کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

وہ کابل میں سردار نصر اللہ کی انگریز دشمنی کے شعلہ کو اور بھڑکاتا ہے اور انھیں غیر جانبداری کی پالیسی اختیار کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ معاہدہ اور ناطرف داری کی واقعی خلاف ورزی ہوتے ہوتے رہ جاتی ہے۔

یہ باتیں اگرچہ بے اثر اور مایوس کن ثابت ہوئیں تاہم تعصب اور نفرت کی ہانڈی کے ابل پڑنے کا خطرہ ہر وقت ہے۔ اب تک صرف افراد کو نہ کہ پوری قوم کو اتنا مشتعل کیا گیا ہے۔ کہ وہ عقل اور احتیاط کی سرحدوں کو پار کر سکیں۔

میں نے ایک اور منسلکہ یادداشت میں سنہ ۱۹۱۵-۱۶ء میں دیوبند اور سہارنپور کے مولویوں کی عرب مشن کے واقعات کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ لاہور اور دوسرے مقامات کے مہاجر طلبا کا افغانستان کو فرار اندکس میں نظام نامہ کے عنوان میں ملیگا اس امر کا امکان ہے لیکن امکان قوی نہیں ہے کہ ایک ایسا وقت آئے۔ جبکہ مبلغان جہاد کی پیہم کوششیں ہندوستان میں بہت سے لوگوں کو اسی طرح متاثر کر دیں اور سرحد پار بھی ایسا ہی اثر پیدا کر دیں۔ جیسا کہ اب افراد پر ہوا ہے۔ اسلئے میں سمجھتا ہوں کہ عبید اللہ کے خطوط سے ہمیں جو اطلاعات ملی ہیں۔ اور عبد الحق کے بیان سے ان میں جو اضافہ ہوا ہے انکی روشنی میں جائز اور ضروری ہو گیا ہے۔ کہ حکومت نامہ و پیام اور ریشہ دوانیوں کے اس سلسلہ کو منقطع کر دے

اور ان سے تعلق رکھنے والے اہم افراد اور شخصیتوں کے خلاف سخت قدم اٹھائے۔ پوری قوم کی بھلائی کے لئے امن کی ضمانت کے لئے اور سلطنت کی حفاظت کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے۔

کیا کارروائی کرنی ہے؟

جب سے یہ ریشمی خطوط گذشتہ ماہ کی ۲۰ تاریخ (۳۰ اگست ۱۹۱۶ء) کو میرے زیر تبیں موصول ہوئے ہیں۔ ہم ان کے پورے معنی اور مطالب اخذ کرنے میں۔ ان کی تشریح کرنے نیز حکومت سند اور مقامی حکام سے ان اقدامات کے بارہ میں صلاح ومشورہ کرنے میں مصروف ہیں جو اس سلسلہ میں کئے جانے والے ہیں۔

یہ فیصلہ ہو گیا ہے اور اس کے انتظامات کئے جا رہے ہیں کہ پشاور پنجاب دلی اور سندھ میں تلاشیاں لی جائیں۔ اور کچھ گرفتاریاں کی جائیں۔ چند خاص معاملات میں اطلاعات اور شہادتیں فوری کارروائی کے لئے کافی سمجھی جا رہی ہیں۔ یو۔ پی اور ملک کے دوسرے حصوں میں کوئی انسدادی کارروائی شروع کرنے سے پہلے مزید تحقیقات ضروری ہے۔

ہماری رائے میں کسی فوری کارروائی کی ضرورت کی وجہ یہ نہیں کہ کوئی بڑا طوفان اچانک پھوٹ پڑنے والا ہے۔ کیونکہ ہماری پہلی اطلاعات سے بھی اور عبیداللہ کے خطوط سے نیز عبدالحق کے بیان سے بھی اس ارادہ کا اشارہ ملتا ہے کہ جب تک موجودہ صورت حال ہمارے متعصب دشمنوں کے حق میں، زیادہ موافق نہ ہو جائے اس وقت تک وہ اپنے اقدام میں تاخیر کریں گے۔ لیکن ہمنے کم سے کم ان چند افراد کو اچھی طرح پہچان لیا ہے جو سازشیں کر رہے ہیں۔ اور اپنی قوم کو کسی جدید یا قدیم میدان جنگ میں پیچیدگیاں پیدا ہونے پر گڑبڑ اور مشکلات پیدا کرنے کے لئے اکسا رہے ہیں۔

ان میں سے کچھ لوگوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے یہ وقت اور یہ موقع بہت مناسب ہے تاکہ انہیں اپنی اسکیموں سے روکا اور دوسروں کو ان سے باز رکھا جا سکے

جن لوگوں کے خلاف کارروائی کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اُن میں سے کوئی بھی عوام کی نظروں میں بڑا آدمی نہیں ہے۔ ان کے خلاف ہماری کارروائی سے کوئی اشتعال یا بڑے پیمانہ پر کوئی بے چینی پھیلنے کا اندیشہ نہیں۔ اگر بڑے پیمانہ پر کوئی بے چینی پھیلی تو اس سے ظاہر ہو جائے گا کہ ہندوستان میں جہاد کا جذبہ اور تحریک اُس سے زیادہ پھیل چکی ہے جس کا کہ ہمیں ابتک علم ہے۔

لیکن صرف ایک فرد ایسا ہے جو میری رائے میں اتحاد اسلامی کی اسکیموں اور تمام متعصبانہ منصوبوں کا فی الواقع نہایت اہم اور قوی محرک ہے۔ میرا اشارہ دلی کے ڈاکٹر انصاری کی طرف ہے۔ اِن کے بارہ میں یوپی کے حکام ہوم ڈیپارٹمنٹ اور میں نے باہم مشورہ کیا ہے اور ہم نے طے کیا ہے کہ فی الحال ہم اس کے خلاف اقدام نہیں کریں گے۔ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ اور ان معاملات میں بہت اچھی طرح ملوث ہے۔ جو اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ ممکن ہے کہ نسبتاً کم اہم آدمیوں کے خلاف ہماری کارروائی سے ڈاکٹر انصاری کے خلاف زبردست شہادتیں روشنی میں آسکیں۔

مزید یادداشت بتاریخ ۱۴ ستمبر ۱۹۱۶ء

جن معاملات میں فوری کارروائی کرنی ہے۔ ان کے بارہ میں کچھ ضروری تفصیلات مفید ہوں گی بمبئی[۵۱]۔ بدقسمتی سے یہ ممکن نہ ہوسکا کہ حکومت بمبئی کو ذاتی طور پر عبید اللہ کے خطوط اور عبدالحق کے بیان کے انکشافات کی وسعت اور پھیلاؤ کے بارے میں وضاحت کی جاسکے۔ تاہم خطوط اور بیان کے ترجمے اولین موقعہ پر بمبئی کو بھیجدئے گئے۔

پنجاب سی۔ آئی۔ ڈی پولیس کے ایک افسر کی زبانی جس نے عبدالحق کا بیان اُردو میں درج کیا تھا۔ میں نے اپنے دفتر میں ۱۹ ستمبر کی کانفرنس میں پہلی مرتبہ اس کو سنا تھا۔ اس کانفرنس میں یو، پی اور پنجاب کے نمائندے بھی شریک تھے۔ ہم سب اس بات پر متفق تھے کہ دوسرے مقامات کے ساتھ سندھ میں بھی کچھ گرفتاریاں عمل میں آنی چاہئیں۔

۵۱ اس زمانہ میں سندھ صوبہ بمبئی میں شامل تھا۔ (محمد میاں)

کانفرنس کے بعد میں نے ہوم ڈیپارٹمنٹ کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ عبیداللہ کے خطوط سے
ں صورت حال کا پتہ چلا تھا عبدالحق کے بیان سے اس پر کیا اثرات ہوئے ہیں۔ چنانچہ
طے ہو گیا کہ میں حکومت بمبئی کو ایک ٹیلیگرام دیکر صورت حال کی تا حد امکان وضاحت
دوں۔ جس میں بعض خاص خاص اشخاص کی گرفتاری کے احکام جاری کرنے کی درخوا
روں۔

میں نے جو ٹیلیگرام دیا۔ اسکی عبارت یہ ہے۔

"بحوالہ عبیداللہ کے خطوط کا معاملہ"

ہم نے ان خطوط کا بڑی دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ اور عبدالحق کا تفصیلی
یان بھی حاصل کر لیا ہے۔ جو ان خطوط کو کابل سے لایا تھا۔

پنجاب کے لفٹننٹ گورنر، یو۔ پی کے چیف سکریٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس کو نیز ہوم
ر فارن ڈیپارٹمنٹوں اور سر جارج روس کیمپل کو سارے معاملہ کی زبانی وضاحت کر دی
ئی ہے۔

متفقہ رائے ہے کہ یہ اسکیم بڑی خطرناک اور نہایت اہم ہے۔ نیز یہ کہ عام صورت
ال اور انکشافات کا تقاضہ ہے کہ حکومت کوئی قدم اٹھائے تا کہ افغانستان عرب
ر ہندوستان میں سازشیوں کے درمیان خط و کتابت سازشوں اور روپے کے
ین دین کا سلسلہ بند ہو جائے۔

آئندہ جمعرات کو پنجاب، دلی اور پشاور میں گرفتاریاں عمل میں لائی جائیں گی۔
یری خواہش تھی کہ حکومت بمبئی کو یہ انتہائی پیچیدہ کیس ذاتی طور پر سمجھانے کے لئے کسی
شیار افسر کو روانہ کروں۔ کیونکہ میں اس بات کو پوری طرح سمجھتا ہوں کہ حکومت کے لئے
وری ہے کہ اس کے احکام کے تحت جو گرفتاریاں، تلاشیاں اور نظر بندیاں کی جاتی
یں ان کی موزونیت، مناسبت اور جواز کے بارہ میں وہ اچھی طرح مطمئن ہو جائے۔
یکن بدقسمتی سے میرے ماتحت افسر کے لئے اس مختصر وقت میں پونہ اور سندھ دونوں
بگہ پہنچنا ممکن نہیں۔

میرے خیال میں لازم یہ ہے کہ میرا ماتحت افسر سندھ جائے تاکہ مقامی پولیس پر معاملہ کی وضاحت کر سکے اور اسے پنجاب میں ہونے والی کارروائیوں سے باخبر رکھ سکے اس لئے میں آپ کی اجازت سے ولی یاں کو کراچی بھیج رہا ہوں تاکہ وہ مقامی حکام کو سارا معاملہ سمجھا سکے۔ وہ یہاں سے پیر کو روانہ ہوگا اور بدھ کی صبح کو کراچی پہنچ جائیگا۔

میری درخواست ہے کہ ڈیفنس ایکٹ کے رول ۲۶ و ۱۲ الف کے تحت مندرجہ ذیل اشخاص کی (جو واضح طور پر عبیداللہ کی اسکیموں میں ملوث ہیں) ان کی گرفتاریوں کے احکام کراچی کے مقامی حکام کو بذریعہ تار بھیج دیئے جائیں۔

اول شیخ عبدالرحیم آف حیدرآباد (سندھ) عبیداللہ کا پہلا خط اسی شخص کے نام تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ سندھ پولیس اس شخص سے واقف ہے اس کے بتہ کی مزید تفصیل ولی یان مہیا کردے گا۔

دوم حکیم عبدالقیوم آف حیدرآباد۔ عبدالحق نے بتایا ہے کہ یہ شخص بہت اہم ہے کیونکہ وہ شیخ عبدالرحیم کا اور مندرجہ ذیل اشخاص کا نہایت قریبی ساتھی ہے۔ یقیناً عبدالقیوم سے بہت قیمتی معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔ غالباً سندھ پولیس اس سے ناواقف ہے۔ ولی یان اس کے بارے میں مزید تفصیلات مہیا کردے گا۔

سوم عبداللہ آف حیدرآباد۔ یہ شخص عبیداللہ کا خادم ہے تین ماہ گذرے یہ شخص کابل سے اہم کاغذات ایکر شیخ عبدالرحیم کے پاس بھیجا گیا تھا عبداللہ حیدرآباد یا پنجاب میں ہوگا لیکن وہ جہاں بھی ملے اسے گرفتار کرلینا چاہئے۔

چہارم فتح محمد آف حیدرآباد۔ یہ شخص کابل سے عبداللہ کے ہمراہ مذکورہ مقصد کے لئے آیا تھا۔

پنجم محمد میاں منصور آف سندھ۔ اسے آخری مرتبہ کابل میں دیکھا گیا تھا یہ عبیداللہ کا گہرا دوست ہے۔ اب سندھ میں ہوگا۔ عبیداللہ نے شیخ عبدالرحیم کے نام خط میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ولی یان اس کے بارے میں مزید تفصیلات دے گا۔

ان احکام کی اس وقت تک تعمیل نہ کی جائے جب تک ولی یان نہ پہنچ جائے

اور ضروری ہے کہ ان معاملات میں انتہائی راز داری سے کام لیا جائے۔ تاکہ متاثرہ اشخاص یا حکومت کے خلاف تیاریاں کرنے والے لوگ روپوش نہ ہوسکیں۔ کارروائی کی تکمیل کے بعد و بویاں پورا پہنچ کر تمام معاملے کی ذاتی طور پر وضاحت کرے گا۔ میں نے ہل کو سارا معاملہ سمجھا دیا ہے اور یہ ٹیلیگرام بھی دکھا دیا ہے۔ وہ اس سے متفق ہے۔

(ٹیلیگرام کا اختتام)

مذکورہ بالا ناموں کے سلسلہ میں اتنا اور کہوں گا کہ حکیم عبدالقیوم کا نام عبدالحق کے مطبوعہ بیان میں شامل نہیں ہے۔ عبدالحق کے دوسرے بیان سے اس کا بہت زیادہ ملوث ہوتا ثابت ہوتا ہے۔ جس پر ہمارے شبہ کرنے کی بادی النظر میں کوئی وجہ نہیں مذکورہ بالا ٹیلیگرام میں تیسرے اور چوتھے نمبر کے جن اشخاص کی گرفتاری کی درخواست کی گئی ہے۔ ممکن ہے وہ سندھ میں نہ ملیں کیونکہ پنجاب کی ریاست بھاولپور کے مقام دین پور میں ان کو آخری مرتبہ دیکھا گیا تھا۔ حکومت پنجاب نے ان کی گرفتاری کا فیصلہ کیا ہے۔

لیکن حکومت بمبئی کو اس سلسلہ میں اس لئے مطلع کیا جارہا ہے کہ شاید یہ لوگ سندھ میں ہوں۔ ممکن ہے کہ پانچویں نمبر کا شخص کبھی سندھ میں نہ ملے۔ کیونکہ ہماری آخری اطلاع میں اس کی کابل میں موجودگی دکھائی گئی تھی۔

مجھے آج کراچی سے اپنے اسسٹنٹ کا ایک تار ملا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مقامی حکام عبدالقیوم سے بخوبی واقف ہیں ان کا خیال ہے کہ وہ شیخ عبدالرحیم کو بھی جانتے ہیں ہمیں اسی کی تلاش ہے ان کا بیان ہے کہ یہ زمیندار ہے۔ ہندو سے مسلمان ہوا ہے۔ اور عبیداللہ سے ملتا رہا ہے۔ سندھ میں گرفتاریاں کل تک ملتوی کردی گئی ہیں

پنجاب۔ عبیداللہ کے خطوط اور عبدالحق کے بیان سے جو باتیں معلوم ہوئیں ان سے ان اطلاعات کی تصدیق ہوئی اور ان میں اضافہ ہوا۔ جو متعصب مذہبی جنونی مسلمانوں کی اسکیموں کے بارے میں ہمیں پہلے سے ملی تھیں اور جن سے پنجاب کے حکام کو کچھ پریشانی لاحق تھی ان نئی اطلاعات کو پوری طرح سمجھ لینے کے بعد افسران متعلقہ کے لئے سارا کیس

بالکل آسان ہو گیا۔

چنانچہ پنجاب سی آئی ڈی نے مقامی حکومت کو مشورہ دیا کہ مندرجہ ذیل اشخاص کے خلاف کارروائی کی جائے۔ اور اس نے ڈیفنس ایکٹ رولز کی دفعہ ۷ اور دفعہ ۱۲ الف کے تحت تلاشیوں اور گرفتاریوں کے احکام جاری کر دئے نام یہ ہیں۔

(۱) میر غلام محمد آف دین پور۔ ریاست بھاولپور۔ عبدالحق عہ کے بیان کے صفحات ص ۲۹-۳۰ سے اس کا سازش سے تعلق صاف معلوم ہوتا ہے۔

(۲) عبدالقادر جو ۱ کا داماد ہے۔ عبدالحق کے بیان ص ۳۰ پر اس کا تذکرہ ہے عبیداللہ کے منصوبہ میں اسے لفٹنٹ کرنل کا درجہ دیا گیا ہے۔

(۳) عبداللہ۔ عبدالحق کے بیان کے ص ۲۴-۳۰ پر اس کا تذکرہ ہے۔ عبیداللہ کے منصوبہ میں اسے کرنل کا درجہ دیا گیا ہے۔

(۴) فتح محمد۔ عبدالحق کے بیان کے ص ۲۴-۳۰ پر اس کا ذکر ہے۔ عبیداللہ کی اسکیم میں اسے کرنل کا درجہ دیا گیا ہے۔

اس فہرست میں ۳ و ۴ پر جن لوگوں کا نام ہے بمبئی میں مجوزہ گرفتاریوں کی فہرست میں بھی ان کو شامل کیا گیا ہے۔

(۵) محمد علی۔ عبدالحق نے اسے عبیداللہ کا بھتیجہ بتایا ہے۔ یہ شخص کابل سے ہندوستان تک اس کے ہمراہ تھا۔ بیان کا ص ۲۹ دیکھئے۔ یہ شخص پنجاب یا دہلی میں ملیگا۔

(۶) احمد علی۔ یہ شخص ۵ کا بھائی ہے اور آجکل دلی میں عبیداللہ کے قائم کردہ جنوبی اسکول کا پرنسپل ہے۔ عبیداللہ کی اسکیم میں اسے کرنل ظاہر کیا گیا ہے۔

(۷) مولوی احمد لاہوری۔ شیخ عبدالرحیم کے نام عبیداللہ کے خط میں اس کا تذکرہ ہے عبیداللہ کے منصوبہ میں اسے کرنل بتایا گیا ہے۔

(۸) عبدالحق۔ عبدالحق کے بیان ص ۳۱ پر اس کا تذکرہ ہے۔ عبیداللہ کی اسکیم میں اسے کرنل بتایا گیا ہے۔ پنجاب پولیس اسے بخوبی جانتی ہے۔

عہ یہ بیان مسل میں شامل نہیں ہے۔

(۹) مولوی حمید اللہ آف پانی پت۔ شیخ عبد الرحیم کے نام عبید اللہ کے خط میں اس کا تذکرہ ہے۔ وہ دیو بند کے مدرسہ کا سابق طالب علم ہے۔ جہاں وہ حضرت مولانا مولوی محمود الحسن کا چہیتا شاگرد تھا۔

میں کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے ہر نام کے سامنے دو ایک باتیں بہت مختصر طور پر تحریر کردی ہیں جو ان لوگوں کے خلاف شہادت کے لئے کام دیں گی عبید اللہ کے خطوط کے سلسلہ میں میں نے جو انڈکس تیار کی ہے، اس میں کچھ زیادہ تفصیلات ہیں۔ پنجاب پولیس کی اطلاعات زیادہ تفصیلی ہیں۔

آج میں نے سنا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں کو صبح گرفتار کرلیا گیا ہے۔

پشاور۔ چند دن گذرے جب سر جارج اوس کیمپل یہاں تھے۔ تب انھوں نے میرے ساتھ ان کاغذات کو دیکھا تھا۔ ماہ رواں کی دسویں تاریخ کو انھوں نے پنجاب سی آئی ڈی کے اس افسر سے ملاقات کی تھی جس نے عبد الحق کا بیان لیا تھا۔ اور اس کو تحریر کیا تھا۔ انھوں نے عبد الحق پر خود بھی جرح کی تھی۔ انھوں نے ہماری اس بات سے پورا اتفاق کیا تھا۔ کہ محمد اسلم انگریزی دوا فروش اور سالک خاں کو جو پشاور میں پناہ گزین ہے آج ہی گرفتار کرلیا جائے عبد الحق کے بیان صـ ۲۹ پر ان کا تذکرہ ہے۔

دلی۔ ماہ رواں کی دسویں اور گیارھویں کو کرنل بیڈن، قائم مقام چیف کمشنر نے میرے ساتھ ملکر ان کاغذات کو دیکھا اور میری اس بات سے اتفاق کیا تھا۔ کہ اگر احمد علی اور محمد علی دلی میں مل سکیں، جن کے نام مندرجہ بالا پنجابی فہرست میں دئے گئے ہیں تو ان کو گرفتار کرلیا جائے۔

صوبہ جات متحدہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات بالکل صاف ہے کہ عبید اللہ کی سازش کی ایک اہم شاخ یا اس کی ایک جڑ، یو۔پی میں ہے۔ دیو بند کے مدرسہ اور سہارنپور اور دوسرے مقامات کے کٹر متعصب مذہبی جماعتیں اس سازش میں خوب ملوث ہیں اور عبید اللہ کی فہرست میں یو۔پی کے بہت سے لوگوں کے نام ملتے ہیں۔ یو۔پی کے حکام کی یہ رائے تھی کہ ملوث لوگوں کے مجرم ہونے کا پوری طرح یقین کرنے کے لئے

مزید تفتیش مفید اور ضروری ہے۔ اس لئے فوری گرفتاریوں پر مزید تفتیش کو ترجیح دی گئی۔

میں یاد دلاتا ہوں کہ کئی مہینے ہوئے حکومت یو، پی نے ڈیفنس ایکٹ رولز کے تحت مولوی محمود الحسن (حضرت مولانا) اور مولوی خلیل احمد (جو خلیل الرحمٰن سے بھی موسوم ہیں) کے نام آرڈر جاری کئے تھے۔ کہ اگر وہ عرب سے ہندوستان آئیں تو ان کی تعمیل کی جائے۔ چند دن گذرے آخر الذکر ہندوستان آگیا مجھے ٹیلیگرام ملا ہے کہ اس کو پولیس کی حراست میں نینی تال پہنچا دیا گیا ہے۔ جہاں اس سے پوچھ تاچھ ہو رہی ہے۔

بہار واڑیسہ ۔ عبدالحق نے اپنے بیان کے ص ۳۰ پر ڈاکٹر صدر الدین کو ملوث کیا ہے میں نے تصدیق کر لی ہے کہ چند برس پہلے پٹنہ میں اس نام کا ایک آدمی تھا۔ میں نے اس کے بارہ میں مزید تفتیش کرنے کی ہدایت دیدی ہے۔

عربستان میں دیوبند اور سہارنپور کے مولویوں کے مشن پر سینٹرل انٹیلیجنس کے ڈائرکٹر کی رپورٹ ۱۶-۱۹۱۵ء

یہ اُن اطلاعات کا خلاصہ ہے جو عربستان میں دیوبند اور سہارنپور کے مولویوں کے مشن کے بارہ میں ریشمی خطوط پکڑے جانے سے پہلے اس دفتر کے ریکارڈ میں تھیں
اگست ۱۹۱۵ء کے آخر میں دلی سے اطلاع ملی کہ دیوبند کے مولوی محمود حسن اور سہارنپور کے خلیل احمد عرف خلیل الرحمن حج کے لئے جاتے ہوئے دلی سے گذرے اور ۱۲ اگست کو مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے انہیں ریلوے اسٹیشن پر وداع کیا۔
خلیل الرحمن چند طالب علموں اور مریدوں کے ہمراہ ستمبر کے شروع میں بمبئی پہنچے۔ محمود حسن ستمبر کے آخری ہفتہ میں پھر دلّی میں دیکھے گئے اور ۲ اکتوبر کو روانہ ہو گئے۔ انہیں ڈاکٹر انصاری اپنی موٹر میں اسٹیشن پر چھوڑنے گئے تھے۔ سات مولویوں اور تین مریدوں کے ہمراہ وہ تقریباً وسط ماہ میں بمبئی پہنچے اور انہوں نے بمبئی میں انجمن خدام کعبہ کے دفتر میں قیام کیا۔
بمبئی پولیس نے اطلاع دی کہ اس جماعت کے بعض ممبروں نے بیان کیا کہ وہ عربستان میں متوطن ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہندوستان میں خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ حکومت ہند ان مولویوں کے خلاف سخت قدم اٹھانے والی ہے۔ جنھوں نے دہلی کے مولوی عبدالحق کے وفاداری کے فتوے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا ہے بمبئی کے پولیس کمشنر نے ایس ایس اکبر نامی جہاز کے ذریعہ ان لوگوں کی روانگی کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا تھا کہ۔
"انہیں شبہ ہے ان مولویوں کی روانگی فریضہ حج کی ادائیگی کی خواہش کے سوا کسی اور مقصد کے لئے ہے۔"

محمود حسن اور خلیل الرحمٰن کے بارہ میں یو۔ پی۔ سی آئی ڈی سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان دونوں کو غیر وفادار سمجھا جاتا ہے۔ نیز محمود حسن کو مسلمانوں سے چندہ کی بڑی بڑی رقمیں مل رہی ہیں اور یہ کہ وہ اور ڈاکٹر انصاری حلیف اور سرکار ہیں اور ان کے بارہ میں شبہ ہے کہ سرحد پار کے مخالف اور منحرف لوگوں سے ان کا رابطہ ہے اور اس مشن کے سامنے سیاسی مقاصد ہیں۔

۲۷ ستمبر کو یو۔ پی گورنمنٹ نے ہوم ڈیپارٹمنٹ کو تار دیا کہ مناسب ہوگا کہ اگر ممکن ہو سکے تو عدن میں محمود حسن کو حراست میں لے لیا جائے۔ کیونکہ اطلاع ملی ہے کہ ان کے عرب جانے کا مقصد جہاد کے لئے بھڑکانا ہے۔

ہوم ڈیپارٹمنٹ نے حکومت بمبئی سے رابطہ قائم کیا لیکن معلوم ہوا کہ اکبر جہاز عدن سے آگے جا چکا ہے۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۱۶ء کے زمیندار میں ایک مقالہ شائع ہوا جس میں انجمن خدام کعبہ کے بارہ میں ہندوستانی علماء کا رویہ بتایا گیا تھا۔ اس کے مقالہ نگار نے اس واقعہ پر زور دیا تھا کہ محمود حسن مکہ کو روانگی کے وقت انجمن کے ممبر بن گئے تھے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انجمن کے مقاصد سے دیوبند کے مولویوں نے پوری طرح اتفاق کر لیا ہے۔

اکتوبر میں ہمیں حکومت یو۔ پی کی طرف سے ایک رپورٹ ملی۔ یہ رپورٹ اور بعد میں ایسی مزید رپورٹیں ایک ایسے شخص کی دی ہوئی اطلاعات پر مبنی تھیں جو اگرچہ محمود حسن اور ان کے پیروؤں کا معتمد تو نہ تھا۔ لیکن ان کے منصوبوں اور ان کی نقل و حرکت کے بارہ میں کافی واقفیت حاصل کر سکتا تھا۔

پہلی اطلاع یہ تھی کہ عربستان کو روانہ ہونے سے پہلے محمود حسن نے ابوالکلام آزاد سے جو کلکتہ کے "الہلال" کے ایڈیٹر ہیں مشورہ کیا تھا (ابوالکلام آزاد کو ڈیفنس ایکٹ کے تحت کئی صوبوں سے نکالا جا چکا ہے اور آج کل وہ بہار میں مقیم ہیں) اور مراد آباد[1] کے مولوی عبدالرحیم سے صلاح کی تھی

---

[1] مراد آباد بظاہر غلط ہے رائے پور کے بجائے مراد آباد لکھا گیا۔

اول الذکر نے جواب دیا تھا کہ ممکن ہے زیادہ عرصہ گذرنے سے پہلے ترکی و جرمنی کی فوج ایران کے راستہ ہندوستان کی طرف پیش قدمی کرے۔ اس لئے مولانا محمود حسن کا ہندوستان میں رہنا اور مسلمانوں کو مناسب موقعہ آنے پر بغاوت کے لئے آمادہ کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ لیکن عبدالرحیم نے مجوزہ سفر کی تائید کی اور یہ طے پایا کہ محمود حسن مدینہ جائیں اور انور پاشا کے ایک ایلچی سے ملاقات کریں جس کو پہلے ہی مطلع کیا جا چکا ہے۔ اور ان کو یقین دلائیں کہ مسلمانان ہند مدد کرنے کے لئے تیار رہیں۔ ایلچی سے صلاح و مشورے کے بعد معاملات طے کئے جائیں گے۔ اس کے بعد یہ جماعت ہندوستان لوٹ آئیگی اور طے شدہ منصوبہ کو نافذ کرے گی۔

مخبر نے کئی آدمیوں کے نام بتائے جو اس بارے سے واقف ہیں۔ لیکن جو ہندوستان ہی میں رہ گئے ہیں ان میں سے دو آدمیوں کے نام ہیں عبدالرزاق جو ڈاکٹر انصاری (دہلی) کے بھائی ہیں دوسرے حکیم محمد حسن ہیں جو محمود حسن کے بھائی ہیں۔

اسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ دلی سے روانہ ہونے سے پہلے محمود حسن نے ڈاکٹر انصاری سے ایک کثیر رقم وصول کی ہے۔ اور انہیں ان سے مدینہ اور انور پاشا کے متعلق گفتگو کرتے سنا گیا ہے۔

محمود حسن اور اس کی جماعت کا دلی میں جو استقبال کیا گیا اس کا انتظام عبیداللہ سندھی نے کیا تھا جو سکھ مذہب سے مرتد ہوگیا ہے۔ اور نظارۃ المعارف ایک باغیانہ ادارہ کا صدر ہے۔ اس کا ہیڈ کوارٹر فتح پوری مسجد دلی میں ہے۔

نومبر میں اس مخبر نے بتایا کہ محمود حسن نے مدینہ میں انور پاشا کے ایلچی سے ملاقات کی ہے۔ اور اب اس مقصد سے ہندوستان آ رہے ہیں کہ سرحدی علاقہ میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ شورش پھیلائے اور ہندوستان میں غداری کے جذبات کو فروغ دے۔

یہ اطلاع ملنے پر کہ محمود حسن واپس ہندوستان آنے والا ہے۔ حکومت یو۔پی نے حکومت بمبئی کو تار دیا کہ ہندوستان پہنچتے ہی اس کو نظر بند کر دیا جائے۔ حکومت بمبئی کو خوف ہوا کہ اس کارروائی سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوگا۔ اس لئے

مزید خط وکتابت کے بعد طے کیا گیا کہ اگر محمود حسن اور خلیل واپس آئیں تو بمبئی میں ان کی تلاشی لی جائے اور پولیس کے دستہ کے ساتھ الہ آباد بھیج دیا جائے۔ اس کے بعد مقامی حکومت فیصلہ کرے گی کہ کیا کارروائی ضروری ہے۔

دسمبر میں مخبر نے اطلاع دی کہ محمود حسن ابھی تک ہندوستان واپس نہیں آیا ہے اور اس نے ایک ہفتہ سے زائد ہوا انور پاشا کے باپ سے صلاح و مشورہ کیا ہے۔ انہیں پہلے سے علم تھا کہ انور پاشا کے والا احمد نوری حال ہی میں مکہ گئے تھے۔

اس جماعت کا ایک ممبر مطلوب الرحمٰن جو محمود حسن کا بھائی تھا واپس آچکا تھا۔ اور ڈاکٹر انصاری کے بھائی عبدالرزاق اس سے ملنے اکثر دیو بند جایا کرتے تھے۔ یہ دونوں جرمنوں کے حق میں افواہیں پھیلایا کرتے۔ اس نے سیف الرحمٰن کے بارے میں کچھ باتیں بتائیں۔ جو دلی میں مسجد فتحپوری کے اسکول میں ملازم تھا اور ایک سال گذرا محمود حسن سے طے کر کے سرحد چلا گیا تھا تاکہ وہاں پہنچ کر چھپ سکے۔ سیف الرحمٰن کی خطرناک سرگرمیوں کے بارہ میں ہم کو پہلے سے علم تھا۔

مارچ ۱۹۱۷ء میں سہارنپور کے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اطلاع دی کہ خلیل الرحمٰن اپنی اہلیہ کو اپنے ہمراہ عربستان لے گئے ہیں اور ہندوستان کو واپسی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ بتایا گیا تھا کہ وہ اور محمود حسن مکہ کے ایک مدرسہ میں عربی پڑھاتے ہیں۔

مئی کے شروع میں حکومت یو، پی کے مخبر نے اطلاع دی کہ اسے سندھ کے ایک مولوی سے (جس کے شاگرد کابل میں ہیں) اطلاع ملی ہے کہ محمود حسن نے امیر افغانستان کو عبیداللہ کی معرفت خط لکھا ہے اور امیر نے اپنے سرداروں کی ایک میٹنگ طلب کی ہے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ اگر وہ اسلام کی خاطر جنگ شروع کر دے تو کیا وہ اس کا ساتھ دیں گے۔

کچھ عرصہ بعد مخبر نے اطلاع دی کہ محمود حسن کابل پہنچ گیا ہے۔ لیکن یہ اطلاع غلط ثابت ہوئی۔

جون میں مخبر نے اطلاع دی کہ ڈاکٹر انصاری اور ان کے بھائی محمود حسن کے کعبہ کی

کفالت کر رہے ہیں۔ اور بمبئی کی فرم حاجی زین علی کے ذریعہ انھوں نے بیس ہزار روپے محمود حسن کو بھیجے ہیں۔

اس فرم کے بارے میں بمبئی میں انکوائری کی گئی روپے بھیجنے کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ لیکن اس بات کا انکشاف ہوا کہ کئی فرموں نے محمود حسن اور اس کے دوستوں کا مکہ روانہ ہونے سے قبل . . . مہانداری کی ہے۔ یہ بھی اطلاع ملی کہ اس جماعت کے ممبران بجز محمود حسن اور خلیل الرحمن ۱۹۱۶ء کے شروع میں ہندوستان واپس آگئے تھے اور اس وقت بھی ان کی مہمانداری کی گئی تھی اوپر کے پیراگرافوں میں ان تمام اطلاعات کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ جو اگست ۱۹۱۵ء کے بعد سے حالات حاضرہ کے بارہ میں ہمیں موصول ہوئیں۔ نومبر ۱۹۱۵ء میں مجھے دیوبند کے مدرسہ اور عربستان کے مشن کے بارے میں یو، پی سی آئی ڈی کا ایک نوٹ ملا۔ جس میں ساری اطلاعات درج تھیں۔ اس نوٹ میں وہ ساری باتیں درج تھیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ اس میں ان لوگوں کے حالات بھی درج ہیں۔ جن کا ذکر آیا ہے۔

مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں سرکشی کا آغاز عبید اللہ سے ہوتا ہے۔ یہ شخص نومسلم سکھ ہے۔ اس نے ۸۹-۱۸۸۱ء کے درمیان مدرسہ میں تعلیم پائی۔ ۱۹۰۹ء میں استاذ بن کر مدرسہ میں غداری کے جذبات پیدا کرنے کے ارادہ سے شامل ہوا۔ ۱۹۱۳ء میں غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کرنے کی تلقین پر اس کو برطرف کر دیا گیا۔ لیکن اس دوران اس نے صدر مدرس محمود حسن کو اپنا ہم عقیدہ بنالیا تھا۔

دیوبند سے رخصت ہونے کے بعد وہ دلی چلا گیا۔ جہاں اس نے نظارۃ المعارف قرآنیہ قائم کیا۔ بظاہر جس کا مقصد انگریزی جاننے والے مسلمانوں کو قرآن سکھانا تھا لیکن درحقیقت باغیانہ خیالات پھیلانا تھا۔

ایس سکریٹ ڈیپارٹمنٹ	رجسٹر نمبر ۴۵۲۲	قرطاس کارروائی

(77 M)

سکریٹری کا خط ہندوستان سے ۷۷۔ ایم تاریخ ۲۹ ستمبر
موصولہ یکم نومبر ۱۹۱۶ء

تاریخ	دستخط	موضع
انڈر سکریٹری ۲۰ نومبر		افغانستان
سکریٹری آف اسٹیٹ ۲۱ "		عبیداللہ کی سازش سرکلیولینڈ کی مزید یادداشتیں۔

کاپی بنام پولیٹیکل اینڈ فارن ڈیپارٹمنٹ
ڈی۔ ایم۔ آئی
میجر ویلنگر

۴ ستمبر ۱۹۱۶ء

برائے اطلاع

سکریٹری فارن اینڈ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ

برائے اطلاع

دستخط۔

۸ نومبر

دیکھ لیا اور شکریہ کے ساتھ واپس ہے۔
تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

دستخط

۱۸ نومبر

ریشمی خطوط کے معاملہ میں دوسری یادداشت

(پہلی یادداشت کی تاریخ $\frac{9}{16}$ ۱۴ ہے)

(۱) ریشمی خطوط میں جو نام آئے ہیں۔ اُن میں سے کچھ ناموں کو ہم اُس وقت پوری طرح نہیں سمجھ سکے تھے۔ جب ہم نے انڈکس تیار کی تھی۔ اب صوبہ جات کی سی۔ آئی ڈی کی مدد سے ہم نے ان میں سے بعض ناموں کے بارہ میں تفصیل حاصل کر لی ہے۔

چنانچہ حکیم جمیل اور امیر شاہ، جنھیں عبید اللہ نے "خدام" کے خلاف بدگوئی کا ایلچی قرار دیا ہے ان دونوں سے صوبجات متحدہ کی سی۔ آئی۔ ڈی بخوبی واقف ہے یہ دارالعلوم دیوبند کے وفادار پرنسپل کے وابستگان میں سے ہیں۔

کاظم بے جنھیں عبید اللہ کی فہرست میں میجر جنرل لکھا گیا ہے۔ وہ ترکی کا ایک افسر اعلیٰ ہے۔ جو ترک جرمن مشن کے ہمراہ کابل آیا تھا۔

کچھ دن بعد میں نظر ثانی شدہ انڈکس جاری کروں گا۔ ہم نے ان خطوط کا جو مزید مطالعہ کیا ہے۔ اس سے ہمیں یقین ہو گیا ہے۔ کہ ان خطوط میں جتنے بھی نام آئے ہیں وہ سب اس قابل ہیں کہ ان کے بارہ میں چھان بین کی جائے۔

عبید اللہ جس شخص کو اپنی فہرست میں شامل کرنے کے لائق سمجھتا ہے۔ اس کے بارہ میں یقین کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ بے حد خطرناک ہے۔

(۲) میں نے اس بات کو نوٹ کیا ہے۔ کہ عبید اللہ کی اسکیم میں کسی شیعہ کا نام شامل نہیں ہے۔ اس نے شیعہ لوگوں پر جو بے اعتمادی ظاہر کی ہے۔ اس پر خاص طور سے توجہ کرنی چاہیے۔

(۳) گذشتہ ہفتہ کئی گرفتاریاں کی گئی ہیں۔ میں مختصراً بیان کرتا ہوں کہ مختلف صوبوں میں پیش رفت کیا رہی۔ پہلی یادداشت پر میں نے بعد میں جو عبارت لکھی ہے

اس سے اکثر ناموں کی وضاحت ہوتی ہے۔

بمبئی۔ مقامی حکومت نے دو آرڈر جاری کرائے جن کے لئے میں نے ہنوماہ رواں کو بذریعہ تار درخواست کی تھی۔

شیخ عبدالرحیم۔ جو سندھ کا سب سے اہم سازشی ہے۔ بدقسمتی سے گھر پر نہیں مل سکا۔ وہ کٹر جنونی کی حیثیت سے بہت مشہور ہے۔ وہ نومسلم ہندو ہے۔ بارتبہ اور صاحب حیثیت ہندوؤں کے تبدیل مذہب کی کامیاب کوششوں کے باعث وہ کافی بدنام ہے پولیس اس کی تلاش میں ہے۔

عبدالقیوم کا پتہ پولیس نے بڑی آسانی سے چلا لیا۔ وہ حیدرآباد کا میونسپل کمشنر اور شیخ عبدالرحیم کا ساتھی ہے۔ اسے گرفتار کر کے ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے۔

عبداللہ جو عبیداللہ کا ملازم ہے۔ پنجاب پولیس نے بہاولپور اسٹیٹ میں گرفتار کر لیا ہے۔

شیخ محمد کا پتہ نہیں چل سکا اس کی تلاش جاری ہے اس نام کا ایک مشتبہ شخص گرفتار کیا گیا تھا۔ لیکن اس کو بعد میں رہا کر دیا گیا۔ اس پر شبہ اس لئے تھا کہ وہ عبدالقیوم کا بھائی ہے۔

محمد میاں منصور کا پتہ نہیں چل سکا۔ شاید وہ ابھی تک افغانستان میں ہے۔ میں نے حکومت بمبئی کو جو تار بھیجا تھا۔ اس میں یہ پانچوں نام تھے۔ مقامی حکام نے اپنے طور پر ان کے علاوہ تین دوسرے اشخاص کو بھی گرفتار کر لیا۔ جن کا شیخ عبدالرحیم کے گروہ سے گہرا تعلق ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ مولانا تاج محمد، پیر اسداللہ شاہ اور حاجی شاہ بخش۔ ان میں سے آخر الذکر ابھی عربستان سے بذریعہ جہاز بمبئی واپس آیا ہے۔ جہاں سہارنپور کا خلیل احمد آیا تھا۔ ہندوستان پہنچتے ہی اس نے شیخ عبدالرحیم کو تار دیا اور پھر خراج کر سے ملاقات کرنے حیدرآباد گیا۔ وہ عبدالرحیم کا پرانا شریک کار ہے عبیداللہ کی اسکیم میں اس کو لفٹیننٹ کرنل بنایا گیا ہے۔ شاید وہ اس معاملہ میں کافی گہرائی تک ملوث ہے مسٹر ویویاں اب پونہ کے راستہ میں ہیں تاکہ حکومت بمبئی پر ذاتی طور سے وضاحت

کر سکیں۔

پنجاب جن نو آدمیوں کے خلاف مقامی حکومت نے آرڈر جاری کئے تھے۔ اُن سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ بجز فتح محمد کے جو ہاتھ نہیں آسکا۔ مجھے ابھی اطلاع ملی ہے کہ عبید اللہ نے بیان شروع کر دیا ہے۔

پشاور محمد اسلم ڈرگسٹ کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ لیکن سلیم خاں نہیں مل سکا۔ کہا جاتا ہے کہ شاید وہ تیرہ میں ہے۔

دہلی احمد علی کو گرفتار کر لیا گیا۔ جسے عبید اللہ نے اپنا مدرسہ سپرد کر دیا تھا۔ لیکن اس کا بھائی محمد علی ہاتھ نہیں آسکا ہے۔ احمد علی نے بتایا کہ ۱۹۱۵ء کے رمضان کے بعد سے وہ اُن سے نہیں ملا ہے۔ لیکن دلی پولیس نے جو اطلاعات حاصل کی ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ گذشتہ عید کے پندرہ دن بعد محمد علی خفیہ طور سے اپنے بھائی سے ملنے آیا تھا۔

یاد رہے کہ عبد الحق قاصد نے بیان کیا تھا کہ محمد علی جو اس کے ہمراہ کابل سے ہندوستان آیا تھا بیان کرتا تھا کہ اُسے ایک خفیہ مشن پر پہلے لاہور جا کر مولوی احمد لاہوری سے ملاقات کرنی ہے۔ اور پھر دلی جا کر اپنے بھائی احمد علی سے ملنا ہے۔ جس کے واسطے وہ بڑی اہم خبر لایا ہے۔ اور وہ اسے مجبور کرے گا۔ کہ اُس کے ہمراہ کابل واپس چلے۔

احمد علی نے پہلے عبید اللہ کی ایک لڑکی سے شادی کی تھی۔ اس کی موت کے بعد اُس نے لاہور کے مولوی احمد کی دختر سے نکاح کر لیا تھا۔

دلی پولیس کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ احمد علی پر جرح کرنے سے پتہ چلا کہ رمضان ۱۹۱۵ء میں ایک اہم میٹنگ ہوئی تھی۔ جس میں احمد علی نے عبید اللہ محمد علی اور عبد اللہ نیز شاید دوسرے اشخاص سے ملاقات کی تھی۔ عبید اللہ کے سفر حجاز سے فوراً پہلے کا یہ واقعہ ہوگا۔

صوبہ جات متحدہ مولوی خلیل احمد کے سوا کسی کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔ وہ حال ہی میں حجاز سے واپس آیا ہے۔ عبید اللہ کے خطوط

پکڑے جانے سے پہلے سے آمد کو روکنے کے آرڈیننس کے ذریعہ اس کو نظر بند رکھا جا رہا ہے
یو، پی سے مجھے آخری اطلاع انسپکٹر جنرل پولیس کے خط مورخہ ۱۰ ماہ رواں میں دی گئی کہ سینڈرس نے مثل کو ذہن نشین کر لیا ہے۔ اور ہدایات کو سمجھ لیا ہے۔ اب وہ خلیل سے پوچھ تاچھ کر رہا ہے۔ ہم جلد ہی آپ کو کسی بات سے مطلع کریں گے۔

بہار واڑیسہ مجھے حکومت بہار واڑیسہ کا ایک تار ملا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ گیا میں ڈاکٹر محمد رالدین کا پتہ چل گیا ہے۔ اس کا کیس بڑی دلچسپی کا موجب ہوگا۔

(۴) پنجاب میں گرفتاریوں کی خبریں اخبارات میں چھپی ہیں۔ لیکن ان پر بہت کم تبصرے کئے گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلم عوام کو ان میں کافی دلچسپی ہے۔
شاہی قانون ساز کونسل کے ایک مسلم ممبر نے کل کی گفتگو میں گرفتاریوں کی اصل حقیقت کو جاننے کے لئے مجھ سے کافی اصرار کیا۔

(۵) یہ بات بتانی ضروری ہے کہ اس معاملہ کی تحقیقات کرنے والے ایک مسلم پولیس افسر نے مجھے ایک خط دکھایا۔ جو اس کو دوسرے مسلم پولیس افسر نے لکھا ہے۔ اور اس سے درخواست کی ہے کہ وہ اپنے اثرات سے کام لیکر مولوی خلیل احمد کے خلاف کیس کو بند کرا دے۔ کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے خود کو مذہبی کاموں کے لئے وقف کر رکھا ہے اور کسی سیاسی سازش سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔
خط لکھنے والے نے بتایا ہے کہ وہ اس مولوی کا مرید ہے اور یہ کہ اسے اور بہت سے مسلمانوں کو اس خیال سے صدمہ ہے کہ حکومت نے اس مولوی کے خلاف غلط اطلاعات کی بنا پر کارروائی کی ہے۔
اس سلسلہ میں میں یہ بات ظاہر کرنی چاہتا ہوں کہ اس مولوی کے سفر حجاز سے پہلے ہمیں نہ صرف مختلف ذرائع سے اطلاعات ملی تھیں کہ وہ سیاسی مشن پر جا رہا ہے بلکہ ہندوستان کو واپسی پر اس کے ہمراہ سفر کرنے والے ایک حاجی نے بتایا تھا کہ اس نے اور اس مولوی نے غالب پاشا اور دوسرے لوگوں سے حجاز میں ملاقات کی تھی۔

اڈو ہاں بہت کافی سیاسی کام کیا گیا تھا۔

میرے خیال میں یہ خط ایک واجب الاحترام مرشد سے ہمدردی کا بالکل سچا اظہار ہے۔ بادی النظر میں مولوی خلیل احمد کے خلاف بڑے سنگین الزامات ہیں لیکن یہ بات عین ممکن ہے۔ کہ اس کے مریدوں کو اس کی حالیہ حرکات کے بارہ میں کچھ بھی معلوم نہ ہو۔

عبید اللہ کی پارٹی کے دوسرے بہت سے لوگوں کے مریدوں میں بلا شبہ سرکاری ملازمین کی قابل لحاظ تعداد شامل ہے۔

دستخط ۔سی آر کلیو لینڈ

۲۱ $\frac{9}{16}$

ریشمی خطوط پر تیسری یادداشت

تاریخ ۲۸ 9/16

دوسری یادداشت کی تاریخ ۲۱ 9/16 ہے

بمبئی حیدرآباد (سندھ) کے شیخ عبدالرحیم کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔ اس کیس میں اس کی اہمیت روز بروز زیادہ واضح ہوتی جاتی ہے۔ بمبئی میں تحقیق و تفتیش جاری ہے لیکن گذشتہ ہفتہ میں کسی اہم واقعہ کی اطلاع نہیں ملی۔

پنجاب گذشتہ یادداشت میں جن مختلف لوگوں کی گرفتاری کی اطلاع ملی تھی ان سب سے پوچھ تاچھ جاری ہے۔ عبداللہ جسے سابقہ خطوط میں عبیداللہ کا ملازم ظاہر کیا گیا ہے۔ تعلیم یافتہ آدمی نکلا۔ اسے بالعموم مولوی عبداللہ کہا جاتا ہے پنجاب سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹ درج ذیل ہے۔

"عبداللہ کا بیان ہمیں زیادہ آگے نہیں لے جا[2] لیکن اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ سازش بہت کمزور اور بھسپھسی[1] ہے۔ اور بالکل آغاز ہی میں اس کا انکشاف ہو گیا ہے۔ جو خطوط پکڑے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کچھ خطوط ہندوستان میں شورش پسندوں کو بھیجے گئے ہیں جن میں ان لوگوں کو کابل جانیکو کہا گیا ہے سازش ابھی اسی حد تک پہنچی ہے یہ امر صاف ہے کہ ہمیں بالکل شروع[2] ہی میں سازش کا پتہ چل گیا اور ہمنے ہندوستان میں اُن لوگوں کو گرفتار کر لیا جنکی سازش کے منصوبہ میں ذرا بھی اہمیت تھی ہم سمجھتے ہیں کہ اس کارروائی سے سازش کو شروع ہی میں کچل دیا گیا[3]

بھاولپور کے پولٹیکل ایجنٹ نے ایک حالیہ مراسلہ میں اس بات کا اظہار کیا تھا۔

---

[1] یہی سی۔ آئی۔ ڈی جو اب تک غافل تھی اسکو اپنی پوزیشن سنبھالنے کے لئے یہی کہنا تھا۔ محمد میاں

[2] لفظ شروع تحقیق طلب ہے واقعہ یہ ہے کہ پتہ اس وقت چلا جب عربوں کی بغاوت کے سبب سے تحریک ختم ہو چکی تھی

[3] کچل نہیں دیا گیا بلکہ بین الاقوامی حالات کی بنا پر تحریک خود ختم ہو گئی۔ (محمد میاں)

کہ (گرفتار شدہ) پیر غلام محمد ایک مشہور معروف پیر ہے۔ جسکی زیارت کے لئے ہر سال سندھ سے ہزاروں مرید آتے ہیں۔ اب تک اس کی شہرت سیاسی رجحانات اور سرگرمیوں کے داغ سے پاک ہے۔ اس کی گرفتاری مقامی طور پر موضوع گفتگو بنی ہوئی ہے۔

پنجاب کے سی آئی ڈی افسروں نے مزید مطلع کیا ہے کہ پرو پرائٹر رفاہ عام پریس (عبدالحق) اور امام مسجد صوفیاں والی (مولوی احمد) کی گرفتاریوں پر لوگوں میں بڑا استعجاب ہے ایک قیاس آرائی یہ ہے کہ انہیں کابل کو فرار ہو جانے والے طالب علموں سے خط و کتابت کرتے پر پکڑا گیا ہے۔

شمالی مغربی سرحدی صوبہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ کے چیف کمشنر نے تحریری اطلاع دی ہے۔ کہ (گرفتار شدہ) محمد اسلم کا منہ پھولا ہوا ہے اور اس کا نہ تو ایسا ارادہ ہے اور نہ وہ کچھ بتانے پر تیار معلوم ہوتا ہے۔

دِلّی ۔ کوئی ایسی بات نہیں جس کی اطلاع دی جا سکے۔

صوبہ جات متحدہ سازش میں شامل یا اس میں ملوث مختلف لوگوں کے بیانات وصول ہو رہے ہیں .... ان بیانات سے اور ان خطوط کے گٹھے سے جو جہاز میں گذشتہ ماہ اگست میں لکھے گئے تھے۔ یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مولویوں کی مختلف پارٹیاں جو اگست و ستمبر ۱۹۱۵ء میں حجاز گئی تھیں۔ انہوں نے سیاسی صورت حال کے بارہ میں اور اس سلسلہ میں اچھے دیندار مسلمانوں کے فرائض کے متعلق کافی غور و خوض اور بات چیت کی۔

بمبئی اور جدہ کے درمیان عرشۂ جہاز پر بھی اور جدہ پہنچنے کے بعد بھی اس مسئلہ پر اکثر بات چیت ہوئی کہ آیا سچے مسلمانوں کے لئے جو صحیح اسلامی زندگی گذارنا چاہیں ہجرت یعنی ہندوستان جیسے ناپاک ملک سے فرار ہو کر کسی پاک ملک کو چلے جانا فرض ہے یا نہیں۔

اسی ذریعہ سے یہ بات بھی واضح ہوئی ہے کہ جب عربوں نے بغاوت کی تو ہندوستانی مسلمانوں نے خواہ وہ مقام وقوع کے قریب ہوں یا اس سے دور، ترکوں سے قلبی ہمدردی ظاہر کی نہ کہ شریف مکہ سے لیکن کافی لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ آخرالذکر دوہرا کھیل کھیل رہا ہے۔

مولوی خلیل احمد جو اس وقت نینی تال میں زیر حراست ہیں حجاز میں بدیہی طور پر حضرت مولانا محمود حسن کے بہت ہی قریب رہے۔ وہاں وہ ایک ہی اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ گئے اور دوسرے اوقات میں بھی ایک دوسرے سے بہت زیادہ ملتے رہے۔

کہا جاتا ہے کہ محمود حسن نے یہ فتویٰ دیا کہ ہجرت[۵] صرف ان مسلمانوں پر فرض ہے جو گھر بار اور دوسری طرح کے علائق سے سبکدوش ہو سکتے ہوں۔ اور چونکہ حجاز میں خلیل احمد کے ہمراہ ان کی اہلیہ بھی تھیں لہٰذا وہ ہندوستان واپس آگئے۔

ہندوستان بھر میں خلیل احمد سے جو ہمدردی پائی جاتی ہے اسکی مجھے مزید شہادتیں بھی ملی ہیں۔ بلاشبہ وہ ایک ایسے مولوی ہیں جن کا بدیہی طور پر بہت زیادہ احترام اور جن سے بڑی عقیدت ہے۔

یہ بات ممکن معلوم ہوتی ہے کہ خلیل احمد کے افکار اور عزائم پختہ نہ ہوں ۱۹۱۵ء میں جب وہ ہندوستان سے روانہ ہوئے۔ بظاہر اس وقت تک انھوں نے فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ کونسی راہ عمل اختیار کریں گے اور بعد میں حجاز میں اپنی اہلیہ کی موجودگی کے بوجھ کے باعث وہ مجبور رہے ہوں۔

اس کے ساتھ ساتھ بظاہر انہیں یہ جاننے کا بھی کافی وقت ملا تھا کہ ان کے ساتھی مولوی محمود حسن ترک افسروں اور برطانیہ کے مخالف جذبوں سے ملاقاتوں اور سازشوں کے ذریعہ کیا کر رہے ہیں۔

خلیل احمد نے بہت سی دلچسپ باتیں ظاہر کر دی ہیں لیکن اب بھی اس نے بہت کچھ محفوظ رکھا ہے اور وہ سب باتیں جو انہیں معلوم ہیں اُن کا انکشاف نہیں کیا ہے۔

---

[۵] ہجرت کا کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ خود حضرت شیخ الہندؒ نے بھی ہجرت نہیں کی۔ وہ اپنی تحریک کے سلسلہ میں حجاز گئے تھے۔ ہجرت کے بجائے تحریک کا لفظ ہونا چاہیئے یعنی حضرت شیخ الہند اپنی تحریک میں شامل ہونے کی دعوت صرف ان لوگوں کو دیتے تھے جو اپنے متعلقین کے فرائض یعنی ان کی ضروریات پوری کرنے کی کوئی سبیل نکال سکیں۔

(محمد میاں)

جس طرح امریکہ میں اور دوسرے غیر خطوں میں جب کوئی ہندوستانی سیاح غدر پارٹی کے کسی ممبر سے ملتا ہے۔ تو اس کا ہم خیال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حجاز میں اور افغانستان میں ہندوستانی مسلمان کا رجحان انگریز دشمنی کا ہو جاتا ہے۔ جو ہندوستان میں پائے جانے والے اس قسم کے رجحان سے جس کا وہ عادی ہوتا ہے۔ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

ہمیں اس مقصد کی پیروی کی کوشش کرنی چاہیے کہ ایسے ... ... میں اور ان لوگوں میں فرق کریں جو صحبت کے اثر سے اور غیر ... ... سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

بہار و اڑیسہ

مجھے امید ہے کہ ڈاکٹر محمد ... الدین کے خلاف کسی اقدام کی مجھے جلد اطلاع ملے گی۔

دستخط

سی آر کلیولینڈ

۲۸ ستمبر ۱۹۱۶ء

ٹیلیگرام پی

پی ۴۵۲۲/۱۶

از طرف شہنشاہ برطانیہ کے قونصل مامور مشہد۔

بنام۔ سکریٹری فارن اینڈ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ حکومت ہند۔ شملہ

(فارن ڈیپارٹمنٹ اور چیف آف جنرل اسٹاف کو بھیجا گیا)

نمبر ۱۱۵ سی

تاریخ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۶ء۔

موصولہ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۶ء۔

آپ کا تار ۶۸۳۔ ایس۔ روسی جنرل کے دو حکم تار کے جواب میں تربت حیدری سے روسی قونصل میخالکوف نے کہلا ہے۔ کہ اس کی تفتیش ۲۶ ستمبر تک مکمل ہو سکے گی تفتیش ۷ ستمبر کو شروع ہوئی تھی۔ اور برطانوی ایجنٹ کی اطلاع کے مطابق ۱۴ ستمبر کو ختم ہو چکی ہے جس کا مقصد ہمیں جلد از جلد ایسی اطلاعات دینا تھا کہ ہم زیادہ لوگوں کو گرفتار کر سکیں

میخالکوف نے تاخیر کی نہ تو کوئی جائز وجہ بتائی ہے اور نہ ہی کوئی یادداشت بھیجی ہے۔ اسکو اندیشہ ہے کہ کہیں اس کی حکومت کی پوزیشن مشتبہ نہ ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ وہ بھی اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہو۔ میں میخالکوف سے اور ان پولیٹیکل ایجنٹوں کے رویے سے بالکل غیر مطمئن ہوں۔ جنھوں نے کاریز میں مامور ایجنٹ کو جبکہ اسے مرزا آغا کے پاس سائفر (خفیہ زبان کی کلید) مل گیا تھا۔ میری ان ہدایات کی تعمیل سے روکا کہ ہندوستانیوں کی جامہ تلاشی کی جائے۔ یہاں پر روسی پوری طرح وفادار ہیں۔ اور جنرل نے میرا ٹیلیگرام فوری تعمیل کیواسطے روانہ کیا ہے۔ جسمیں قیدیوں کی فوری جامہ تلاشی اور قیدیوں کو نور گر روانہ کرنیکی ہدایت ہے۔

میرا خیال ہے کہ اگر ان ہدایات کی تعمیل میں دیر ہو تو بیڈو گراڈ سے ہدایات حاصل کروں۔ تاہم مجھے امید ہے کہ اس کی ضرورت نہ ہوگی۔

ازطرف وائسرائے فارن ڈیپارٹمنٹ ۲۳ر ستمبر ۱۹۱۶ء

پی - ۳۸۴۷

خفیہ - افغانستان میں حامیان بغاوت

ہمارا ٹیلیگرام مورخہ ۱۵ر ماہ رواں (قونصل یا نمائندہ مامور- تربت حیدری) نے اطلاع دی ہے کہ پولیس اور اس کے ساتھی محمد حسین کو اپنے قبضہ میں لینے میں مشکلات پیش آرہی ہیں۔ ان کے اپنے اعتراف کے مطابق یہ لوگ جرمن مشن سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کو ایرانیوں نے گرفتار کیا تھا۔ اس وقت یہ لوگ تربت حیدری میں روسیوں کے قبضہ میں ہیں (بحوالہ ہمارے ٹیلیگرام مورخہ ۱۳ر ماہ گذشتہ) انہوں نے مقامی روسی قونصل کو بتایا ہے کہ وہ راجہ مہندر پرتاب کے نمائندے ہیں۔ انہوں نے زار روس کو بھیجی جانے والی سفارت نیز اُس مشن کا حوالہ دیا۔

آپ کے ٹیلیگرام مورخہ ۸ر ماہ رواں میں جس کا تذکرہ ہے۔ اور کہا کہ ان کی گرفتاری سے ان کے قسطنطنیہ جانے کا پروگرام اُلٹ گیا ہے۔

ہمارے خیال میں یہ دونوں لاہور کے طلباء شجاع اللہ اور عبدالباری ہیں جن کے متعلق حال ہی میں کابل سے اطلاع ملی تھی کہ اُن کے لباس میں ریشمی خطوط سی کر انہیں قسطنطنیہ اور برلن روانہ کیا گیا ہے۔

خراسان میں مامور روسی جنرل نے فوری نفاذ کے لئے ناقابل تغیر احکام جاری کئے ہیں کہ انہیں لے جاکر ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔ لیکن تربت حیدری میں مامور روسی قونصل اس میں مشکلات پیدا کر رہا ہے۔

آپ کی امداد باعث مسرت ہو گی۔

ٹیلیگرام پی

از طرف ۔ قونصل جنرل شہنشاہ برطانیہ ، ماموره مشہد
بنام ۔ سکریٹری فارن اینڈ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ حکومت ہند شملہ
(چیف آف جنرل اسٹاف کے لئے تکرار کی گئی)

نمبر ۱۱۶ سی

بتاریخ ۲۶ ستمبر سنہ ۱۹۱۶ء

وصول شدہ ۲۶ ستمبر سنہ ۱۹۱۶ء ۔

پیدل فوج کی تین کمپنیاں ، اور ایک پڑی کچھ چھوٹے دستوں کے ساتھ استرآباد پہنچ گئی ہیں ۔

۲۳ ستمبر کو ہندوستانی قیدی ترمز روانہ ہوگئے ہیں ۔

روسی جنرل کو یہ تار تاشقند سے وصول ہوا ہے ۔ تار کا مضمون ہے ۔ راجہ پرتاب کی سفارت کو ترمز میں روک لیا گیا ہے ۔ اُن کی شدید نگرانی ہورہی ہے جب تک کہ اُن سے پوچھ تاچھ کے بارے میں پٹروگراڈ اور لندن کا فیصلہ نہ ہوجائے اُس وقت تک ان کو افغانستان جانے کی اجازت نہ ملے گی ۔

(تار کا مضمون ختم)

پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ
۲۵ اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء
میں وصول ہوا ۔

رجسٹر نمبر
۲۹۹

محکمہ خفیہ　　　　　　　　　　　　　　　　　قرطاس کارروائی

ہندوستان سے آئے ہوئے کاغذات　　　　　　　　　　بتاریخ

تاریخ موصولہ ۱۷ر جنوری سنہ ۱۹۱۷ء

تاریخ		دستخط	موضوع
انڈر سکریٹری	۱۸ $\frac{1}{12}$	”	افغانستان
سکریٹری آف سٹیٹ	۱۸	”	ریشمی خطوط کی سازش پر سی آئی ڈی کی یادداشت

نقول بنام

برائے اطلاع

یہ بہت مفید تفصیل ہے لیکن اس سے ہماری معلومات میں چنداں اضافہ نہیں ہوتا ہے۔

سرائے ہرٹنزل

مسٹر سیٹون

آپ کے دیکھنے کے لئے
میرے خیال میں ان میں کوئی نئی بات نہیں۔

پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ
۱۷ر جنوری ۱۹۱۷ء
میں وصول شدہ

دیکھ لیا
اے - ایچ
۱۶ر جنوری ۱۹۱۷ء

محکمہ ایس ایس۔ ان کاغذات کو دفتر میں رکھنا
مناسب سمجھے گا۔
آپ کے محکمہ کا کیا خیال ہے؟

دستخط (پڑھے نہ جاسکے)

دیباچہ

مجھے جو اطلاعات اور دیگر مواد مل سکا اس سے میں نے اس رپورٹ کو زیادہ سے زیادہ مکمل بنانے کی کوشش کی ہے اور تحقیقات میں آسانی کے لئے اسے تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

پہلے حصہ میں مقدمہ کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ حاشیہ پر اُن لوگوں کے نام دیئے گئے ہیں[۱] جو متن میں بیان کردہ واقعات کے گواہ ہیں۔ نسخ میں لکھے ہوئے نام ان لوگوں کے ہیں جو ان واقعات کے بارہ میں بیان دے چکے ہیں لیکن یہ توقع نہیں کہ وہ عدالت میں اس بیان کا اعادہ کر سکیں گے۔

حاشیہ پر جو نام دیئے گئے ہیں صرف ان ہی سے اس مقدمہ کے گواہوں کی فہرست مکمل نہیں ہوئی۔ کیونکہ دوسرے گواہ بھی ہیں جو استغاثہ کے بیان کے اِن اہم نکات کی شہادت دے سکتے ہیں جن کی تصدیق ضروری سمجھی جائے اور جنکا اس سازش کے واقعات کے بیان میں تذکرہ نہیں کیا گیا۔

دوسرے حصہ[۲] میں اس رپورٹ کے ضمیمے جمع کئے گئے ہیں جو گواہوں کے بیانات کتابوں اور دستاویزات سے متعلق یادداشتوں اور بعض اہم دستاویزات کے تراجم پر مشتمل ہیں۔

ان کے علاوہ بھی دوسرے بہت سے "ایگزیبٹ" (دوران مقدمہ پیش ہونے والی دستاویزات وغیرہ) ہیں جنھیں اس رپورٹ کے ضمیموں میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

تیسرا حصہ[۳] ان یادداشتوں پر مشتمل ہے جو تمام سازشیوں کے لئے اور سازش سے متعلق دوسرے لوگوں کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ان میں سے ہر

---

[۱] ہم نے یہ نام تحریر نہیں کئے کیونکہ ان سے واقعہ کی تاریخی حیثیت پر روشنی نہیں پڑتی۔ (محمد میاں)

[۲] یہ حصہ یعنی گواہوں کے بیانات ہم نے اس تالیف میں پیش نہیں کیا۔ کیونکہ یہ بیانات تاریخی دستاویز نہیں ہیں کیونکہ ان میں زیادہ تر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے اسی وجہ سے ان میں تضاد بھی ہے۔ (محمد میاں)

[۳] یہ پورا حصہ "کون کیا ہے" کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔ (محمد میاں)

ایک کے خلاف کیا کیا شہادتیں ہیں۔

جو بیانات اور عبارات خط نسخ میں درج کی گئی ہیں ان کو قوی شہادت نہیں کہا جا سکتا چنانچہ انہیں عدالت میں پیش نہیں کیا جائے گا۔

رپورٹ میں استعمال ہونیوالی اصطلاحات کی تشریح

فتویٰ:۔ باصلاحیت اور مجاز عالم دین اسلام کا مذہبی سیاسی و سماجی مسائل پر اظہار رائے۔

ہجرت:۔ لغوی معنی ہیں جدائی علیحدگی۔ اس کا اطلاق کسی مسلمان کے اس لئے ترک وطن کرنے پر ہوتا ہے۔ کہ اسے مذہبی رسوم و فرائض کی ادائیگی کی آزادی نہ ہو۔

مہاجر:۔ وہ شخص جو ہجرت کرے۔

جہاد:۔ مذہبی جنگ جو با اختیار امام مسلمانوں پر فرض کر سکتا ہے۔ اسے ان حالات میں فرض کیا جاتا ہے۔ جب کہ مسلمان ہجرت پر مجبور ہو۔

مجاہد:۔ وہ شخص جو جہاد میں حصہ لے رہا ہو یا جس نے خود کو جہاد کے لئے وقف کر دیا ہو۔

مجاہدین:۔ یہ نام ہندوستان کے متعصب وہابیوں کی ایک بستی کے رہنے والوں کو دیا گیا ہے۔ جو آزاد علاقہ میں یوسف زئی قبائل کے درمیان قائم ہے۔ یہ بستی ۱۸۲۳ء میں وہابی لیڈر سید احمد شاہ بریلوی نے قائم کی تھی۔ اس وقت سے اس کے اراکین کا رویہ حکومت برطانیہ کے ساتھ خصومت اور جنگ ہے۔

ریشمی خطوط کے کیس کا خلاصہ

زیر نظر کیس کو ہم اپنی آسانی کے لئے ریشمی خطوط کا کیس اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس بارے میں ہمیں گہری اور مکمل واقفیت اگست سنہ ۱۹۱۶ء میں ریشمی کپڑے پر لکھے ہوئے تین خطوط کے پکڑے جانے سے حاصل ہوئی۔ جو کابل میں موجود سازشیوں نے حجاز میں موجود سازشیوں کو بھیجنے کے لئے روانہ کئے تھے۔

یہ واقعات جو اس تفتیش اور تحقیقات کا باعث ہیں ان کا سلسلہ سنہ ۱۹۱۵ء کے اوائل سے شروع ہوتا ہے۔

(۱) افغانستان کو پنجابی طلبار کا مشن

اس سال ماہ فروری میں پنجاب کے مختلف کالجوں کے پندرہ ۱۵ طلبار خفیہ طور سے اپنے گھروں سے روانہ ہوئے۔ اور شمالی مغربی سرحد کو عبور کر کے آزاد علاقہ میں پہنچے۔

پھر دوسرے طلبار نے ایک ایک کر کے یا چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کی صورت میں ان کی پیروی کی۔ بعد کی اطلاعات سے ظاہر ہوا کہ ان کی اس کارروائی کا محرک سلطنت برطانیہ کی مخالفت کا جذبہ تھا۔ ترکی سے برطانیہ کی جنگ اس کا سبب تھی۔ جس کے خلاف غیر وفادار واعظوں اور مبلغوں نے نہایت زبردست مکروہ پروپیگنڈا کیا تھا۔ ان جوانوں کا ارادہ اور کوشش یہ ہوئی تھی کہ پہلے تو وہ برطانوی قلمرو سے نکل جائیں اور پھر جس کام کیلئے بھی ان میں صلاحیت ہے۔ جیسے جاسوس۔ قاصد۔ واعظ۔ یا مبلغ جہاد یا فوجی اس کام کیلئے وہ اپنی خدمات ترکوں کو پیش کر دیں۔

انہیں امید تھی کہ افغان گورنمنٹ کی عنایت اور تعاون سے وہ ترکی پہنچ سکیں گے انہیں توقع تھی کہ افغانستان برطانیہ عظمی سے برسرجنگ ہونے والا ہے۔ یا ہندوستان کے غیر وفادار لوگ بدگمانیاں پیدا کر کے اور دباؤ ڈال کر اسے لڑائی پر مجبور کر دیں گے۔

سنہ ۱۹۱۵ء میں جو تفتیش اور تحقیقات کی گئی اس سے اس اہم واقعہ کا بھی انکشاف

ہوا کہ صوبہ سرحد تک طلبار کے سفر کا انتظام پنجاب اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں وہابیوں کی ایک جماعت کرتی تھی۔ اور برطانوی قلمرو کے عبور کر لینے کے بعد طلبار کو سرحد پار کے وہابی بستیوں پہنچادیئے تھے جو آزاد علاقہ میں اُن وہابیوں کی بستی ہے۔ جن کو مجاہدین یا متعصب ہندوستانی کہا جاتا ہے۔

(۲) ہندوستان میں وہابیت اُنیسویں صدی کے شروع میں عرب کے وہابیوں کی تحریک ہندوستان میں داخل ہوئی بریلی کے مولانا سید احمد شاہ[۱] نے گنگا کی وادی میں اسے رائج کیا (جہاں سے یہ بڑی تیزی سے بالائی ہندوستان میں پھیل گئی) انہوں نے ۱۸۲۳ء میں کچھ پیروؤں کے ہمراہ خود بھی شمالی مغربی سرحدی صوبہ کو عبور کیا۔ اور یوسف زئی قبائل کے علاقہ میں مجاہدین یا متعصب ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بستی قائم کی تب سے یہ ہندوستان کے بے دین حکمرانوں کے لئے عذاب بنی ہوئی ہے۔

شروع میں اس کا قیام خاص اس مقصد کے لئے عمل میں آیا تھا۔ کہ سرحدی قبائلیوں کو سکھوں کے[۲] خلاف جہاد کے لئے اکسائے۔ جو اس وقت پنجاب پر قابض تھے۔ تب سے یہ بستی ہندوستانی وہابیوں کی مالی امداد سے اور ہندوستان سے یہاں آتے رہنے والے، نوجوان وہابیوں کی وجہ سے میدان جنگ میں ہزیمتیں اٹھانے اور برطانیہ کے دوست قبائل کی طرف سے سیاسی مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنے کے باوجود تا ہنوز قائم ہے۔

---

[۱] نام بھی غلط لکھا ہے وہابیوں کی طرف نسبت بھی غلط ہے اسم گرامی سید احمد ہے ان کو شاہ نہیں کہا جاتا تھا مولانا احمد شاہ دوسرے بزرگ تھے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی انقلابی جدوجہد میں قیادت کی۔ حضرت سید احمد شہید کا تعلق عرب کے وہابیوں سے بھی کچھ نہیں۔ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز دھلوی کے شاگرد خلیفہ اور ان کی طرف سے انقلابی جدوجہد کے سربراہ تھے جیسا کہ مقدمہ میں بیان کیا جا چکا ہے مزید تفصیل شاندار ماضی جلد دوم میں ملاحظہ فرمائی جائے۔ (محمد میاں)

[۲] یہ غلط ہے سید احمد شہید کی تحریک کا مقصد انگریزی اقتدار کو ختم کرنا تھا بدقسمتی سے سکھ آڑے آگئے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے شاندار ماضی جلد دوم

ہندوستان میں ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۳ء تک وہابیوں کے خلاف عدالتی تحقیقات اور مقدمات کے طویل سلسلہ کے دوران ہندوستان میں سازش کرنے اور روپیہ جمع کر کے اسے سرحد پار کے متعصب ہندوستانیوں کو بھیجنے والی ایک جماعت کا پتہ چلا تھا بہو بڑے بڑے وہابیوں کو سزائیں دی گئی تھیں اور یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ اب یہ تحریک ہندوستان میں گویا ختم ہو گئی ہے۔

اس کے بعد ہندوستان میں وہابی عقائد کے ماننے والے مختلف ناموں سے پکارے جانے لگے۔ جیسے اہل حدیث۔ غیر مقلد۔ فرازی وغیرہ اور جلد ہی ہندوستان سے وہابیوں کا بظاہر نشان مٹ گیا۔ سرحد پار بھی مجاہدین کی بستی کی طاقت اور اثر گھٹ گیا۔ بعد میں اس کا اثر نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔

۱۹۱۰ء میں یہ تحریک پھر سر اٹھاتی ہوئی معلوم ہوئی۔ کیونکہ افغانستان کے انگریز دشمن جماعت کے ایک نہایت طاقتور رکن نے متعصب ہندوستانیوں کی مالی امداد اور ہمت افزائی شروع کر دی۔

(۳)

کابل کو طلباء کے مشن کی اہمیت

یہ تھی وہ جماعت جس کے احیاء کی جھلک فروری ۱۹۱۵ء میں پنجابی طالب علموں کے فرار کے واقعہ میں دکھائی دی۔ اس وقت اس معاملہ کی تیزی سے انکوائری نہیں کی گئی کیونکہ یہ بات اس وقت کی پالیسی سے ہم آہنگ نہ تھی کہ مسلمانوں کے معاملات میں ایسے نازک موقعہ پر اتنی گہرائی میں جا کر تحقیقات کی جائے چند لوگوں کے بارے میں یقین ہو گیا کہ انہوں نے اس مہم میں عملاً مدد کی ہے ان کو نظر بند کر دیا گیا۔ لیکن اتنی گہرائی تک تحقیق نہ کی گئی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ مہم وہابیوں کی اپنی کوشش تھی یا کسی دوسرے سازشی نے وہابیوں کی جماعت کی اس باقیات کو باغیانہ اور اتحاد اسلامی کے مقاصد کے لئے بالقصد استعمال کرنے کی کوشش کی۔

(۴) مولوی عبید اللہ تحریک کا سربراہ

ابھی حال ہی میں اس امر کا پتہ چلا ہے کہ آخری بات درست ہے اور یہ کہ طالب علموں کی

ف اس اجمال کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے شاندار ماضی جلد سوم جس کا عنوان ہے علماء صادق پور۔ (محمد میاں)

ہجرت کا محرک اصلی مولوی[۱] عبیداللہ ہے جس نے کلکتہ کے ابوالکلام کی رضامندی اور تعاون سے جو اتحاد اسلامی کا حامی مولوی ہے نیز کچھ اور وہابی لیڈروں کی مدد سے اس مہم کو چلایا ہے اور اس کے مصارف برداشت کئے ہیں۔

مولوی عبیداللہ نو مسلم سکھ پنجابی ہیں انہوں نے دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور یو۔پی میں تعلیم پائی ہے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد انھوں نے بارہ برس سندھ میں گذارے۔ جہاں وہ بہت با اثر ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے جنونی جذبات رکھنے والوں کے لئے مدرسہ قائم کیا تھا۔ پھر وہ دیوبند میں استاد بن کر واپس آئے اور انھوں نے جمعیۃ الانصار قائم کی۔ یہ دیوبند کے پرانے طالب علموں کی انجمن تھی۔ بظاہر یہ بالکل بے ضرر تھی۔ لیکن اس کے مقاصد جیسا کہ اب واضح ہوا ہے باغیانہ تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں ایک استاد کی حیثیت سے مولوی عبیداللہ نے بڑی کامیابی کے ساتھ کئی اساتذہ کی وفاداری کو متاثر کیا۔ جن میں خصوصیت سے مولانا محمود الحسن صدر مدرس شامل ہیں۔ وہ نہایت با اثر عالم ہیں۔ اس معاملہ میں آگے پھر ان کا ذکر آئیگا۔

اساتذہ میں اختلافات[۲] کے باعث بالآخر مولوی عبیداللہ کو برطرف کر دیا گیا۔ ۱۹۱۳ء میں وہ دلی میں متوطن ہو گئے اور ترکوں کے مشہور حامی۔ رام پور کے مولانا محمد علی مدیر کامریڈ کے گہرے دوست بن گئے۔

عبیداللہ نے دلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے عربی کا ایک مدرسہ بھی قائم کیا[۳]۔ حالیہ تحقیقات سے ظاہر ہوا ہے کہ اس کے قیام کا مقصد اسے اتحاد اسلامی کی سازش کا ہیڈ کوارٹر بنانا تھا۔

---

[۱] یہ بالکل غلط ہے۔ عبدالباری کا بیان جو آخر میں دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبیداللہ رحمۃ اللہ سے ان طلبہ کی ملاقات کابل میں ہوئی ہندوستان میں ان سے ملاقات بھی نہیں ہوئی انہیں عبدالباری کا بیان ہے کہ مولانا ابوالکلام اس بات کے خلاف تھے کہ ہم ہجرت کریں۔ ان کا خیال تھا کہ تم باہر جا کر کچھ نہیں کر سکوگے۔ ہم نے ان کے مشورہ کے خلاف اپنی روانگی طے کر لی۔ عبدالباری کا بیان یہ ہے کہ برطانوی اقتدار سے نفرت اور ہجرت کا اصل محرک وہ توہین آمیز پروپیگنڈا تھا کہ مشہور کیا جا رہا تھا کہ ترک کہتے ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ قیصر رسول اللہ۔

[۲] یہ غلط ہے مولانا عبیداللہ کا خود اپنا بیان یہ ہے کہ ان کا کام دیوبند سے دہلی منتقل کر دیا گیا۔ تفصیل مقدمہ میں گذر چکی ہے۔ [۳] یہ بھی غلط ہے یہ تربیت گاہ بقول مولانا عبیداللہ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ قائم کی تھی یہ م۔ تفصیل مقدمہ میں گذر چکی ہے۔

(۵) آزاد علاقہ کو مولوی سیف الرحمٰن کا مشن

آئیے اصل واقعات کی طرف لوٹیں جون ۱۹۱۵ء میں مولوی سیف الرحمٰن جو فتحپوری مسجد میں استاد تھے اچانک غائب ہو گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شمالی مغربی سرحد کو عبور کر کے آزاد علاقہ میں پہنچ گئے ہیں۔

وہ فوراً حاجی صاحب ترنگ زئی سے وابستہ ہو گئے وہ ضلع پشاور کا ایک پرجوش لیکن بااثر کٹر متعصب ہندوستانی تھا۔ اور ہجرت کر کے آزاد علاقہ میں آگیا تھا۔

اس نے[۱] حاجی صاحب کو مجبور کیا کہ علم جہاد بلند کرنے کی ان تھک کوشش میں سرحد کا دورہ کریں۔ وہ کامیاب رہا۔ اس کا ثبوت ان واقعات سے مل گیا۔ جن کے نتیجہ میں ۱۵ ر اگست ۱۹۱۵ء کو رستم کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں کئی متعصب ہندوستانی کام آئے۔

اس کے بعد ہماری سرحدوں پر رہنے والے قبائل کی بے چینی اور شورشیں بھی حاجی صاحب کی کوششوں کا نتیجہ تھیں۔ اس وقت یہ بات معلوم نہ تھی لیکن بعد میں اس بات کی تصدیق ہو گئی۔ کہ سیف الرحمٰن کے مشن کی ذمہ داری بھی عبید اللہ پر[۲] ہے۔ یہ اس کی سازش کا ایک لازمی حصہ تھا۔

مولوی عبید اللہ کا فرار کابل کابل میں ہندوستانیوں کی سازشیں اگست ۱۹۱۵ء اور بعد کے واقعات

اسی ماہ یعنی جون ۱۹۱۵ء سے سرکاری کاغذات سے مولوی عبید اللہ کا کچھ پتہ نہیں چلتا اس کے بعد سے انہیں برطانوی ہند میں نہیں دیکھا گیا۔

اب معلوم ہوا ہے کہ سندھ میں چند ماہ کے قیام میں انھوں نے اپنے پرانے روابط کو تازہ کیا۔ اپنے باغی دوستوں سے صلاح و مشورہ کیا

---

[۱] یہ بھی غلط ہے حاجی صاحب ترنگ زئی کو حضرت شیخ الہند نے مجبور کیا تھا۔ جیسا کہ مولانا حسین احمد صاحب رح کے بیان میں نقش حیات کے حوالہ سے گذر چکا ہے اور جیسا کہ استغاثہ کے فقرہ ۱۳۱ میں ہے۔

[۲] عبید اللہ پر نہیں بلکہ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ پر۔ ملاحظہ ہو نقش حیات ص ۲۰۹ ج ۲

اور ان سے خط وکتابت کے طریقے متعین کئے اور اس کے بعد اپنے حلیفوں کے ہمراہ براہ کوئٹہ وقندھار کابل کو روانہ ہو گئے۔ ۱۸ اکتوبر کو وہ کابل پہنچے اور لاہوری طلباء کو پہچان لیا جو اس وقت کابل پہنچ چکے تھے اور ترک جرمن مشن سے جس کے سرغنہ دو غدار ہندوستانی مہندر پرتاب اور برکت اللہ تھے اِن سے وہ جا کر مل گئے۔ مہندر پرتاب اور برکت اللہ نے براہ برلن وقسطنطنیہ کابل کا سفر کیا تھا۔ وہ قیصر جرمنی اور سلطان ترکی کے خطوط لائے تھے کہ افغانستان کو ہندوستان پر حملہ کے لئے آمادہ کر سکیں۔ کابل میں ہندوستانی سازشیوں نیز سردار نصر اللہ خاں اور افغانستان میں جنگ کے حامی عناصر کے درمیان کئی بار صلاح ومشورہ ہوا۔

روسی ترکستان قسطنطنیہ اور برلن کو برطانیہ کے خلاف مشن روانہ کئے گئے کابل میں موجود ہندوستانی سازشیوں اور ہندوستان میں موجود ان کے مشیروں کے درمیان بہت کافی خط وکتابت ہوئی جس کا نقطۂ عروج[۱] اگست ۱۹۱۶ء میں ریشمی خطوط کا پکڑا جانا ہے۔ جو ایک لاہوری طالب علم کے پاس سے برآمد ہوئے جو قاصد کا کام کر رہا تھا۔

(۶) مولوی محمود حسن کا حجاز کو مشن ستمبر ۱۹۱۵ء

در یں اثنا دیوبند کے ممتاز مولویوں کی دو جماعتیں ستمبر ۱۹۱۵ء میں حجاز کے لئے روانہ ہوئیں۔ یہ عام طور پر افواہ تھی کہ ان کا ارادہ ہجرت کرنے کا ہے۔ اور مخالف حکومت جذبے نے انکو اس اقدام پر آمادہ کیا ہے۔

یہ بھی افواہ تھی کہ وہ حجاز میں چند خاص ترک افسروں سے ملاقات کریں گے لیکن بر وقت کوئی ایسی اطلاع نہیں مل سکی جس سے ان کو ہندوستان ہی میں روکا جا سکے۔

بمبئی میں گرمجوشی سے رخصت کئے جانے کے بعد یہ دونوں جماعتیں ستمبر ۱۹۱۵ء میں بمبئی سے روانہ ہو گئیں مولوی خلیل احمد اور اُن کی پارٹی ۸ ار ستمبر ۱۹۱۵ء کو اور مولانا محمود حسن ...... اور اُن کی پارٹی ۸ ار ستمبر ۱۹۱۵ء کو روانہ ہوئیں۔

[۱] نقطۂ عروج نہیں نقطۂ زوال کیونکہ تحریک اس سے تین ماہ پہلے ترکوں کی شکست اور شریف مکہ کی بغاوت کے سبب ختم ہو چکی تھی (محمد میاں)

۱۹۱۵ء کے موسم خزاں میں اور ۱۹۱۶ء کے موسم بہار میں ان پارٹیوں کے بعض ارکین ہندوستان لوٹ آئے۔ لیکن جب تک کہ ریشمی خطوط کے ذریعہ ہمیں عبیداللہ کی سازش اور محمود حسن کے اس سے تعلق کے بارہ میں قابل اطمینان واقفیت حاصل نہ ہوئی ان میں سے کسی سے پوچھ تاچھ نہیں کی گئی۔

ساری سازش کا انکشاف ریشمی خطوط کے ذریعہ ہوا

اس سازش کے ارکین کو "جنود ربانیہ" (خدائی فوج) نام دیا گیا تھا۔ اس کے تمام ارکین کو فوجی عہدے دیئے گئے اور مدینہ کو اس کا خاص مرکز بنانا طے پایا تھا جہاں دیوبند کے مولوی محمود حسن کو القائد یا جنرل مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے ثانوی مراکز استنبول۔ تہران اور کابل تھے۔ کابل میں مولوی عبیداللہ کو قائم مقام جنرل مقرر کیا گیا تھا۔ اس فوج کا مقصد کافروں کے تحت حکومت ممالک اسلامیہ بالخصوص ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے سلاطین اسلامیہ کو متحد کرنا تھا۔ مولانا محمود حسن کے ذمہ یہ کام کہ وہ حجاز کے ذریعہ خلافت عثمانیہ سے رابطہ قائم کریں اور اس حکومت کو چند شرطیں ماننے پر آمادہ کریں۔ جن کے پورے ہونے پر حکومت افغانستان برطانیہ سے برسر جنگ ہو جائے گی۔ اس فوج کے جو افسران کابل میں تھے ان کے ذمہ تھا کہ وہ بھی اسی مقصد کے لئے افغانستان کے انٹی برٹش عناصر سے جوڑ توڑ کرتے رہیں اور آزاد قبائل میں برطانیہ کے خلاف ہر وقت عداوت اور دشمنی کے جذبات کو مشتعل کرتے رہیں۔

ہندوستان میں جو سازشی موجود تھے۔ ان کا کام (غالباً پرانی وہابی تحریک کے ذریعہ) روپیہ جمع کرنا تھا۔ تاکہ کابل ہندوستان اور حجاز میں سازش کے مصارف پورے ہو سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں ہندوستانی مسلمانوں میں مذہبی جنون کو اتنا زیادہ بڑھا دینا تھا کہ افغانستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ چھڑتے ہی وہ بھڑک کر ہر طرف آگ لگا دیں۔

اس فوج کے افسروں کی ایک فہرست خطوط کے ساتھ منسلک تھی۔ جس سے ظاہر ہو گیا کہ سازش کی ہدایت کرنے والی طاقت عبیداللہ کی تھی۔ اس فوج کے افسران واضح طور

پر چار گروپوں میں منقسم تھے۔

(۱) عبیداللہ کے کٹر متعصب جنونی دوست، پیرو اور رشتہ دار جو سندھ میں تھے اور اُن کے رابطے ہندوستان کے سب حصوں میں تھے۔

(۲) دیوبند (سہارنپور) اور دلّی کے مولویوں کا گروپ جنھیں عبیداللہ نے جب وہ دارالعلوم دیوبند میں اُستاد تھا۔ نیز جمعیۃ الانصار اور نظارۃ المعارف القرآنیہ سے تعلق کی بنا پر اپنے اثر میں لے لیا تھا۔

(۳) بہار۔ یو۔ پی، پنجاب اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ کے وہابی جو چندہ جمع کیا کرتے تھے

(۴) اتحاد اسلامی کے حامی مشہور لیڈر۔

جنود ربانیہ کی اسکیم ایک اور جماعت سے مربوط تھی جسے حکومت موقتہ ہندیہ کہا جاتا تھا۔ جس کے کارکنوں کے لئے مسلمان ہونا لازم نہ تھا راجہ مہندر پرتاپ اس کے صدر تھے وزیر اعظم مولوی برکت اللہ اور وزیر امور ہند مولوی عبید اللہ تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کا مقصد تھا ہند اور افغانستان میں تصادم۔ اور افغانستان میں جو غیر مطمئن ہندوستانی تھے اِن کے وفود کو غیر جانب دار یا دشمن ممالک میں بھیج کر جوڑ توڑ اور ساز باز کرنا۔

مختصر یہ کہ عبیداللہ کی اسکیم یہ تھی کہ ہندوستان میں اسلامی عسکریت یا ہوکھی ہڈیوں میں سے جن اجسام میں زندگی کی رمق باقی ہے۔ اُن سے کام لیا جائے اس طرح اس نے اپنی سازش میں وہابی تحریک کی باعمل سنہری مولوی طبقہ کا اسلامی جوش جذبہ اور اتحاد اسلامی کے حامیوں کی سیاسی توانائی اور تلخی کو یکجا کر دیا تھا۔

اس کا مزید منصوبہ یہ تھا کہ ایک دوسری سازشی جماعت (یعنی حکومت موقتہ ہند) کے پہلو بہ پہلو کام کیا جائے تاکہ ہندوؤں کے انقلاب پسند عناصر اس کی جانب ہیں۔

(۸) حجاز میں مولوی محمود حسن کی سرگرمیاں	اُن خطوط کے برآمد ہونے سے جو مدینہ طیبہ میں مولوی محمود حسن کے نام تھے۔ مولوی محمود حسن کی ہر یادی

گئے ان لوگوں کے خلاف تحقیقات شروع ہوئی جو واپس آچکے تھے۔ ان کے بیانات سے ہمیں حجاز میں مولوی محمود حسن کی سرگرمیوں کا کچھ اندازہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روانگی کے وقت بجز اس کے اور کچھ پیش نظر نہ تھا کہ ہمدردی رکھنے والے ترک افسروں سے ملاقات اور جوڑ توڑ کر کے ہندوستان کے خلاف یا افغانستان کی مدد کے لئے فوج بھجوائی ہے۔ کہ وہ ہم پر حملہ کر سکے۔

اس کی اور خلیل احمد[1] کی جماعتیں حجاز میں باہم مل گئیں۔ لیکن اس بات کا یقین نہیں کہ کیا مولوی خلیل احمد سازشیوں کے اندرونی رازوں سے واقف تھا اور نہ اس بات کا کہ کیا دونوں جماعتوں کے اراکین مساوی طور پر سازش میں ملوث تھے۔

محمود حسن نے حجاز کے والی غالب پاشا سے یقیناً غدارانہ ساز باز کی لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آخر الذکر نے اس مہم میں اس کی کچھ زیادہ ہمت افزائی کی۔ غالب پاشا نے کہا کہ ترک دوسرے قصوں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ اور وہ نہ تو افغانستان کو مدد بھیج سکتے ہیں اور نہ ہندوستان کو لشکر روانہ کر سکتے ہیں۔

تاہم انہوں نے مولانا کو ایک فرمان جہاد دیدیا جسے مولوی[2] محمد میاں نے ہندوستان پہنچا دیا۔ وہ اس جماعت میں شامل تھے جو جنوری ۱۹۱۵ء میں ہندوستان لوٹی تھی کہا جاتا ہے کہ آزاد علاقہ کے کٹر متعصب قبائل کو ہمارے خلاف مقابلہ میں لانے کے لئے اسے بڑے مؤثر طریقہ پر استعمال کیا گیا۔ اس کی نقلیں کر کے ہندوستان میں بھی تقسیم کی گئی تھیں۔

---

[1] حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا یہ سفر بمعیت اہلیہ محترمہ صرف حج و زیارت کے لئے تھا۔ کوئی سیاسی منصوبہ ان کے سامنے نہیں تھا۔ مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ نے ان کو اپنا ہمنوا بنا لیا جیسا کہ نقش حیات کے طویل اقتباس میں گذر چکا ہے ان کے ساتھ جو حضرات تھے وہ بھی سیاسیات سے خالی الذہن تھے ان کو سیاسی پارٹی قرار دینا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے اگر کوئی تعلق ہو گیا تھا تو اسکو تحریک میں شرکت سمجھنا رپورٹ مرتب کرنے والے کی غلطی ہے۔ (محمد میاں)

[2] مولوی محمد میاں نے نہیں بلکہ مولانا ہادی حسن صاحب نے ہندوستان پہنچائے بیشک ہندوستان سے مولانا محمد میاں ان کو آزاد علاقہ میں لے گئے۔
(ملاحظہ ہو نقش حیات)

یقین کیا جاتا ہے کہ مولوی محمود حسن اور مولوی خلیل احمد دونوں نے سنہ ۱۹۱۶ء میں کسی وقت حجاز میں جمال بے اور انور بے سے ملاقات کی تھی لیکن ان ملاقاتوں کے بارہ میں کسی اور تفصیل کا علم نہیں۔ مولوی خلیل احمد ستمبر سنہ ۱۹۱۶ء میں ہندوستان واپس آگئے جبکہ مولوی محمود حسن اور اُن کی جماعت کے چند منتخب ارکین حجاز ہی میں ٹھہرے رہے اور شاید اب بھی مدینہ میں ہیں۔

کسی وقت مولوی محمود حسن کو خیال ہوا تھا کہ وہ حجاز سے قسطنطنیہ جائے لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ اس نے اپنا یہ ارادہ پورا کر لیا ہو۔ ابھی حال ہی تک وہ مکہ میں تھا

دستخط

ڈی وی ویان

ایس سکریٹ ڈیپارٹمنٹ	رجسٹر نمبر ۳۶۸۸	قرطاس کارروائی

حکومت ہند کا تار — بتاریخ ۱۲ ستمبر ۱۹۱۷ء
موصولہ ۱۳ ستمبر ۱۹۱۷ء

	تاریخ	مختصر دستخط	موضوع
انڈر سکریٹری	۱۵ ستمبر		افغانستان ریشمی خطوط کا کیس باغیوں کی کارروائیاں سرحدی قبائلی علاقہ میں
سکریٹری آف اسٹیٹ	۱۵ ر		

نقول بنام ڈی ایم آئی الف آر
۱۹ ستمبر

برائے اطلاع

ایم سیہان اسے ملاحظہ کریں۔
دستخط ۱۳ ستمبر ۱۹۱۷ء

دیکھ لیا اور شکریہ کے ساتھ واپس ہے
دستخط ۱۴ ستمبر ۱۷ء

پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ۔ اس ٹیلیگرام کو چھاپنے سے پہلے کیا اس نمایاں غلطیوں کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔
دستخط
۱۵ ستمبر ۱۹۱۷ء

ایس آف ایس

حکومت ہند کے تار مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۱۶ء میں ریشمی خطوط کی سازش کو مختصراً بیان کیا گیا ہے (اس پر فلیگ (کاغذ کی چٹ) لگا دی گئی ہے) یہ بڑا خلاف عقل اور بعید از قیاس معاملہ تھا۔ لیکن اس کا انکشاف ہونے سے حکومت ہند ہندوستان میں ترکوں کے حامی ایجی ٹیٹروں کی ایک تعداد کو گرفت میں لے سکی اس وقت جو کاغذات ہاتھ لگے ہیں وہ امیری روش کی شاندار سند ہیں۔

یاغستان ۔ شمالی مغربی سرحد پر آزاد قبائلی علاقہ۔

مجاہدین ۔ ہندوستانی متعصب جن کے ساتھ حکومتِ ہند نے حال ہی میں عارضی التوائے جنگ کیا ہے۔

محمود حسن ۔ ترکوں کا حامی ہندوستانی مسلمان ہے۔ جو جنگ کے شروع میں مدینہ چلا گیا تھا۔

پھر ہم نے اسے مالٹا جلا وطن کر دیا تھا۔

دستخط ــــــــــ

۱۵ ستمبر ۱۹۱۷ء

ٹیلیگرام ازطرف وائسرائے فارن ڈیپارٹمنٹ

مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۱۷ء موصولہ ۱۱ بجے شب

پی ۳۶۸۸
۱۹۱۷ء

خفیہ = ریشمی خطوط کا کیس ہمارا ٹیلیگرام مورخہ ۲۳ ستمبر ۱۹۱۷ء
سی آئی ڈی کے ایک ایجنٹ کے ذریعہ مزید دستاویزات ہمارے ہاتھ لگی ہیں جس نے باجوڑ میں موجود سازشیوں کا اعتماد حاصل کرلیا تھا۔ اور حج و زیارت کے بہانے انور پاشا کو کچھ دستاویزات پہنچانے کے لئے خود کو نامزد کرالیا تھا۔

ان دستاویزات میں یہ چیزیں شامل ہیں۔

(پہلی دستاویز) سلطان کی خدمت میں حزب اللہ کی طرف سے عرضداشت جس پر حاجی ترنگ زئی، ببرا ملّا اور دو ہندوستانی مجاہدین کی مہریں ثبت ہیں۔

(دوسری دستاویز) یاغستان کے خانوں اور علماء کی عرضداشت جس پر ببرا ملّا چار باجوڑی باشندوں اور دو مجاہدین کے دستخط ہیں۔

(تیسری دستاویز) محمد میاں مہاجر کا وضاحتی خط جو "جنود ربانیہ" میں لفٹننٹ جنرل ہے۔ اور ریشمی خطوط میں جس کا تذکرہ ہے۔

دونوں عرضداشتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ صلح کانفرنس میں ترکوں کے اقتدار اعلیٰ کے تحت اس علاقہ کی آزادی کا تعین کرایا جائے۔ ترکی افسروں کو روانہ کیا جائے کہ وہ یہاں شہری نظم قائم کریں۔ اور اسے ترقی دیں۔

عرضداشت ۱ میں مزید کہا گیا ہے کہ اگر دوران جنگ ایک مختصر ترکی فوج اسلحہ و رسد لے کر یاغستان پہنچ جائے تو لاکھوں غازی اٹھ کھڑے ہوں گے اور افغانستان کو جنبش میں لانے کے واسطے بھی یہ چال مناسب ہوگی۔ عرضداشت ۲ میں کہا گیا ہے کہ مزید تشریح اور تفصیلی وضاحتیں دستاویز ۳ میں ملیں گی۔

محمد میاں مجاہد کا خط اگرچہ مولانا محمود حسن کے نام ہے جو اس وقت مالٹا میں نظر بند ہیں۔ لیکن یہ خط انور (بے) کو بھی دیا جانا تھا۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ افغانستان میں تحریک کی ناکامی کا سبب ہے انگلستان سے امیر کی دوستی اور اسلام سے غداری۔

اس نے علماء اور قبائلی ملکوں کی کونسل قائم کردی۔

نصر اللہ کے ایما سے تیراہ میں جو عرب سفارت روانہ کی گئی تھی اس کی منظوری واپس لے لی اور نصر اللہ کو سرحدی معاملات کے محکمہ سے ہٹادیا اس لئے "راقم الحروف" نے افغانستان کے ذریعہ کام کرنے کی اسکیم کو ترک کردیا ہے اور سلطان کے نام پر یاغستان میں کام شروع کردیا ہے۔ یہاں پر امیر کے اثر سے تحریک میں رکاوٹ پڑ رہی ہے۔ تیراہ میں کوئی خیل قبائل میں امیر کی مخالفت کے باعث کوئی کامیابی نہیں ہوسکی امیر کی طرف سے امداد نہ ملنے کے باعث مہمند قبائل کا جہاد ناکام ہوگیا۔ امیر کی انگریز دوستی کی وجہ سے باجوڑ میں جوش و جذبہ سرد پڑ رہا ہے۔ لیکن ابھی حالات مایوس کن نہیں ہیں۔

امیر کی غداری کے باعث یاغستان میں اتحاد اسلامی کی تحریک کو جو نقصان پہنچا ہے۔ اس کی کسی طرح تلافی نہیں ہوسکتی۔ عام صورت حال مقامی طور پر امید افزا ہے۔ لیکن امیر اب تک نہیں بدلا ہے۔

اگر ہندوستان پر حملہ کرنا ہے تو عثمانی فوج کے کچھ افسران اور رسد یاغستان روانہ کی جائے۔ اگر یہ ناممکن ہے تو عثمانی سیاست داں عثمانی سرمایہ سے یاغستان کو ترقی دیں۔ اور وسط ایشیا میں یاغستان کی وہی حیثیت بنادیں جو افغانستان کی ہے۔

لیکن انگلستان سے امیر کے میثاق کے باعث اس میں بھی مشکلات پیش آئیں گی۔

خط کے اختتام پر حکومت موقتہ ہند (میں نے اپنے تار مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۱۶ء میں جس کو بیان کیا تھا) کو کٹر ہندو قرار دیکر اس کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ جس کا رکن خود مراسلہ نگار ہے۔

محمد میاں نے ایک الگ خط میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ایران کے ذریعہ یا روس کے ساتھ گفتگو ہونے پر روسی ٹرین کے ذریعہ ترکی فوج اگر ہرات پہنچ سکے تو نصر اللہ امیر کے خلاف افغانستان میں علم بغاوت بلند کر کے ہندوستان پر حملہ کر سکتا ہے۔

اصل خط اور عرضداشتوں کے لہجہ اور انداز سے نیز اس واقعہ سے کہ مراسلہ نگار ایک برس سے افغانستان نہیں گیا تھا اور اس کے ایلچی سے جسے اس نے ذرا پہلے روانہ کیا تھا نصر اللہ نے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان سب باتوں سے ان الفاظ کی تردید ہوتی ہے جو خط کے آخر میں بڑے اعتماد کے ساتھ بڑھائے گئے تھے۔

اِن دستاویزات کے فوٹو لئے جانے کے بعد مخبر سازشیوں کے پاس واپس چلا جائیگا۔ اصلی خط اس کے ساتھ ہوں گے۔ وہ جاکر انہیں بتائیگا کہ حاجیوں کا جہاز نکل گیا تھا۔ اس کے بعد ممکن ہے یہ کوشش کی جائے کہ اس کو روس کے راستہ سے بھیجا جائے۔

اگر یہ خط انور پاشا کو مل بھی گئے تو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے گا ہمیں اس کا جواب مل جائے گا اور سازش کی ڈوریاں ہمارے ہاتھوں میں رہیں گی۔

استغاثہ

از ملک معظم شہنشاہ ہند۔ بنام عبید اللہ وغیرہ

سلسلۂ واقعات

۱۹۰۹ء عبید اللہ نے دیوبند میں جمعیۃ الانصار قائم کی ستمبر ۱۹۱۱ء جنگ طرابلس کا آغاز۔

۱۹۱۲ء ابو الکلام آزاد نے کلکتہ میں جمعیۃ حزب اللہ قائم کی۔ ماہ اکتوبر ۱۹۱۲ء جنگ طرابلس کا خاتمہ۔

ماہ اگست ۱۹۱۳ء دوسری جنگ بلقان کا اختتام۔

یکم نومبر ۱۹۱۳ء۔ عبید اللہ نے دلی میں نظارۃ المعارف القرانیہ قائم کی۔

نومبر ۱۹۱۴ء ترکی برطانیہ کے خلاف جنگ میں شامل ہوگیا۔

۵ر فروری ۱۹۱۴ء لاہور کے پنجابی مہاجر طلبار نے سرحد پار کرلی۔

جون ۱۹۱۵ء۔ مولانا محمود الحسن نے مہاجر علمار کو سرحد پار روانہ کردیا۔

اگست ۱۹۱۵ء۔ ابو الکلام آزاد نے کلکتہ میں دارالارشاد کا آغاز کردیا۔

اگست ۱۹۱۵ء مہمند اور دوسرے قبائل کی سرحد پر لڑائیاں۔

اگست ۱۹۱۵ء عبید اللہ کی ہندوستان سے آزاد علاقہ کے لئے روانگی۔

اگست ۱۹۱۵ء مہندر پرتاپ اور برکت اللہ کے ہمراہ مخالف مشن کا کابل میں ورود

۱۸ر ستمبر ۱۹۱۵ء ابو الکلام آزاد نے صدر الدین کو مجاہدین میں روانہ کردیا۔

۱۸ر ستمبر ۱۹۱۵ء مولانا محمود الحسن اور ان کے ساتھی ہندوستان سے حجاز جانے کیلئے روانہ ہوگئے۔

نومبر ۱۹۱۵ء حجاز سے مطلوب الرحمٰن کی ہندوستان میں واپسی۔

فروری ۱۹۱۶ء حجاز سے محمد میاں اور مرتضیٰ کی ہندوستان میں واپسی۔

۳۱ ر مارچ ۱۹۱۶ء فضل الرحمن نے برکت اللہ کا خط اور جہاد کا فتویٰ۔
مولانا حبیب الرحمن کو علی گڑھ میں دکھایا۔
اپریل ۱۹۱۶ء محمد میاں نے غالب نامہ لے کر سرحد پار کی۔
۹، ۱۰ر جولائی ۱۹۱۶ء عبید اللہ اور محمد میاں نے مولانا کو ریشمی خطوط لکھے۔
۱۵ر اگست ۱۹۱۶ء عبد الحق مع ریشمی خطوط ملتان میں گرفتار۔
ستمبر ۱۹۱۶ء۔ ہندوستان میں بعض سازشیوں کی گرفتاری اور تلاشیاں
ستمبر ۱۹۱۶ء عبد الرزاق نے مسعود کو روپیہ دے کر مولانا کے پاس
مکہ روانہ کیا۔
دسمبر ۱۹۱۶ء جدہ میں مولانا اور ان کے ساتھی گرفتار۔ برطانوی حکام نے
انہیں خارج البلد کر دیا۔

بالکل خفیہ (۱)

استغاثہ

ملک معظم شہنشاہ ہند

بنام

عبیداللہ وغیرہ[1]

دفعہ ۱۲۱ الف ضابطہ فوجداری ہند۔

بیان استغاثہ سپرنٹنڈنٹ پولیس عرض گذار ہے کہ

مندرجہ ذیل اشخاص نے یکم جنوری سنہ ۱۹۱۳ء اور یکم جنوری سنہ ۱۹۱۷ء کے درمیان برطانوی ہند کے اندر اور باہر سازش کی ہے۔ ملک معظم شہنشاہ کی افواج کے خلاف جنگ کرنے کی، جنگ کے لئے کوشش کرنے کی، اور جنگ میں مدد دینے کی کوشش کرنے کی یا اس بات کی کوشش کی ہے کہ ملک معظم شہنشاہ کو برطانوی ہند کے اقتدار اعلیٰ سے محروم کردیں۔

یہ کارروائیاں ضابطہ فوجداری ہند کی دفعہ ۱۲۱ الف کے تحت مستلزم سزا ہیں۔

(۱) عبدالعزیز مولوی پسر حبا گل آف اتمان زئی پشاور (مفرور ہے)

(۲) عبدالباری۔ بی، اے پسر غلام جیلانی آف لائل پور۔ (ہندوستان میں داخلہ روکنے کے آرڈی نینس کے تحت پنجاب میں نظر بند ہیں)

(۳) عبدالحئی خواجہ پسر خواجہ عبدالرحمن آف گورداسپور۔ (ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت پنجاب میں اس کی نقل وحرکت پر پابندی ہے)

(۴) عبدالحق شیخ۔ عرف جیون داس آف ضلع شاہ پور)

---

[1] مقدمہ کے عنوان میں صرف عبیداللہ کا نام ہے باقی مدعا علیہ ۵۹ حضرات ہیں جن کے نام چند سطروں کے بعد آرہے ہیں۔ محمد میاں۔

(ڈیفنس ایکٹ کے تحت اس کی نقل وحرکت کو پنجاب میں محدود کردیا گیا ہے) یہ سلطانی گواہ ہے[1]۔

(۵) عبدالحق مولوی آف رفاہِ عام پریس لاہور۔
(ڈیفنس ایکٹ کے تحت اس کی نقل وحرکت کو پنجاب میں محدود کردیا گیا ہے)

(۶) عبدالمجید خاں۔
پندرھویں گھڑ سوار فوج کے ایک رسالدار میجر کا لڑکا ہے۔ (وفات پا چکا ہے)

(۷) عبداللہ مولوی پسر نہال خاں آف ضلع سیالکوٹ۔
(ڈیفنس ایکٹ کے تحت اس کی نقل وحرکت کو پنجاب میں بند کردیا گیا ہے) سلطانی گواہ ہے۔

(۸) عبدالقادر بی اے پسر احمد دین آف لائل پور۔
(ہندوستان میں داخلہ روکنے کے آرڈیننس کے تحت پنجاب میں نظر بند ہے)

(۹) عبدالرحیم سندھی شیخ پسر لالہ بھگوان داس آف حیدرآباد سندھ
(مفرور ہے)

(۱۰) عبدالرحیم مولوی پسر رحیم بخش مسجد چنیاوالی لاہور۔
مفرور ہے)

(۱۱) عبدالرشید
مردان و لاہور کا مہاجر طالب علم۔ (مفرور ہے)

(۱۲) عبدالرزاق۔ انصاری حکیم پسر عبدالرحمن آف دہلی۔

(۱۳) عبدالواحد[2] (یا عبدالوحید) پسر صادق احمد آف ٹانڈہ صوبہ جات متحدہ۔
(برطانوی ہند کے باہر نظر بند ہے)

---

[1] سلطانی گواہ عموماً وعدہ معاف گواہ کو کہا جاتا ہے مگر جیسا کہ دیباچہ کے دوسرے فقرہ سے معلوم ہوتا ہے اس فہرست میں سلطانی گواہ اس کو لکھا ہے جس کے متعلق توقع ہے کہ وہ عدالت میں اس بیان کا اعادہ کریں گے یعنی وہ فقرہ جو ان کے پورے بیان میں پولیس کی منشا کے موافق قصداً یا بلا قصد آ گیا ہے اس کو دھر لیں گے خواہ وہ کیس میں برابر درجہ کے ملزم رہیں چنانچہ یہ عبدالحق صاحب زیر حراست میں حراست ختم کرنے کا کوئی وعدہ فی الحال کوئی توقع مگر ان کو سلطانی گواہ قرار دیدیا۔ [2] مولانا وحید احمد خلف حضرت مولانا محمد صدیق صاحب (رحمہا اللہ) مدینہ طیبہ سے حضرت شیخ الہند کے ساتھ گرفتار کرلئے گئے تھے۔

(۱۴) ابوالکلام آزاد مولوی۔ کنیت محی الدین پسر مولانا خیر الدین آف کلکتہ (ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت بہار واڑیہ میں اس کی نقل وحرکت کو محدود کر دیا گیا ہے)

(۱۵) ابو محمد احمد مولوی عرف مولوی احمد پسر غلام حسین آف لاہور وچکوال۔
(ڈیفنس ایکٹ کے تحت اس کی نقل وحرکت کو پنجاب میں محدود کر دیا گیا ہے)

(۱۶) احمد علی مولوی پسر حبیب اللہ گوجرانوالہ ضلع
(ڈیفنس ایکٹ کے تحت اس کی نقل وحرکت کو پنجاب میں محدود کر دیا گیا ہے)
(سلطانی گواہ ہے)

(۱۷) احمد میاں مولوی۔ پسر عبداللہ انصاری آف انبٹھ ضلع سہارنپور صوبہ جات متحدہ (سلطانی گواہ)

(۱۸) اللہ نواز خاں پسر خان بہادر رب نواز خاں آنریری مجسٹریٹ ملتان پنجاب
(مفرور ہے)

(۱۹) انیس احمد بی اے مولوی۔ پسر ادریس احمد اسسٹنٹ سکرٹری۔ اینگلو اورنٹیل کالج۔ علی گڑھ صوبہ جات متحدہ۔

(۲۰) عزیز گل مولوی پسر شہید گل آف درگائی شمالی مغربی سرحدی صوبہ (برطانوی ہند کے باہر نظربند ہے)

(۲۱) برکت اللہ مولوی محمد آف بھوپال وجاپان۔
(مفرور ہے)

(۲۲) فتح محمد سندھی آف روک سندھ
(مفرور ہے)

(۲۳) فضل الحسن مولوی عرف حسرت موہانی آف علی گڑھ۔
(ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت صوبہ جات متحدہ میں دو برس قید محض کی سزا بھگت رہا ہے)

(۲۴) فضل الٰہی مولوی پسر میراں بخش آف ہری پور تھانہ وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ

پنجاب (مفرور ہے)

(۲۵) فضل محمود مولوی پسر مولوی نور محمد آف چارسدہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ

(مفرور ہے)

(۲۶) فضل ربی۔ مولوی آف پشاور۔

(مفرور ہے)

(۲۷) فضل واحد مولوی پسر فیض احمد عرف حاجی ترنگ زئی شمالی مغربی سرحدی صوبہ

(مفرور ہے)

(۲۸) حبیب اللہ غازی پسر روح اللہ آف کاکوری ضلع لکھنؤ صوبہ جات متحدہ

(مفرور ہے)

(۲۹) ہادی حسن سید۔ آف خان جہاں پور ضلع مظفر نگر صوبہ جات متحدہ

(۳۰) حمد اللہ مولوی پسر حاجی سراج الدین آف پانی پت۔

(ڈیفنس ایکٹ کے تحت نقل و حرکت پنجاب میں محدود ہے)

(۳۱) حسین احمد مدنی مولوی پسر مولوی حبیب اللہ آف فیض آباد و مدینہ

(ہندوستان سے باہر نظر بند ہے)

(۳۲) ابراہیم سندھی۔ ایم اے شیخ پسر عبد اللہ آف کراچی۔

(مفرور ہے)

(۳۳) کالا سنگھ لدھیانہ پنجاب کا تارک وطن جو واپس آگیا تھا (مفرور ہے)

(۳۴) خان محمد خاں حاجی آف پشاور۔

(وفات پاگیا)

(۳۵) خوشی محمد پسر جان محمد آف تلولی ضلع جالندھر پنجاب۔

(مفرور ہے)

(۳۶) مہندر پرتاب کنور۔ پسر سونگبا شی راجہ گھنشیام سنگھ آف مرسان

صوبہ جات متحدہ ۔

(مفرور ہے)

(۳۷) محمود حسن مولانا سابق صدر مدرس مدرسہ دیوبند صوبہ جات متحدہ
(برطانوی ہند کے باہر نظر بند ہے)

(۳۸) مطلوب الرحمن مولوی آف دیوبند
ایگریکلچرل ڈیپارٹمنٹ حکومت یوپی کا ملازم ہے ۔

(۳۹) محی الدین عرف برکت علی مولوی آف قصور ۔
(ڈیفنس ایکٹ کے تحت نقل و حرکت پنجاب میں محدود ہے)

(۴۰) محی الدین خاں مولوی آف مراد آباد ۔
قاضی بھوپال

(۴۱) محمد عبداللہ بی اے پسر شیخ عبدالقادر سکریٹری ۔ میانوالی ڈسٹرکٹ بورڈ
(مفرور ہے)

(۴۲) محمد علی ۔ بی اے پسر عبدالقادر آف قصور ۔
(مفرور ہے)

(۴۳) محمد علی ۔ سندھی پسر حبیب اللہ آف گجرانوالہ ۔
(مفرور ہے)

(۴۴) محمد اسلم عطار ۔ آف پشاور ۔
(ہندوستان میں داخلہ کے لئے آرڈیننس کے تحت شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں نظر بند ہے)

(۴۵) محمد حسن ۔ بی اے آف لاہور جس کا باپ پیسہ اخبار میں ملازم تھا ۔
(مفرور ہے)

(۴۶) محمد ہاشم مولوی سید آف کوڑا جہاں آباد فتح پور ۔
(ہندوستان میں داخلہ روکنے کے آرڈیننس کے تحت یوپی میں نظر بند ہے ۔

(۴۷) محمد مسعود۔ مولوی پسر مظہر حسین آف دیو بند صوبہ جات متحدہ
(سلطانی گواہ)
(۴۸) محمد میاں مولوی پسر مولوی عبداللہ انصاری آف انبیٹھہ ضلع سہارنپور صوبہ جات متحدہ (مفرور ہے)
(۴۹) محمد مبین مولوی پسر محمد مومن آف دیوبند۔ (سلطانی گواہ)
(۵۰) محمد مرتضیٰ۔ مولوی سید پسر بنیاد علی آف بجنور صوبہ جات متحدہ۔
(سلطانی گواہ)
(۵۱) نور الحسن سید آف تھیڑی ضلع مظفر نگر۔ یو پی۔
(۵۲) عبید اللہ مولوی عرف بوٹا سنگھ آف سیالکوٹ پنجاب۔ (مفرور ہے)
(۵۳) صدر الدین عرف ڈاکٹر عبد الکریم۔ ااسی پسر امیر علی آف بنارس (ہندوستان میں داخلہ روکنے کے آرڈیننس کے تحت یو۔ پی میں نظر بند ہے)
(۵۴) سیف الرحمٰن مولوی پسر غلام خاں آف پشاور ضلع سرحدی صوبہ۔
(مفرور ہے)
(۵۵) شاہ بخش۔ حاجی پسر امام بخش انصاری آف حیدرآباد سندھ۔
(ہندوستان میں داخلہ روکنے کے آرڈیننس کے تحت سندھ میں نظر بند ہے)
(۵۶) شاہ نواز خاں۔ پسر خان بہادر رب نواز خاں آنریری مجسٹریٹ ملتان۔ پنجاب
(مفرور ہے)
(۵۷) شجاع اللہ پسر حبیب اللہ آف لاہور۔
(ہندوستان میں داخلہ روکنے کے آرڈیننس کے تحت پنجاب میں نظر بند ہے)
(۵۸) ولی محمد مولوی آف فتوحی والا۔ ضلع لاہور۔ پنجاب۔ (مفرور ہے)
(۵۹) ظہور محمد مولوی آف رڑکی پسر عنایت اللہ آف سہارنپور۔

(۲) سازش کے مقاصد۔

یعنی ہز مجسٹی کی افواج کے خلاف جنگ لڑنا یا جنگ لڑنے کی کوشش کرنا۔ جنگ لڑنے

یں مدد کرنا یا ہز مجسٹی کو ہند کے اقتدار اعلیٰ سے محروم کرنا

سازش کے مقاصد کس طرح حاصل کئے جانے تھے

طریقے اور منصوبے | ہندوستانی مسلمانوں میں قرآن کی غلط تاویلات اور دوسرے طریقوں کے ذریعہ مذہبی تعصب کو بھڑکا کر، سرحدی قبائل اور افغانستان میں برطانیہ کے خلاف نفرت (کے جذبات) ابھار کر۔ ان ممالک کے عوام کو برطانیہ کے خلاف جنگ پر آمادہ کر کے۔ سلطنت ترکیہ سے جنگی امداد لے کر اور ان مقاصد کے لئے چندہ جمع کر کے بالآخر ارادہ یہ تھا کہ جونہی بیرون سے کافی امداد و حمایت کا یقین حاصل ہو جائے ہندوستان میں برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی جائے۔

عمومی طور سے کیا بات ثابت کرنی ہے۔

۳۔ یہ بات ثابت کی جائیگی کہ سازش کے ارکان میں ربط و تعلق تھا۔ یہ کہ ان کی بعض نشستوں کا مقصد سازش کرنا اور اپنے مشترک مقصد کو آگے بڑھانا تھا یہ کہ بعض سازشیوں نے جمعیۃ الانصار۔ جمعیۃ حزب اللہ جیسے ادارے اور نظارۃ المعارف القرآنیہ اور دارالارشاد جیسی تعلیم گاہیں قائم کیں۔ اور یہ کہ برطانیہ کے خلاف جذبات بھڑکائے گئے اور ہندوستان کو دارالحرب یا ایسی سرزمین قرار دیا گیا جس میں دیندار مسلمانوں کو نہیں رہنا چاہیئے اور یہ کہ جہاد (مقدس جنگ) کی تبلیغ کے لئے لٹریچر جمع کیا گیا۔ اور اسے تقسیم کیا گیا۔ اور یہ کہ بعض سازشیوں نے فروری ۱۹۱۵ء میں ہجرت (مذہب کی خاطر کسی مسلم ملک کو ترک وطن) کی اور ہندوستان سے جہاد کرنے کے ارادہ سے سرحدی علاقہ کو چلے گئے۔ اور یہ طے کیا گیا کہ مجاہدین (ہندوستانی متعصبین) کے ساتھ تعاون کیا جائے گا جو حکومت برطانیہ کے اعلان کردہ دشمن ہیں۔ ان کو روپیہ اور گولی بارود مہیا کرنے کے واسطے قدم اٹھائے گئے۔

یہ کہ بعض سازشی جو مولوی ہیں جون ۱۹۱۵ء میں ہندوستان سے آزاد علاقہ کو چلے گئے اور وہاں انھوں نے قبائل کو برطانیہ کے خلاف جنگ کے لئے بھڑکایا جس کے نتیجہ میں

[1] شیخ الہند نے ہجرت کی ہدایت نہیں کی نہ ہجرت کی ہدایت کرنا انکی تحریک کا جزو تھا۔ یہاں طلبہ کا نظریہ تھا جنھوں نے بطور خود ہجرت کی تھی۔ (محمد میاں)

قبائلی لڑنے۔ اور یہ کہ وہ سازشیوں نے حقیقۃً لڑائی میں کچھ حصہ لیا۔

یہ کہ اگست ۱۹۱۵ء میں ہندوستان سے کابل گئے۔

یہ کہ دشمن ملک کا ایک مشن جس کے دوار کان سازش کے رکن بن چکے تھے۔ پہلے ہی کابل پہنچ چکے تھے۔

یہ کہ مختلف سازشیوں نے کابل میں مفید مشورے کئے جن میں برطانوی اقتدار کے خاتمہ کے بعد بننے والی حکومت ہند کے قیام کے بارہ میں مشورے کئے گئے۔ ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے مسلمانوں کی فوج بنانے کا خیال کیا گیا اور تمام اہم سازشیوں کو عہدے دیئے گئے۔ اور بعض سازشیوں پر مشتمل سفارتیں بعض خاص غیر ملکی طاقتوں کو اس عارضی حکومت کی طرف سے بھیجی گئیں۔

اس امر کی بار بار اور مصمم کوششیں کی گئیں کہ امیر کابل کو اکسا کر ناطرفداری ترک کرنے اور اپنے آپ کو ملک معظم کے دشمنوں کی رفاقت اختیار کرنے پر تیار کیا جائے۔

یہ کہ ہندوستان میں روپیہ جمع کیا گیا اور مولانا محمود الحسن بعض سازشیوں کے ہمراہ ہندوستان سے عرب روانہ ہوئے تاکہ ملک معظم کے دشمنوں کے ساتھ اقدامات میں ہم آہنگی پیدا کریں۔

اور یہ کہ واقعۃً انہوں نے ایسی موافقت اور ہم آہنگی پیدا کی اور سازشیوں کو ہندوستان واپس بھیجا تاکہ ان مشوروں اور ہدایات کو پورا کریں جو انہیں دیئے گئے تھے اس اثناء میں ہندوستان میں جو سازشی موجود تھے انھوں نے عربستان کی اور سرحد پار کی سازشی پارٹیوں سے رابطہ قائم رکھا۔ اور روپیہ جمع کیا اور ان دونوں پارٹیوں کو بھیجا۔

عبیداللہ بانی سازش اور دیوبند جہاں سے سازش کی ابتدا ہوئی

۴۔ سازشیوں نے ابتدا ہی میں سمجھ لیا تھا کہ عوام میں انتہائی تعصب (جنون) و تشدد پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان میں تبلیغ کرنے کیلئے مشنری تیار کئے جائیں نیز یہ لوگ مولوی طبقہ کے ہونے چاہئیں۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ سازش کے بانی مبانی مولوی عبیداللہ نے دیوبند میں مولویوں کے اہم مدرسہ کا

استعمال کیا ہے تاکہ یہ کہا جا سکے کہ سازش کی شروعات دیوبند سے ہوئی ہے۔

عبیداللہ جو نو مسلم سکھ تھا (اس کا مذہبی جنون انتہا کو پہنچا ہوا تھا) اُس نے خود بھی دیوبند میں تعلیم پائی تھی۔

دیوبند کا مدرسہ اور مولانا محمود حسن[1]

۵- دیوبند کا مدرسہ مولانا محمد قاسم نے قائم کیا تھا وہ مشہور عالم دین ہے تاہم غدر کے وقت برطانیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں مولوی حاجی امداد اللہ کا شریک ہو گیا تھا۔ ان دونوں مولویوں کو چھپ جانا پڑا تھا۔ حاجی امداد اللہ خفیہ طور سے ملک چھوڑ کر حجاز جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جہاں کئی برس بعد اس کی وفات ہو گئی تھی۔

مولوی محمد قاسم ہندوستان ہی میں رہے۔ اس کو گرفتار کیا گیا اس پر مقدمہ چلا۔[2] لیکن وہ بری ہو گیا۔ اُس نے دیوبند میں زندگی گذاری اور وہیں اس کی وفات ہوئی۔ جہاں اس کا سب سے زیادہ احترام کیا جاتا تھا۔

مولانا محمود حسن شاید اس کا سب سے زیادہ وفادار پیرو تھا۔ جو برسوں دیوبند کے مدرسہ کا صدر مدرس رہا۔

مولانا پر عبیداللہ کے اثرات

۶- مدرسہ میں عبیداللہ کا ضرر رساں اثر تیزی سے پھیلنے لگا اور اس نے مدرسہ کے اساتذہ اور طلباء میں بہت سے لوگوں میں اپنے باغیانہ افکار بھر دیئے۔

اس نے مولانا محمود الحسن کو اس سے پہلے ہی مکمل طور پر اپنا ہم خیال[3] بنا لیا تھا کہ مدرسہ کے منتظمین مدرسہ کو درپیش خطرات کا اندازہ کر سکیں اور عبیداللہ کو اسے چھوڑنے پر مجبور کریں۔

---

[1] انگریزی میں محمد حسن ہے۔ وہ غلط ہے [2] یہ غلط ہے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ گرفتار ہوئے تھے ان پر مقدمہ بھی چلا تھا۔ لیکن مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ گرفتار نہیں کیے گئے۔ نہ ان پر مقدمہ چلا۔ باوجودیکہ جہاد حریت ۱۸۵۷ء میں شریک رہے۔ شاملی کے میدان جنگ میں باقاعدہ حصہ لیا بلکہ پیش پیش رہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شاندار ماضی جلد چہارم (محمد میاں) [3] پہلے بھی گذر چکا ہے کہ یہ غلط ہے۔ مولانا عبیداللہ نے اثر نہیں ڈالا بلکہ حضرت شیخ الہند رح نے مولانا عبیداللہ کو متاثر کیا۔ ۱۲-

مولانا کو..... ان کے تبحر علمی کی وجہ سے نیز علوم دینیہ کے عالم اور رہنما ہونے کے باعث جو شہرت حاصل تھی اس کی وجہ سے ان کو سازش کا علامتی سربراہ بنایا گیا تھا۔

مدرسہ دیوبند سے کس طرح کام لینا تھا

۷۔ عبیداللہ کا منصوبہ تھا کہ مدرسہ کو اپنے کام کا ہیڈ کوارٹر بنائے اور اتحاد اسلامی اور برطانیہ دشمنی کی اپنی تحریک کو ان سینکڑوں مولویوں سے کام لے کر پورے ہندوستان میں پھیلا دے جو دیوبند کے مدرسہ میں تعلیم پاکر مذہب اسلام کے پرچار اور تبلیغ کے لئے ہندوستان میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

جمعیۃ الانصار کا قیام

۸۔ اس مقصد کے لئے اُس نے ۱۹۰۹ء میں ایک انجمن قائم کی جس کا نام جمعیۃ الانصار رکھا۔ جس کو انجمن طلبائے قدیم دیوبند کہا جا سکتا ہے طلبائے قدیم کی ایک تعداد کو وہ اس میں شامل کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا۔

چندے جمع کئے جاتے تھے۔ جن سے دیگر اشیاء کے علاوہ نئے اور قابل اعتراضات افکار و نظریات کے حامل اخبارات ہند و بیرون ہند میں تقسیم کرنے کے لئے خریدے جاتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ عبیداللہ نے انگریزی تعلیم پائے ہوئے لوگوں مثلاً انیس احمد بی۔ اے خواجہ عبدالحیٔ اور قاضی ضیاء الدین بی اے کو مدرسہ میں داخل کیا ان پر سیاسی رنگ چڑھا ہوا تھا ان کے بارہ میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ اعتدال پسند مسلم مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔

جمعیۃ کا اندرونی حلقہ

ان اشخاص کو جمعیۃ الانصار کے فنڈ سے وظائف دئے جاتے تھے۔ مولوی مرتضیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ عبیداللہ نے جمعیۃ الانصار کے اندر ایک خفیہ جماعت بنائی تھی۔ یہ ایک قسم کا اندرونی حلقہ تھا جس کے اغراض ومقاصد ظاہر نہیں کئے گئے تھے۔ لیکن رسواکن حد تک قابل اعتراض تھے چنانچہ مدرسہ کے سربراہ[1] نے موقعہ نکال کر مولوی عبیداللہ کو طلب کیا اور اس بارہ میں سخت سرزنش کی۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ جمعیۃ الانصار میں اس سازش کی بنیاد رکھی گئی تھی اور جب محمد میاں نے مولانا

[1] غالباً مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم مراد ہیں۔ آپ کی سرزنش کا مطلب یہ تھا کہ یہ کام اس طرح نہ ہونے چاہئیں کہ دارالعلوم نشانہ بن جائے مولوی صاحب کے بیان میں یہی ہے (محمد میاں)

محمود حسن کے نام خط میں لکھا تھا۔ کہ جمعیۃ کے تین ارکین سرفروشی کر رہے ہیں تو مرتضیٰ کی رائے میں اس کا مطلب اندرونی حلقہ کے تینوں ارکین سے تھا۔

سازشیوں میں سے ان اشخاص کا تعلق جمعیۃ الانصار سے ہے۔

(۱) مولوی عبید اللہ (جو ناظم تھا) (۲) مولوی ابو محمد احمد (جو نائب ناظم تھا) (۳) مولوی محمد میاں (۴) مولوی حمد اللہ (۵) مولوی انیس احمد (۶) مولوی خواجہ عبد الحیٰ (۷) مولوی مرتضیٰ (۸) اور مولوی ظہور محمد۔ مولوی مرتضیٰ دیوبند سے کافی غیر حاضر رہا۔ چنانچہ جمعیۃ کی اندرونی سرگرمیوں کے بارہ میں اطلاعات دستیاب نہیں کر سکا۔

دیوبند کا مدرسہ اب تک سیاست سے الگ تھلگ رہا تھا

۹۔ دیوبند کا مدرسہ شمس العلماء حافظ محمد احمد پسر مولانا محمد قاسم بانی مدرسہ کے محتاط انتظام میں انہی کے بہت سے برسوں میں سیاست سے بالکل پاک وصاف رہا تھا۔ اور اس کے مدرسوں اور متعلموں نے جدید سیاست یا امور خارجہ میں نہایت خفیف دلچسپی لی تھی یا مطلق دلچسپی نہ لی تھی۔ عبید اللہ کی آمد سے اور اس کے اثر سے مدرسہ کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا۔

مسلمانانِ ہند پر اٹلی اور بلقان کی جنگوں کے اثرات

۱۰۔ اس کی کوششیں نہایت بر وقت تھیں کیونکہ مسلمانانِ ہند نے بیرون ہند کے مسائل میں نسبتاً زیادہ دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔

مسلمانانِ ہند کے جذبات اٹلی اور ترکی کی جنگ (ستمبر ۱۹۱۱ء تا اکتوبر ۱۹۱۲ء) کے باعث برانگیختہ ہو گئے تھے اور بلقان کی جنگوں (اکتوبر ۱۹۱۲ء تا اکتوبر ۱۹۱۳ء) اور ان جنگوں سے متعلق برطانوی وزراء کے رویہ کی وجہ سے یہ جذبات اور زیادہ مشتعل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مولویوں کو آسانی سے یقین دلا دیا گیا کہ حکومت برطانیہ کی پالیسی مسلم دشمنی ہے۔ اور مدرسہ کا کام جاری رکھنے سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ چندہ جمع کر کے ترکوں کو روانہ کیا جائے۔ جب ترکوں کی مدد کے لئے چندہ جمع کرنے کا سوال اٹھا تو مولانا محمود حسن نے خود مشورہ دیا کہ مدرسہ بند کر دیا جائے اور یہ رائے دی کہ مدرسہ

سکے لئے اس کام سے بڑھکر اور کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ مولوی مرتضیٰ نے جو مولانا کا معتمد تھا بتایا ہے کہ مولانا کی اس تجویز کے پس پردہ یہ خیال چھپا ہوا تھا کہ یہ مسلمانوں کے لئے اعلان جہاد کا وقت ہے۔ اس لئے انھوں نے مشورہ دیا کہ مدرسہ کو بند کر دیا جائے۔ اس کے بعد واقعتہً مدرسہ کو مختصر مدت کے لئے بند کر دیا گیا۔ اور بہت سے مولویوں نے گشت کرنا اور ترکوں کے لئے چندہ جمع کرنا شروع کر دیا۔

مدرسہ میں برطانیہ دشمن جذبہ

۱۱۔ یہ کام تو علانیہ اور کھلے خزانہ ہو رہا تھا۔ لیکن باغیانہ اثرات بھی کارفرما تھے۔ جن کی ایک علامت۔ برطانوی مال کے بائیکاٹ کی تحریک تھی۔ مولوی فضل الرحمٰن جو علی گڈھ میں پہلے سے برطانیہ کے خلاف بائیکاٹ تحریک چلا رہے تھے۔ دیوبند پہنچے اور مولوی انیس احمد نے مولانا محمود حسن سے ان کا تعارف کرایا۔

دیوبند میں بائیکاٹ کی تحریک کو فروغ دینے میں انیس احمد نے خود بھی بڑا حصہ لیا۔ وہ[۱] گاؤں کے (بنے ہوئے) موٹے کھدر کے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ اس نے دیوبند کے ایک سینیئر مولوی کو بھی ایسا ہی کرنے کی ترغیب دی۔

کانپور کی مسجد کا قضیہ اور مسلمانوں کے جذبات

۱۲۔ اگست ۱۹۱۳ء میں کانپور کی مسجد کا واقعہ پیش آیا۔ اور مولوی عبید اللہ نے اس سے فائدہ اٹھانے میں دیر نہ کی۔ تاکہ حکومت برطانیہ سے مولانا کو جو آزردگی تھی۔ اسے اور بڑھا دیں اور انہیں یہ رائے قائم کرنے پر اکسائے کہ ہندوستان دار الحرب بن گیا ہے۔ کیونکہ حکومت اپنی رعایا کی مذہبی آزادی میں مداخلت کرتی ہے۔[۲]

۱۳۔ برطانوی حکومت سے اس آزردگی پر مستزاد وہ تلخی تھی جو مولانا کے احساسات

---

[۱] حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ جیسا کہ خود انیس احمد کے بیان میں ہے [۲] استغاثہ مرتب کرنے والوں کا تصور یہ ہے کہ سیاسی اور انقلابی رجحانات شیخ الہند کے طبع زاد نہ تھے بلکہ مولانا عبید اللہ نے پیدا کئے پھر جو حالات پیش آئے انہوں نے ان رجحانات کو اور پختہ کیا۔ لہٰذا ان حالات کے بیان کرنے میں زور قلم صرف کیا جا رہا ہے۔ اور تلخی کا افسانہ بھی گھڑا جا رہا ہے مگر واقعہ اس کے برعکس ہے شیخ الہند کے سیاسی رجحانات اس وقت سے تھے جبکہ مولانا سندھی دیوبند پہنچے بھی نہیں تھے ان رجحانات کو حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ کا فیض کہا جا سکتا ہے ان کو مولانا عبید اللہ کا ثمرہ قرار دینا سراسر لاعلمی اور ناواقفیت ہے۔ (محمد میاں)

(مزاج) میں شمس العلماء حافظ محمد احمد مہتمم و مولانا حبیب الرحمٰن نائب مہتمم مدرسہ کے رویہ سے پیدا ہوئی تھی۔

یہ لوگ محسوس کرتے تھے کہ مولانا کی شخصیت کی عظمت کے باعث اور لوگوں میں مولانا محمود حسن کا جو احترام ہے اس کی وجہ سے مدرسہ میں اُن لوگوں کا اثر کم ہوتا ہے۔ یوں مولانا سنجیدہ اور دوستانہ مشوروں سے محروم ہو گئے[۱]۔ اور عبید اللہ اور ابو الکلام آزاد وغیرہ کے مضر اثرات میں آگئے۔

ذمہ داران مدرسہ نے عبید اللہ انیس احمد وغیرہ نیز محمد میاں کو دیوبند سے نکال دیا

۱۴۔ مدرسہ کی نیک نامی کی بقا کے لئے مجلس منتظمہ نے فیصلہ[۲] کیا کہ عبید اللہ کو انیس احمد اور اس کے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ مدرسہ سے خارج کر دینا چاہیئے۔

مولانا نے اس فیصلہ کو پسند نہیں کیا وہ پہلے بھی مہتمم کی اس بات سے ناراض تھے کہ اس نے مولوی محمد میاں[۳] کو کسی قصور کی بناء پر مولانا کے مشورہ یا اطلاع کے بغیر دیوبند سے رخصت کر دیا تھا۔ جو ان کے نزدیک ان کی شان کے خلاف تھا۔

یہ مولانا محمد میاں اس لئے دیوبند بلائے گئے تھے کہ بعض کاموں میں مولانا کی مدد کریں۔ لیکن بعد میں یہ نہایت سرگرم سازشی بن گئے تھے۔

مولانا کی رہائش گاہ سازشیوں کی جلسہ گاہ بن گئی

۱۵۔ دیوبند سے عبید اللہ کے اخراج[۴] کے معنی یہ نہیں تھے کہ اس کا وہاں آنا جانا بند ہو گیا کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مولانا کی نشست گاہ

---

[۱] یہ استغاثہ نگار کا قیاس ہے حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ کا بیان یہ ہے کہ یہ رویہ اور یہ انداز مصلحت کی بناء پر تھا گورنر کو دار العلوم میں بلا گیا۔ اس کو ایڈریس دیا گیا اس روز مولانا آزاد بھی دیوبند پہنچ گئے۔ شیخ الہند کے مہمان ہوئے۔ شیخ الہند اپنے مہمان کے ساتھ اپنی نشستگاہ میں تشریف فرما رہے جلسہ میں نہیں گئے۔ ایڈریس آپ کی غیبوبت ہی میں پیش کیا گیا باایں ہمہ دار العلوم سے تعلق منقطع نہیں کیا بدستور صدر مدرس رہے اور درس دیتے رہے بہرحال یہ جو کچھ تھا نمایشی تھا بتقاضائے مصلحت ۱۲ [۲] یہ فیصلہ بھی نمایشی تھا کیونکہ مولانا سندھی رحمۃ اللہ کا بیان یہ ہے کہ پروگرام کے مطابق ان کا کام دیوبند سے دہلی منتقل کیا گیا۔ (محمد میاں) [۳] مولانا محمد میاں حضرت مہتمم دار العلوم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ کے حقیقی بھانجے تھے۔ ماموں نے اپنے بھانجے کو الگ کیا تو اس کے لئے شیخ الہند سے استصواب کی ضرورت نہیں تھی۔ نہ شیخ الہند کو شکایت ہو سکتی تھی۔ نہ اسکو خلاف شان کہا جا سکتا تھا۔ باقی جو کچھ تھا وہ بتقاضائے مصلحت تھا جس کو سی آئی ڈی نا واقف تھی کہ اسی لئے کہ یہ اخراج نمایشی تھا۔ ملاحظات

ریشمی خط ستمبر ۱۹۱۵ء تک جبکہ مولانا ہندوستان سے حجاز روانہ ہوئے۔ سازشیوں کی جلسہ گاہ بنی رہی عبید اللہ اور دوسرے لوگ مشوروں میں شریک ہونے کے لئے دیوبند آتے رہے۔

مہاجر مولویوں نے بھی دیوبند میں تعلیم پائی۔

۱۶۔ جہاد کی غرض سے سرحد کو جانے والے مولویوں میں فضل الٰہی، فضل محمود اور عبدالعزیز سب نے دیوبند میں تعلیم پائی تھی۔ جبکہ حاجی عبدالرزاق چیف جج کابل جو وہاں سازشیوں کا گہرا دوست تھا۔ مولوی ابو محمد احمد اور شاید دوسرے سازشیوں سے اُس وقت سے واقف ہو گیا تھا جبکہ وہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں دینیات کا طالب علم تھا۔

نظارۃ المعارف القرآنیہ

۱۷۔ دیوبند کو اپنے مشنریوں کی تربیت گاہ بنانے میں ناکام ہو جانے پر عبید اللہ[1] نے فیصلہ کیا کہ ایک مدرسہ دہلی میں اسی مقصد کے لئے قائم کرے۔

انیس احمد نے اپنے باپ مولوی ادریس احمد اسسٹنٹ سکریٹری علی گڑھ کالج کو اس نئے مدرسہ میں دلچسپی لینے پر راغب کر لیا۔ اور آخر الذکر نے علی گڑھ کے محمد اسحاق خاں کو اس کی سرپرستی پر آمادہ کر لیا۔ جس کے باعث ذی اثر اور باوقار لوگ بھی مدرسے کے منتظمین میں شامل ہو گئے۔

اور ان کی ذمہ داری پر ہرہائینس بیگم بھوپال اس کی سرپرست بن گئیں اور مدرسہ کو دو سو روپے ماہانہ تک کی مدد دینے لگیں۔

یہ مدرسہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ قرآن کی مبنیہ اصلی و حقیقی تشریح کیلئے قائم کیا گیا تھا۔ عربی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ لیکن اس کا کوئی تعلق اس معاملہ سے نہیں سازشیوں میں سے عبید اللہ اور احمد علی ناظم اور نائب ناظم تھے عبدالحئی اور انیس احمد کو وظیفہ ملتا تھا۔ مولانا محمود حسن۔ مولوی ابوالکلام آزاد اور مولوی فضل الحسن وزیر اور قصور کے محی الدین اس کے رفقاء میں شامل تھے۔

[1] پہلے گزر چکا ہے کہ نظارۃ المعارف مولانا سندھی نے نہیں بلکہ حضرت شیخ الہند نے قائم کیا تھا اور دلّی میں منتقل ہونا مولانا سندھی کا اپنی رائے سے نہیں بلکہ شیخ الہند کی ہدایت پر تھا۔

عبیداللہ کی طرف سے جہاد کی تعلیم

۱۸۔ عبیداللہ نے قرآن کی جو خاص تشریح و تفسیر بنائی وہ جہاد کی فرضیت کے بارہ میں تھی۔ بتایا گیا ہے کہ اس موضوع پر عبیداللہ کی تعلیمات کو انیس احمد نے تعلیم قرآن اور کلید قرآن نام کی دو کتابوں میں ۱۹۱۴ء ۱۹۱۵ء میں تعین وصراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

تعلیم قرآن اور کلید قرآن نامی کتابوں میں جہاد کی ترغیب

۱۹۔ ان دونوں کتابوں میں مختصراً ہندوستانی مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ ان کی موجودہ حالت محکومی کی وجہ صرف یہ ہے کہ انھوں نے ایک بڑے مذہبی فریضۂ جہاد کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شروع کے متبعین نے اس فریضہ پر عمل کر کے دنیاوی اقتدار اور مذہبی سربلندی حاصل کی تھی۔

کم از کم ان میں سے ایک کتاب عبیداللہ کی ہدایت پر احمد علی کی مدد سے اس وقت لکھی گئی جب کہ انیس احمد اور احمد علی دونوں نظارۃ سے تنخواہ پاتے تھے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ قانون کے مطابق ان کتابوں کے نسخے حکومت کو پیش کئے گئے بغیر ہی ان کی تقسیم شروع کر دی گئی۔

نظارہ سازشیوں کی جلسہ گاہ

۲۰۔ اس درس کے علاوہ جو نظارہ میں دیا جاتا تھا اور جو صریحاً درست نہیں تھا۔ یہ ادارہ سازشیوں کے وقتاً فوقتاً مل بیٹھنے کے لئے بھی ایک تخلیہ گاہ کا کام دیتا تھا نظارۃ کے مجرمانہ مقاصد کے بارے میں صاف اشارہ ایک سازشی (محمد علی) کی اس توضیح سے ملتا ہے جو اس نے دوسرے سازشی (عبدالحق) کو کابل میں کی تھی کہ اس کا بھائی احمد علی دلی میں عبیداللہ کے مذہبی مدرسہ کا انچارج ہے۔ اور قومی کام کر رہا ہے۔ اور اسے اندیشہ ہے کہ اسے کسی بھی وقت گرفتار کر لیا جائے گا۔

ابوالکلام آزاد نے جمعیۃ حزب اللہ قائم کی

۲۱۔ ان اداروں کے علاوہ جو مولوی عبیداللہ نے شمالی ہند میں شروع کئے تھے۔ ایک اور سازشی نے کلکتہ میں کام کرتے ہوئے عوام میں جنون پیدا کرنے کی شروعات کی تھی۔

مولوی ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۲ء میں ایک انجمن بنام جمعیۃ حزب اللہ قائم کی جس کا مقصد ظاہری اسلام کا احیاء تھا۔ اس کا بانی قابل اعتراض اخبار الہلال کا ایڈیٹر تھا جو بعد میں پریس ایکٹ کے تحت کاروائی کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ وہ باغی صحافی مقرر کی حیثیت اور اتحاد اسلامی کے کٹر حامی کی حیثیت سے پہلے ہی شہرت حاصل کر چکا تھا۔

جمعیۃ حزب اللہ کے قواعد

الہلال اخبار مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۱۴ء

۲۲۔ اس جماعت کے قواعد سے یہ اقتباسات معنی خیز ہیں۔ حزب اللہ کے مختلف شعبوں میں ایک شعبہ "السائحون العابدون" مخلص لوگوں کا ہوگا جن کا فرض ہوگا کہ اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے لئے مستقلاً دورے پر رہیں"

" یہ سوسائیٹی ایسے لوگوں کا مجموعہ ہوگی جو اللہ کی خاطر جہاد کریں گے جنھوں نے اپنی تمام دنیاوی امیدوں، آرزوں اور رشتوں سے صرفِ نظر کر لیا ہوگا۔۔۔۔۔۔ اور اپنی زندگی مذہب اور عقیدہ کی خدمت کے لئے وقف کر دی ہوگی خدا کو اور اُس کے فرشتوں کو اپنی قربانی کے حلف کا گواہ بنا لیا ہوگا"

یہ لوگ مسلمانوں کے مذہبی عقائد کی اصلاح کریں گے اور انھیں عقیدہ و عمل میں سچا مسلمان بنائیں گے جن کا عقیدہ غیر متزلزل ہوگا۔ جو باعزم و با ارادہ ہوں گے۔ اور خدا کی راہ میں بلند اصولوں کے لئے جہاد کرنے والے ہوں گے۔

ان کے درس قرآن کے طریقے اور ان کے درس کے اصولی رہنما وہی ہوں گے جو الہلال کی تحریروں کے اصولی رہنما ہیں۔

جہاد کا مشورہ

(۲۳) "راہِ خدا" کی جو اصطلاح مندرجہ بالا تیسرے پیراگراف میں استعمال کی گئی ہے۔ یہ وہ اصطلاح ہے۔ جو ہمیشہ مخصوص طور پر جہاد کے تعلق سے استعمال کی جاتی ہے۔ اور یہ قدرتی طور پر مسلمان کے ذہن کو جہاد کی طرف لے جاتی ہے۔

جمعیۃ حزب اللہ کے مشنری الہلال کی تعلیمات پر عامل ہوں گے

۲۴۔ آخری پیراگراف میں بھی جہاد کے طریقوں اور مقاصد کی طرف کھلا اشارہ ہے۔ کوئی بھی شخص جسے اس زبان کا اچھا علم ہو جس میں یہ تحریر ہے۔ الہلال کے فائل پڑھ کر ان اصولوں کے بارے میں جو اسکی تحریروں کے رہنما ہیں یہ رائے قائم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ صاف طور پر ان کا مقصد اپنے قارئین کے دماغوں میں برطانوی حکومت کے خلاف دشمنی پیدا کرنا ہے۔ لوگوں کی ایسی جماعت (جو حلف کے تحت پابند ہو کہ جیسا کہ مندرجہ بالا دوسرے پیراگراف میں بیان کیا گیا ہے اپنے آپکو اس طریقہ سے قرآنی تعلیمات کیلئے وقف کر دے جس طریقہ سے اسکی الہلال میں تعلیم دی گئی ہے) تو وہ مملکت کیلئے سنگین خطرہ ہے

جمعیۃ حزب اللہ کی رکنیت

۲۵۔ اس انجمن کے اراکین کا رجسٹر اس لحاظ سے باعث دلچسپی ہے کہ اس میں ہندوستان کے مختلف حصوں کے ۰۰۰،۱ اشخاص کے نام ہیں ان میں سے بعض ناموں کے سامنے اس قسم کے ریمارک ہیں جیسے کہ "ہر قربانی کے لئے تیار ہے" یا "ملت کی خاطر" یا مذہب کی خاطر جان بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہے۔

یہی ریمارک اُس آدمی کے نام کے سامنے بھی ہے جو صوبہ جات متحدہ کے ضلع لکھنؤ مقام اتو پور کا رہنے والا ہے اور اس کا نام عبدالرزاق ہے جو سنہ ۱۹۱۲ء میں ہندوستان سے مصر چلا گیا تھا۔ وہاں وہ اتحاد اسلامی کے بدنام شورشیوں کے ساتھ مل گیا اور ترکی کے ساتھ جنگ شروع ہونے سے کچھ پہلے اس نے ترکی فوج میں بھرتی ہونے کی کوشش کی۔ بعد میں مصری پولیس کو اس پر شبہ ہوا کہ وہ مصر میں موجود ہندوستانی فوجیوں کی وفاداری پر اثر انداز ہونے کی کوشش میں شریک ہے۔ اعلان جنگ کے بعد تک وہ قسطنطنیہ میں رہا۔ اور ترکی کے اخبار "جہان اسلام" کے فروری سنہ ۱۹۱۵ء کے شمارہ میں اس نے ایک قابل اعتراض مقالہ لکھا۔ جس میں اس نے اپنے نام کے ساتھ رکن انجمن آزادی ہندوستان بھی تحریر کیا تھا چند ماہ بعد وہ ہندوستان لوٹ آیا۔

جمعیۃ حزب اللہ ناکام رہی

۲۶۔ جمعیۃ حزب اللہ کی توقعات کے مطابق کامیابی نہ ہونے کی وجہ شاید

جزوی طور پر اس کے بانی کی اپنے منصوبہ میں وہ ناکامیاں ہیں جو الہلال بند ہونے سے پیش آئیں اور لڑائی کا چھڑ جانا بھی ایک وجہ ہے۔ نیز تقریباً اسی نوعیت کی ایک زیادہ قوی جماعت جس کا نام انجمن خدام کعبہ تھا۔ اس کے قیام کے باعث بھی یہ جمعیۃ ماند پڑ گئی۔ لیکن اس آخرالذکر جماعت کا تعلق اس سازش سے نہیں ہے۔

ابو الکلام نے کلکتہ میں دارالارشاد قائم کیا

۲۷۔ مولوی ابو الکلام آزاد نے اگست ۱۹۱۵ء میں مولوی عبیداللہ سے مشورہ کے بعد نظارۃ المعارف القرآنیہ کے خطوط پر کلکتہ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس کا نام دارالارشاد رکھا۔ اس مدرسہ میں ابوالکلام آزاد تعلیمات قرآنی کا درس دیا کرتا تھا۔

مولوی ابوالکلام آزاد نے جن لوگوں کو ملازم رکھا تھا ان میں سے ایک مولوی مظہر الدین سے ایک قابل اعتراض عربی کتاب (خواطر فی الاسلام (اسلام کے راستہ کی رکاوٹیں) کا ترجمہ کرایا گیا۔ ترجمہ مکمل ہو گیا۔ اور ابوالکلام آزاد نے مارچ ۱۹۱۶ء میں اس کی اشاعت اپنے اخبار البلاغ میں شروع کر دی۔

اسی وقت حکومت نے ابوالکلام آزاد کی نقل و حرکت پر پابندیاں لگا دیں جس کے باعث اخبار کی اشاعت بند ہو گئی اس کتاب کے ذریعہ ملک معظم کے دشمن ترکوں کے حق میں مسلمانان ہند کے جذبات ہمدردی کو یقینی طور پر بھڑکانے کی کوشش کی گئی ہے

ابو الکلام کی طرف سے فرضیت جہاد کا درس

۲۸۔ عبیداللہ کی طرح ابوالکلام کے درس میں بھی سچے مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت کے بارے میں زور دیا گیا ہے۔ ابوالکلام آزاد کی تقریروں کی یادداشتوں کے مجموعے طلبا ر نے تیار کئے تھے۔ ان میں سے چھ مجموعے ہمارے قبضہ میں آئے ہیں دربھنگہ کے طالب علم مولوی نورالہدیٰ نے جو یادداشتیں تیار کی تھیں وہ سب سے زیادہ مفصل ہیں۔

لیکچروں کے نوٹ جو نورالہدیٰ نے تیار کئے

کلکتہ پولیس نے ۱۹۱۵ء میں عاریتہً اس کی نوٹ بک لیکر ان کی مکمل نقل کر لی تھی۔ اور اب یہی ایک نقل ان یادداشتوں کی باقی ہے کیونکہ نورالہدیٰ کا بیان ہے

کہ اس نے خوف زدہ ہو کر اصل نوٹ بک کو ضائع کر دیا تھا۔

اِن یادداشتوں کی گنجلک اور غیر واضح عبارتوں کی نور الہدیٰ نے وضاحت کر دی ہے
یہ مدرسہ بھی دلی والے ادارہ کی طرح ہندوستان میں نظریہ جہاد کے مبلغ تیار کرنے کے
واسطے قائم کیا گیا تھا۔

ترکی کے شریک جنگ ہونے سے سازشی عملی قدم اُٹھانے پر راغب ہوئے

۲۹۔ جنگ عظیم کے شروع ہونے تک سازشیوں .... کی حرکتیں
جہاد کی تبلیغ کرنے تک محدود تھیں۔ لیکن جب ترکی حکومت، برطانیہ کے دشمن کی حیثیت سے جنگ
میں شامل ہوئی تو سازشیوں کے جذبات زیادہ بھڑک گئے اور اس پر آمادہ ہو گئے کہ
سازش کے مقاصد کو عمل میں لانے کے واسطے سرگرمی سے قدم اٹھائیں۔

جنگ بلقان کے وقت سے مولانا محمود الحسن کا یہ خیال تھا کہ شمالی مغربی سرحد کو
عبور کر کے برطانیہ کے خلاف شورش برپا کرے جب ترک برطانیہ کے دشمن ہو گئے تو مولانا
محمود حسن کو قدرتی طور پر خیال آیا۔ کہ برطانیہ کو پریشان کرنے کے لئے سرحد بہترین مقام ہے

مجاہدین کے نمائندوں کی مولانا سے ملاقات اور سازشیوں سے گفتگو

۳۰۔ نومبر یا دسمبر ۱۹۱۴ء کی بات ہے کہ مولانا کو پہلی مرتبہ سرحد کے لوگوں سے
مشورے کرتے دیکھا گیا۔ کابلیوں جیسے دو آدمی آئے۔ اور اس کے گھر میں اسوقت مقیم ہوئے
جبکہ عبید اللہ۔ انیس احمد۔ عزیز گل اور حمد اللہ بھی وہاں موجود تھے چند ماہ (شاید دو ماہ)
بعد یہ لوگ دوبارہ آئے۔ مولوی فضل ربی ان کے ساتھ تھا۔ اس موقعہ پر دو جلسے ہوئے
مولانا حمد اللہ۔ عزیز گل۔ انیس احمد اور ظہور محمد ان میں شامل ہوئے۔ وہ لوگ تیسری مرتبہ
بھی آئے۔ اس موقعہ پر مولانا کے علاوہ محمد میاں۔ حمد اللہ۔ ظہور محمد۔ ولی محمد آف لاہوری
عزیز گل اور خان محمد موجود تھے۔ اور شاید مولوی احمد چکوالی و محمد مبین بھی اس وقت
ان کے گھر آ گئے تھے۔

ہندوستانی متعصبین یہ لوگ مجاہدین کے پاس سے آئے تھے۔ تاکہ مولانا سے
اور دوسرے سازشیوں سے ان شورشوں کے بارہ میں

ے مشہور ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ دوسرے فقروں میں ہے کہ مولانا عبید اللہ نے حضرت شیخ الہند ... [illegible]

صلاح ومشورہ کریں سرحد پار کے علاقہ میں حکومت برطانیہ کے خلاف جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

سرحد پار کے انتہائی تکلیف دہ قبائلیوں میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو نہایت کٹر اور متعصب وہابی ہیں اور مجاہدین کہلاتے ہیں انھوں نے جیسا کہ اُن کے نام سے ظاہر ہے اپنی زندگیاں راہِ خدا میں جہاد کے لئے وقف کر رکھی ہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا دلی بھی گئے اور فتحپوری مسجد دلی کے مولوی سیف الرحمن اور عبید اللہ سے مشورے کئے۔

مولانا نے جون سنہ ۱۹۱۵ء میں مہاجر مولویوں کو سرحد پار روانہ کردیا

۳۱۔ آزاد علاقہ میں منصوبہ کی پیش رفت سے بظاہر مولانا مطمئن نہ تھے۔ کیونکہ انکی ہدایت پر جون سنہ ۱۹۱۵ء میں چار سازشی یعنی سیف الرحمن۔ حاجی ترنگ زئی[1] فضل ربی اور فضل محمود اس لئے سرحد پار بھیجے گئے تاکہ سرحدی قبائل کو جہاد کے لئے اور برطانیہ کے خلاف جنگ کے لئے اکسائیں۔ اِن مولویوں نے جو کچھ کیا۔ وہ اس مقدمہ کی تفصیل کا ایک حصہ ہے۔

''ہندوستان کو دار الحرب قرار دیدیا گیا''

۳۲۔ اس اثنار میں پنجاب میں ایک اور واقعہ پیش آیا جیسا کہ اس سے پہلے متوجہ کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان میں سازشیوں نے ایک اور نقشۂ عمل یہ اختیار کیا تھا کہ ہندستان کو ایسا ملک قرار دیدیا جائے جس میں سے سچے مسلمانوں کو ہجرت کر کے کسی ایسے ملک میں چلے جانا چاہیئے۔ جہاں مسلمان حاکم ہوں۔ کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ اس خیال سے کہ ترکوں کی سرگرمیوں کے ساتھ مدد کر سکیں جو اس وقت برطانیہ کے خلاف جنگ میں اُلجھے ہوئے تھے فروری سنہ ۱۹۱۵ء میں پنجاب کے کالجوں کے پندرہ مسلم طلبار زیادہ تر گریجویٹ خفیہ طریقہ پر برطانوی ہند سے روانہ ہوئے اور مجاہدین میں اس ارادہ سے شامل ہو گئے کہ ان کے علاقہ بنیر سے ترک فوج میں شامل ہونے کا راستہ نکالیں گے۔ اور اپنی خدمات کسی بھی نوعیت

[1] کیس کے خلاصہ میں کہا گیا ہے کہ مولوی سیف الرحمن نے حاجی ترنگ زئی کو مجبور کیا۔ ملاحظہ فرمایئے دیباچہ زیرِ عنوان آزاد علاقہ کو مولوی سیف الرحمن کا مشن۔

میں پیش کریں گے۔ ان کی پیروی چند اور طالب علموں نے بھی کی۔

مہاجر طلباء کی جماعت کی پنجاب سے سرحد کو روانگی

۳۳۔ انھوں نے روانگی سے قبل لاہور کے عبدالرحیم۔ فضل الٰہی۔ ابو محمد احمد۔ ابوالکلام[۱] آزاد اور عبیداللہ سازشیوں سے مشورہ لیا تھا۔ اور یہ واضح ہے کہ ان کی روانگی سازش کے مقاصد کی تکمیل کے لئے عمل میں آئی تھی۔

اِن مہاجرین میں سب سے زیادہ اہم وہ لوگ ہیں۔ جن کے نام اس مقدمہ میں سازشیوں کے ساتھ شامل ہیں۔

عبدالباری بی اے۔ عبدالحق۔ عبدالقادر۔ عبدالمجید خاں۔ (وفات پا چکا ہے)
۔ عبدالرشید۔ اللہ نواز خاں۔ خوشی محمد۔ محمد عبداللہ بی اے۔ محمد حسن بی اے۔
شاہ نواز خاں اور شجاع اللہ۔

سرحد پار کرنے کے بعد سے ان کی سرگرمیوں کی تفصیلات آگے آئیں گی۔

مولانا محمود حسن مہاجر بن گئے

۳۴۔ عوام کو متاثر کرنے کے اعتبار سے ایک بہت زیادہ اہمیت کا فیصلہ یہ تھا کہ مولانا محمود حسن ہجرت کر جائیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ انھیں شمالی ہند کا سب سے زیادہ محترم اور متبحر عالم سمجھتے تھے۔ اس ترک وطن سے تحریک کو جو مذہبی جواز و محرک حاصل ہونے والا تھا اس کی قدر و قیمت کو جانتے ہوئے حکیم عبدالرزاق انصاری اور دوسرے سازشیوں نے اصرار کر کے مولانا کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کرنے کے ارادے کا اعلان کر دیں۔

اس فیصلے کو سورت سے رنگون تک ان کے متبعین کے درمیان زیادہ سے زیادہ نشر کرنے کے لئے قدم اٹھائے گئے۔ مولوی محمد مبین اور محمد میاں کو مامور کیا گیا کہ وہ اس فیصلے کا اعلان کریں اور اس مقصد کے واسطے روپیہ جمع کریں۔

[۱] یہ غلط ہے۔ خود عبدالباری کا بیان ہے کہ مولانا آزاد نے ہجرت کو پسند نہیں کیا تھا۔ یہ اور ان کے ساتھی مولانا کی رائے کے خلاف روانہ ہوئے۔ (ملاحظہ فرمایئے عبدالباری کا بیان جو اس کتاب کے آخر میں ہے۔

مولانا اور ان کے ساتھیوں کا عزم حجاز

۳۵۔ ابتداء میں مولانا کی منزل سفر غیر یقینی تھی یعنی کہ وہ سرحد پار جائیں یا حجاز۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ وہ حجاز جائیں۔ روپیہ اکٹھا کیا جانے لگا۔ اور رفقائے سفر کا انتخاب ہونے لگا۔

حجاز پہنچنے کے بعد انہیں وہاں سے حکومت برطانیہ کے خلاف جہاد کی مہم کی ... کرنی تھی۔ وہاں کے ترک حکام سے مدد لینی تھی ضرورت پڑے تو قسطنطنیہ یا کابل جا... فیصلہ یہ تھا کہ ترکوں کو یا تو ہندوستان کے خلاف خود فوج کشی کرنے پر آمادہ کریں یا اس پر آمادہ کریں کہ امیر کابل ہندوستان پر حملہ کرے تو وہ امیر کی امداد کریں۔

مولوی محمد میاں، مولوی مرتضیٰ، مطلوب الرحمٰن، مولوی عزیز گل اور حاجی خان محمد و سید ہادی حسن کا رفقائے سفر کی حیثیت سے انتخاب کیا گیا۔

حکیم عبدالرزاق اور نور الحسن کی سرگرمیاں

۳۶۔ مولوی محمد میاں کے علاوہ جن دوسرے سازشیوں نے سفر کی تیاریوں میں ان کی مدد کی۔ وہ حکیم عبدالرزاق انصاری۔ مولوی حمد اللہ اور سید نور الحسن ہیں۔

جیسا کہ معلوم ہے پہلے مولانا کا رجحان یہ تھا کہ سرحد کو چلے جائیں لیکن انھوں نے اس بنا پر ایسا کرنے سے احتراز کیا کہ حکام کو اس کا جلد علم ہو سکتا تھا اور دیوبند کا مدرسہ بھی حکام کی نظر میں مشتبہ ہو جاتا۔

مولانا کا یہ بھی خیال تھا کہ مسلمانوں کی کسی سازش کی رہنمائی کرنے کے واسطے مدینہ زیادہ بہتر مقام ہے۔

انھوں نے جانے کا فیصلہ ابوالکلام آزاد کے مشورہ کے خلاف کیا۔ جو یہ چاہتے تھے کہ وہ ہندوستان میں ٹھہریں اور حکومت کو مجبور کریں کہ وہ ان کے خلاف قدم اٹھائے۔ تاکہ عوام میں حقارت و نفرت کے جذبات پیدا ہوں۔

عبید اللہ کی ہند سے روانگی

۳۷۔ مولوی عبید اللہ نے مولوی ابوالکلام آزاد اور مولوی فضل الحسن سے مشورہ[۱] ...

[۱] ... مشورہ بھی ہوا ہو مگر خود مولانا سے جو بیان سنا ہے کہ ان کو شیخ الہند رحمۃ اللہ نے حکم دیا اور وہ خود اس ترک ... کو پسند ... (جیسا کہ ... بیان پہلے گزر چکا ہے) (محمد میاں)

کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ وہ خود کابل جائیں۔ تاکہ اثر ڈال کر امیر کو برطانیہ سے معاہدہ توڑنے پر آمادہ کر سکیں۔ اور سرحدی قبائل کو شورش پر تیار کر سکیں۔ اور حکومت برطانیہ کے خلاف ایسے مقام سے جو نسبتاً محفوظ مقام ہے دوسرے طریقوں پر سازشیں کر سکیں۔

ضروری انتظامات اور دین پور میں مولوی احمد اللہ چکوالی کو کچھ خاص ہدایات دینے کے بعد شروع اگست ۱۹۱۵ء میں عبید اللہ۔ عبد اللہ۔ فتح محمد اور محمد علی کے ہمراہ افغانستان کو روانہ ہو گیا۔

محمد علی بی اے اور شیخ ابراہیم ایم اے کا عزم کابل

۳۸۔ ہندوستان سے روانہ ہونے سے چند ماہ قبل عبید اللہ نے مولوی محمد علی بی اے قصوری اور شیخ ابراہیم سندھی ایم اے آف کراچی کو کابل بھجوا دیا تھا۔ تاکہ وہاں تدریسی ملازمتیں کر لیں انھوں نے کابل میں کابل کے حبیبیہ کالج میں بالترتیب پرنسپل اور پروفیسر کی حیثیت سے جگہیں حاصل کر لیں۔

مولانا کی حجاز کو روانگی

۳۹۔ عبید اللہ کی روانگی کے چند ہفتہ بعد مولانا محمود حسن (۱۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کو) بمبئی روانہ ہو گئے۔ مرتضیٰ محمد میاں۔ عزیر گل۔ مطلوب الرحمن خاں محمد اور دوسرے لوگ ان کے ہمراہ تھے۔ اس سے پہلے جانے والا حاجیوں کا جہاز سید ہادی حسن اور حیدرآباد سندھ کے ڈاکٹر شاہ بخش کو جدہ لے جا چکا تھا۔ یہ لوگ مکہ میں پارٹی سے مل گئے تھے۔

بحری سفر کے دوران مرتضیٰ۔ مطلوب الرحمن اور محمد میاں کے درمیان اور مرتضیٰ نیز عزیر گل کے درمیان مقاصد سفر کے بارہ میں اور سازش کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں بات چیت ہوتی رہی۔

اس جماعت کو شبہ تھا کہ جہاز میں حکومت کے جاسوس ہیں جو ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔ چنانچہ جدہ پہنچنے پر بعض مسافروں کے ساتھ جاسوسوں کا سا سلوک کیا گیا۔

مولانا مکہ میں

۴۰۔ مکہ پہنچنے کے بعد مولانا کی پارٹی میں ایک غیر معمولی شخص شامل ہو گیا جس کا نام تھا

حبیب اللہ غازی آف کاکوری ضلع لکھنؤ۔ اس شخص نے جنگ بلقان میں ترکوں کے ساتھ حصہ لیا تھا۔ اور یہ ہندوستان سے پھر اسی مقصد سے روانہ ہوا تھا کہ ترکی فوج میں شامل ہو کر برطانیہ کے خلاف لڑے ۔حبیب اللہ گو ایک ملازم کی سی حیثیت سے اس جماعت میں شریک تھا۔لیکن سازش کے تعلق سے اس کو اعتماد میں لے لیا گیا تھا۔

مکہ میں وارد ہوتے ہی انھوں نے خفیہ جلسے شروع کر دئے ۔جن میں جماعت کے منصوبوں پر غور وخوض کیا جاتا تھا۔ ان میں خان محمد حصہ نہ لے سکا کیونکہ وہ شدید بیمار ہو گیا تھا۔ اور مکہ پہنچتے ہی وفات پا گیا تھا۔

اس جماعت کے مکہ پہنچنے پر سید ہادی حسن بھی آ گیا۔ اور ساتھ ہی رہنے لگا۔ ڈاکٹر شاہ بخش مولانا سے ملاقات کے لئے اکثر آتا رہتا تھا۔

مکہ میں مولانا کی غالب پاشا سے ملاقات

۴۱۔ مکہ میں مولانا کا خاص مقصد تھا ترک گورنر غالب پاشا سے ملاقات مکہ میں رہنے والے دو اشخاص حیدر حسین تسبیح فروش اور مولوی احمد میاں کی مدد سے جو دو سال پہلے سے مکہ میں رہائش پذیر تھا یہ ملاقاتیں عمل میں آئیں ۔

مولانا نے ان ملاقاتوں کی مکمل تفصیل سازشیوں کو بتا دی اور اس نے غالب پاشا سے ایک دستاویز حاصل کی۔ جسے سازشی غالب نامہ کہتے تھے ۔ اس میں ہر اس شخص کو جو یہ دستاویز پڑھیگا مطلع کیا گیا تھا کہ اس دستاویز کے لکھنے والے نے مولانا سے ملاقات کی ہے ۔اور اسے اس پر پورا اعتماد ہے ۔ نیز وہ تمام مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے ۔ کہ وہ مولانا کو معتمد سمجھیں اور خصوصاً ترک اس کی امداد کریں ۔

غالب نامہ اور غالب پاشا کا مشورہ

۴۲ ۔ غالب پاشا نے مولانا کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ہندوستان واپس جائیں اور اپنی تنظیم کو مضبوط کریں اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو اپنے بعض پیروؤں کو واپس ہندوستان بھیج دیں۔ تاکہ ان کا کام جاری رکھیں ۔

مولانا خود واپس نہ آ سکے لیکن مطلوب الرحمٰن کو فوراً واپس بھیج دیا ۔غالب پاشا نے مولانا

سے کہا تھا کہ اپنی جماعت کی تعداد بڑھائیں۔ انہیں رازداری کا پابند کریں۔ اور ہندوستان کو امیر کابل کے عین حملہ کے وقت انقلاب کے لئے آمادہ کریں۔ اور جب اس جنگ کے بعد مذاکرات امن شروع ہوں تو ساری قوم کو حقوق طلبی اور ان کے لئے ایجی ٹیشن کے واسطے تیار کریں۔

مولانا مدینہ میں

۴۳۔ مکہ سے مولانا مدینہ گئے۔ سوائے خان محمد کے جو وفات پا گیا تھا اور احمد میاں کے جو مکہ ہی میں ٹھہرا رہا تھا اور مطلوب الرحمٰن کے جسے ہندوستان واپس بھیج دیا گیا تھا۔ دوسرے تمام سازشی ان کے ہمراہ تھے۔ مدینہ میں انھوں نے مولوی حسین احمد مدنی کے ساتھ قیام کیا وہاں پہنچنے کے چند دن بعد مولانا نے مولوی مرتضیٰ اور مولوی محمد میاں کو ہندوستان واپس بھیجدیا۔ غالب نامہ جس کا اوپر ذکر آیا۔ انھوں نے آخر الذکر کے حوالہ کر دیا۔ تاکہ اسے ہندوستان میں خاص لوگوں کو دکھا کر سرحد کو لے جائیں محمد میاں کے ہمراہ ان کا بھائی احمد میاں بھی ہندوستان واپس آگیا۔

انور بے اور جمال پاشا سے مولانا کی ملاقات

۴۴۔ محمد میاں اور مرتضیٰ کی روانگی کے چند دن بعد مدینہ میں مولانا نے انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقاتیں کیں اور ان کے فرامین حاصل کئے۔

مسجد نبوی میں ایک اجتماع انور پاشا اور جمال پاشا کی صدارت میں ترک عساکر کی کامیابی کی دعا کرنے کے واسطے منعقد کیا گیا جسمیں مولوی حسین احمد مدنی نے ترغیب جہاد کا خطبہ دیا۔

طائف میں غالب پاشا سے مولانا کی ملاقات اور فرامین کی ہندوستان کو ترسیل

۴۵۔ مدینہ سے مولانا مکہ اور وہاں سے طائف پہنچے جہاں انھوں نے غالب پاشا سے پھر ملاقات کی اور مزید فرامین حاصل کئے۔ مولانا نے یہ اور دوسرے فرامین سید ہادی حسن اور ڈاکٹر شاہ بخش کے سپرد کر دئے۔ تاکہ انھیں ہندوستان لے جائیں۔ ان کے ہمراہ وہ کاغذات بھی روانہ کر دئے گئے۔ جو مولانا نے شریف مکہ کے بارے میں جمع کئے تھے۔ جن سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ موجودہ شریف غاصب ہے اور اس قابل نہیں کہ اُسے مقدس مقامات میں

رہنے دیا جائے۔

یہ فرامین سید نور الحسن کے پاس پہنچائے جانے تھے۔ اور دوسرے کاغذات مولوی ابوالکلام آزاد کو دیئے جانے تھے۔ ہادی حسن نے بمبئی سے اپنے ایک واقف کار حاجی کے ذریعہ مولانا کو پیغام روانہ کیا کہ یہ دستاویزیں بہ حفاظت تمام بمبئی پہنچ گئی ہیں۔

شاہ بخش کو بمبئی میں نہیں روکا گیا اور چند روز بعد پروگرام طے کر کے اس نے شیخ عبدالرحیم سندھی سے ملاقات کی اور شاید کاغذات اس کے حوالہ کر دیئے کیونکہ جب ۱۲ ستمبر کو اسے گرفتار کیا گیا تو یہ کاغذات اس کے پاس نہ تھے۔

محمد میاں کی ہندوستان واپسی

۴۶۔ واقعات کے اس بیان میں تسلسل کو تاحد امکانی برقرار رکھنے کے لئے آسان یہ ہوگا کہ اب اس جماعت کی تقدیر کا لکھا بیان کیا جائے جو غالب نامہ کو ہندوستان لائی تھی (نوٹ) محمد میاں نے اپنے ریشمی خط مورخہ ۷ جولائی ۱۹۱۶ء میں جو مولانا محمود الحسن کے نام لکھا تھا۔ جہاز سے بمبئی میں اُترنے کے وقت سے خط کی تحریر کی تاریخ تک کی اپنی تمام سرگرمیوں کا اور جن سازشیوں سے اس وقت تک اس کی ملاقات ہوئی اُن کی سرگرمیوں کا مفصل حال بیان کیا ہے۔ اس کا مطالعہ کیا جانا چاہیئے۔

حاشیہ میں اس خط کی عبارات کے صفحات اور سطروں کا حوالہ دیا گیا ہے۔

بمبئی پہنچنے کے بعد وہ کسٹم افسروں سے غالب نامہ کو بچا لینے میں کامیاب ہوگئے۔ کیونکہ اسے ایک آئینہ[1] کے پچھلے حصہ میں چھپا دیا گیا تھا۔ بحری سفر میں بھی اور رراندیر پہنچ کر بھی مولوی مرتضیٰ نے محمد میاں کو بتایا کہ وہ سازشیوں کے منصوبہ سے متفق نہیں اور وہ مزید سرگرمیوں کے خلاف ہے۔

مرتضیٰ اور محمد میاں کا سفر رراندیر

۴۷۔ بمبئی میں مرتضیٰ، محمد میاں اور احمد میاں سے مولوی ظہور محمد اور رراندیر کے

[1] یہ صحیح نہیں آئینہ کے پچھلے حصہ میں نہیں بلکہ صندوق کے زیرین تختے میں چھپایا گیا تھا۔ (نقش حیات)

مولوی محمد حسین نے ملاقات کی۔ اور انہیں آخر اللہ کر رانڈیر لے گیا رانڈیر میں پتے بتا دیئے گئے۔
لیکن کوئی چندہ نہیں جمع کیا گیا۔ ارادہ یہ تھا کہ مولوی محمد مبین جو کاتب کے نام سے مشہور ہے
روپیہ اکٹھا کرنے کے لئے رانڈیر جائے۔

مرتضیٰ اور محمد میاں کی بھوپال میں قاضی محی الدین سے ملاقات

۴۸۔ رانڈیر سے محمد میاں اور مرتضیٰ بھوپال گئے اور وہاں انہوں نے مولوی محی الدین قاضی بھوپال سے ملاقات کی۔ جس نے اُن سے ان تمام واقعات کے بارے میں دریافت کیا جو مطلوب الرحمن کی حجاز سے واپسی کے بعد پیش آئے تھے۔ اور کہا کہ آخر اللہ کر جو کچھ جانتا تھا۔ وہ سب ان سے بیان کر چکا ہے۔

محمد میاں نے قاضی سے جو ملاقاتیں کیں ان میں مرتضیٰ موجود نہ تھا۔ اس دورہ کے کچھ عرصہ بعد مولوی مرتضیٰ کو بھوپال کے قاضی کا عہدہ پیش کیا گیا کیونکہ محی الدین کا ایک سال کی رخصت لینے کا ارادہ تھا۔

محمد میاں بھوپال سے شمالی ہند پہنچا اور سازش کے دیگر دوسرے سرگرم ممبران حمد اللہ اور محمد مبین سے ملاقاتیں کیں۔ ان کے درمیان خفیہ مشورے ہوئے جن میں ظہور بھی شریک ہوا۔

مولانا کی غیر حاضری میں ہندوستان میں کام

۴۹۔ یاد رہے کہ مولانا نے دیوبند سے روانہ ہونے سے پہلے ہندوستان میں کام جاری رکھنے کے لئے ہدایات دیدی تھیں۔ مولوی حمد اللہ کو اپنا نمائندہ اور عرب ہند اور شمالی مغربی سرحد پار میں موجود اراکین سازش کے درمیان رابطہ کا ذریعہ مقرر کر دیا تھا۔

اِن ہدایات کی پابندی میں حمد اللہ ظہور محمد اور محمد مبین وقتاً فوقتاً ملاقاتیں کرتے رہتے تھے۔ تاکہ ہندوستان میں کام کی تفصیلات کی تنظیم کریں۔

خزانچی۔ ڈاک کی تقسیم کرنے والا اور منیجر کی حیثیت سے حمد اللہ کی سرگرمیاں

۵۰۔ حمد اللہ سرحد پار سازشیوں سے خط و کتابت کیا کرتا تھا۔ حمد اللہ کے پاس سازش کا روپیہ جمع تھا۔ مولانا انتظام کر گئے تھے کہ جو سازشی اُن کے ہمراہ جا رہے ہیں۔ ان میں سے

جن کو ضرورت ہو۔ اُن کے گھر والوں کو اس فنڈ سے روپیہ دیا جائے۔ اور سرحد پار کے مولویوں
کو بھی اس میں سے روپیہ بھیجا جائے۔

چنانچہ حمد اللہ مولوی محمد حنیف کو روپیہ دیا کرتا تھا۔ جو مولانا کا داماد تھا۔ اور جس کو
ہدایت کی گئی تھی کہ گھر کی دیکھ بھال کرے مطلوب الرحمن کے گھر والوں کو بھی وہ روپیہ دیا کرتا
وہ مولوی سیف الرحمن مولوی فضل ربی اور حاجی ترنگ زئی کو بھی روپیہ بھیجا کرتا تھا۔ ظہور محمد
روپیہ جمع کرتا تھا۔ اور بیس روپیہ مہینہ محمد میاں کے گھر والوں کو دیا کرتا تھا۔

حکیم عبدالرزاق مولانا کے گھر والوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں

۵۱۔ مولانا کے گھر والوں کی خبر گیری (کفالت) حکیم عبدالرزاق انصاری کیا کرتے تھے۔
اور متفرق اخراجات پورے کرتے تھے نیز دو ہزار چھ سو روپیہ مکان کی توسیع کے لئے دئے تھے۔
انھوں نے ایک قاصد مولوی محمد مسعود کو بھی ایک ہزار چار سو روپے دیکر مولانا کے پاس مکہ بھیجا
تھا۔ قاضی محی الدین نے مزید ایک سو روپئے دئے تھے۔

مولانا کے دیوبند سے روانہ ہونے سے پہلے رام پور منہیاران کے مولوی احمد نے اسے
تین سو روپے دئے تھے کہ وہ جس مقصد پر چاہیں انھیں صرف کریں مولانا نے کہا کہ ان کے
جانے کے بعد یہ روپیہ حمد اللہ کو دیدیں۔ بعد میں جب حمد اللہ کو روپے کی ضرورت ہوئی تب
انھوں نے مولوی احمد سے روپیہ مانگا لیکن آخر الذکر ڈرا کہ کہیں سازش میں ملوث نہ ہو جائے
اور اس نے روپیہ دینے سے انکار کر دیا۔

محمد میاں کی فضل الحسن اور ابو الکلام آزاد سے ملاقات

۵۲۔ محمد میاں نے کم از کم دو مرتبہ مولوی فضل الحسن (حسرت موہانی) سے علی گڈھ میں
ملاقات کی۔ اور پھر کلکتہ جاکر مولوی ابو الکلام آزاد سے ملا۔ اس وقت آزاد اپنا سامان باندھنے
میں مصروف تھا تاکہ رانچی جا سکے۔ کیونکہ حکومت کے حکم سے اسے رانچی میں نظر بند کیا جا رہا تھا
جب محمد میاں فرنٹیر جا رہا تھا تو اس نے سہارنپور کے اسٹیشن پر جس وقت ظہور اور

مبین کے ساتھ تھا۔ سُنا کہ فضل الحسن کو علی گڈھ میں گرفتار کرلیا گیا ہے۔ اس طرح اسے علم ہوگیا کہ یہ دونوں کام جاری رکھنے کے قابل نہیں رہے۔

(محمد میاں نے ریشمی خطوط میں لکھا ہے۔ حسرت اور آزاد سے ملا دونوں بیکار ہو چکے ہیں)

محمد میاں غالب نامہ کے ساتھ سفر کرتا ہے

۵۳۔ مولوی محمد میاں سرحد کو جاتے ہوئے لاہور میں مولوی احمد . چکوالی سے ملا اس اُمید میں چند گھنٹہ اس کے ساتھ ٹھہرا کہ مولوی احمد علی سے ملاقات ہو جائے جس کے بارہ میں اس نے سُنا تھا کہ خان پور گیا ہوا ہے۔

اس کے بعد اپریل ۱۹۱۶ء کے آخر میں اس نے سرحد پار کرلی۔ اور اپنے بیان کے مطابق غالب نامہ قبائلیوں کو دکھا دیا۔

پنجابی مہاجر پارٹی

۵۴۔۱۔ جبکہ ہماری دلچسپی کا منظر سرحد پار کو منتقل ہو گیا ہے تو اچھا ہوگا کہ مولوی محمد میاں کے کابل پہنچنے تک وہاں سازشیوں نے جو کچھ کیا۔ اس کو بیان کر دیا جائے۔

پنجابی مہاجرین کی پارٹی جو فروری ۱۹۱۵ء میں ہندوستان سے روانہ ہوئی تھی سرحد تک مولوی فضل الٰہی نے اس کی مدد کی آخر الذکر نے خوشی محمد کی بھی مدد کی جو اس پارٹی میں تھا۔ لیکن پیچھے رہ گیا تھا۔

ہندوستان سے روانہ ہونے سے پہلے ان سب لوگوں نے اپنے نام بدل دیئے تھے انھوں نے سرحد پار کی اور اسماس[۱] میں مجاہدین کے پاس قیام کیا جب یہ لوگ اسماس میں تھے۔ تو ایک برطانوی تحصیلدار عجب خاں درمیان گیا اور ملاقات طے کر کے طلبا کی پارٹی کے نمائندوں کے طور پر عبدالباری اور شجاع اللہ سے ملاقات کی ان کو معافی دلانے کا وعدہ کیا

---

۱ پشتو میں سماس غار کو کہتے ہیں اور مجاہدین جہاں رہتے ہیں وہاں بہت سے غار ہیں۔ اسی لئے یہ جگہ اسماس کہلاتی ہے (بیان عبدالحق)

اور ہندوستان لوٹنے پر اصرار کیا۔ اس بات سے انھوں نے انکار کر دیا۔

ان ہی اوقات میں لاہور کی چینیاں والی مسجد کا مولوی عبدالرحیم اُن سے آن ملا۔ اُس کے بعد ایک شخص کالا سنگھ جو سکھ تھا اور ہندوستان سے ترک وطن کر کے پھر ہندوستان واپس آ گیا تھا۔ اور لاہور سازش کیس میں مطلوب تھا وہ آملا جب پنجابی مہاجرین اسمارس میں مقیم تھے۔ تو انہیں مجاہدین کی سرگرمیوں کے بارہ میں بہت کچھ معلوم ہوا۔ وہاں سے انھوں نے کابل کا راستہ لیا کابل میں یہ لوگ کئی ماہ تک زیر حراست رہے۔ اور کچھ نہ کر سکے۔

قبائل میں شورش پھیلائی گئی

۵۵۔ دریں اثناء سنہ ۱۹۱۵ء میں حاجی صاحب ترنگ زئی اور مولوی فضل ربی فضل محمود اور عبدالعزیز و سیف الرحمٰن سرحد پار کافی سرگرم رہے ان کو مولانا نے شورش (دیکھئے پیرا ۳۰) پھیلانے کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ برطانیہ کے خلاف جنگ میں بہت سے قبائلیوں نے حصہ لیا۔

مولانا نے ہندوستان سے روانہ ہونے سے پہلے مولوی عزیز گل کو مولویوں کیلئے پیغامات اور روپے دیکر روانہ کیا تھا۔ جاتے وقت بھی اُس نے مولوی احمد چکوالی کو اسی مقصد کے لئے دوبارہ روانہ کیا تھا۔

مولانا کے ہندوستان سے روانہ ہونے سے فوراً پہلے اُس نے مجاہدین کے ایک قاصد سے ملاقات کی تھی جو مجاہدین کے لئے سات ہزار روپے لیکر اپنے ملک کو جا رہا تھا۔ وہ ابوالکلام کے پاس سے مولانا کے لئے ایک پیغام لایا تھا۔

مولوی لوگ اور مجاہدین حمد اللہ سے اور ابوالکلام آزاد سے رابطہ قائم رکھتے تھے۔ اور ابوالکلام کی طرف سے بھی اور دوسرے ذرائع سے بھی مجاہدین کو وقتاً فوقتاً روپیہ پہنچتا رہتا تھا۔

صدرالدین مجاہدین میں

۵۶۔ جنگ کے تعلق سے جو سرحد پار جاری تھی ستمبر سنہ ۱۹۱۵ء میں عبدالکریم برادر عرف صدرالدین نام ایک ڈاکٹر کو ابوالکلام آزاد نے سازش میں شامل کر لیا۔ اور اسے ہندوستان

سے مجاہدین کی طبی امداد (زخمیوں کے علاج) کے واسطے روانہ کر دیا۔ کچھ عرصہ تک اس نے وہ خدمات انجام دیں۔ جو اس کے سپرد کی گئی تھیں پھر وہ کابل میں دوسرے سازشیوں میں جا ملا۔ جون یا جولائی ۱۹۱۶ء میں وہ ہندوستان واپس آ گیا۔

اکتوبر ۱۹۱۵ء میں لاہور کا مولوی عبد الرحیم کابل گیا جہاں سے وہ سردار نصر اللہ خاں کا مجاہدین کے لئے دیا ہوا روپیہ اور گولی بارود ساتھ لے گیا۔

دشمن کا وفد کابل میں

۵۷۔ مغربی یورپ سے دشمنوں کا ایک وفد ۱۹۱۵ء میں افغانستان پہنچا۔ جس کے اراکین کنور مہندر پرتاپ آف بندرابن یو پی اور مولوی برکت اللہ آف بھوپال تھے۔ ان کے پاس قیصر جرمنی اور سلطان ترکی کے خطوط تھے امیر کو غیر جانبداری ترک کرنے پر اکسانا ان کا مقصد تھا۔

محمد میاں اور عبید اللہ نے ریشمی خطوط میں اس وفد کی سرگرمیوں کی تفصیل بیان کی ہے۔ کنور مہندر پرتاپ نے سراج الاخبار کے ایڈیٹر کو ایک خط لکھا تھا۔ جو جولائی ۱۹۱۶ء میں اس اس اخبار میں شائع ہوا۔

کابل میں سازشیوں کے منصوبے

۵۸۔ اگست ۱۹۱۵ء میں مولوی عبید اللہ کے کابل پہنچنے کے بعد۔ کابل میں موجود مختلف سازشیوں نے مشترک مقصد کے لئے ملکر کام کرنا شروع کیا۔

عبید اللہ محمد علی سندھی کے ہمراہ محمد علی پرنسپل حبیبیہ کالج کے پاس

پنجابی مہاجر طلبا کا لیڈر عبد الحمید خاں کابل میں فوت ہو گیا تھا عبد الباری اس کا جانشین مقرر ہوا تھا۔ عبید اللہ نے آخر الذکر کو ہندوستان سے اپنی روانگی کے اغراض اور سازش کے مقاصد کا انکشاف کیا۔ سول ہسپتال کابل میں خفیہ مشورے ہوا کرتے تھے۔ جن میں عبد الباری مولوی عبد الرحیم مولوی عبید اللہ مولوی برکت اللہ اور کنور مہندر پرتاپ اور دشمن

مشن کے دوسرے ارکین عموماً شامل ہوا کرتے تھے

عبیداللہ کے ذریعہ ہندوستان کو خطوط کی روانگی

۵۹۔ فروری ۱۹۱۶ء میں مولوی عبداللہ اور فتح محمد سندھی کو عبیداللہ اور مہندر پرتاب نے روپیہ، خطوط اور پیغامات دے کر ہندوستان روانہ کیا جو شیخ عبدالرحیم سندھی اور احمد علی دہلوی کے ذریعہ پہنچائے جاتے تھے۔

ان کاغذات میں شیخ عبدالرحیم سندھی احمد علی اور فضل الحسن کے نام خطوط تھے جنمیں ان سے کابل آنے کو کہا گیا تھا۔ ایک خط ہندراین میں مہندر پرتاب کے کسی دوست کے نام تھا۔ ایک خط حمداللہ کے نام تھا جسمیں کہا گیا تھا کہ وہ مولانا محمود الحسن کا جانشین ہوگا۔

ایک خط بعض فوٹوگرافوں کے بارہ میں مولوی احمد چکوالی کے نام تھا فارسی زبان کا ایک خط مولوی برکت اللہ کی طرف سے ابوالکلام آزاد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔ فضل الحسن اور ڈاکٹر انصاری کے نام تھا جس میں اس نے اپنے تجربات اور مقاصد بیان کئے تھے۔

کچھ ایسے دوسرے لوگوں کے نام بھی خطوط تھے جن کو راز شیوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام کے جاری کردہ فتویٰ جہاد کے چار فوٹو بھی تھے۔ جو حمداللہ، فضل الحسن اور ابوالکلام آزاد کو دئے جاتے تھے۔

شیخ ابراہیم ایم اے اور محمد علی بی اے کے فوٹوگراف بھی تھے جن کی مزید کاپیاں مولوی احمد چکوالی کو بنوانی تھیں تاکہ ان کی پشت پر مولوی ظفر علی خاں اور ڈاکٹر انصاری سے انورپاشا کے نام اس بات کی تصدیق کرائی جاسکے کہ یہ لوگ قابل اعتماد ہیں۔

ہندوستان میں احمد علی کے اقدامات

۶۰۔ جو خطوط شیخ عبدالرحیم اور احمد علی کے ذریعہ پہنچائے جانے تھے وہ عبداللہ نے

ان کے حوالہ کردئے تھے۔ عبداللہ نے احمد علی کو کابل کے واقعات بھی مکمل طور پر بتا دئے تھے ہمیں اس امر کی یقینی اطلاعات نہیں کہ شیخ عبدالرحیم کو جو خطوط حوالہ کئے گئے تھے وہ مکتوب الیہم کو پہنچا دئے گئے۔

احمد علی کو جو خطوط سپرد کئے گئے تھے وہ پہنچا دئے گئے تھے۔ احمد علی نے لاہور میں خط اور فوٹو مولوی احمد کے حوالہ کر دیا تھا۔ اور چند دن بعد اس سے فوٹو گرافس لے لئے تھے۔ ان فوٹو گرافو کی پشت پر کوئی تصدیق نہیں کرائی گئی۔

کاغذات کی فضل الحسن کو حوالگی

۶۱۔ احمد علی نے فضل الحسن کو دو خط جو اسی کے لئے تھے فتوی کا ایک فوٹو اور لکھنؤ کے مولوی عبدالباری کے لئے ایک خط دیا۔ جن کے پاس مختصر قیام کے لئے فضل الحسن روانہ ہو رہا تھا۔

فضل الحسن نے کابل جانے کا ارادہ ظاہر کیا برکت اللہ کا خط اور فتوی کا فوٹو گراف بھیکم پور ضلع علی گڈھ کے مولوی حبیب الرحمن نے ۱۳ مارچ ۱۹۱۶ء کو فضل الحسن کے پاس دیکھا تھا۔ فضل الحسن نے ان سے کابل جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

فتوی اور پیغام ابوالکلام کو بھیجا گیا

۶۲۔ محی الدین قصوری کے ذریعہ احمد علی نے فتوی کا فوٹو گراف اس پیغام کے ساتھ ابوالکلام آزاد کو روانہ کیا کہ ان کو کابل چلا جانا چاہئے۔ اس کے جواب میں چند روز بعد محی الدین کے ذریعہ احمد علی کو ابوالکلام کا پیغام ملا کہ وہ کابل جانے کو تیار ہے۔ اس پر احمد علی لاہور اور خان پور گیا۔ اور مولوی احمد وغیرہ سے مشورہ کے بعد طے کیا کہ شیخ عبدالرحیم سندھی ابوالکلام کے سفر کابل کا انتظام کریں۔

سرحدی لڑائی میں سازشیوں نے حصہ لیا

۶۳۔ ۱۹۱۶ء کے اوائل میں مولوی عبدالرحیم جو کابل واپس آچکا تھا اسلحہ اور روپیہ

لے کر تیزی سے سرحد پار کے قبائل میں پہنچا اور برطانیہ کے خلاف جنگ میں شرکت کے بعد جسمیں کالا سنگھ نے بھی حصہ لیا تھا۔ جون ۱۹۱۶ء میں وہ اس کے ہمراہ کابل واپس ہوا۔ یہ جنگ، مجاہدین، بنیر اور سوات اور مہمند قبائل نے لڑی تھی۔ حاجی ترنگ زئی مہمند قبائل کے سردار تھے۔

جنود ربانیہ اور حکومت موقتہ ہند

۶۴۔ ان مہینوں میں عبیداللہ اور مہندر پرتاپ نے کابل میں موجودہ دوسرے سازشیوں کی مدد سے ہندوستان کی آزادی کے لئے ایک اسکیم تیار کی تھی۔ جسے جنود ربانیہ کا نام دیا گیا تھا۔ تقریباً تمام سازشیوں کو اس فوج میں عہدے دئے گئے تھے۔ نیز ہندوستان کی عارضی حکومت بنائی گئی تھی۔

یہ اسکیمیں حضرت مولانا کے تام عبیداللہ کے ریشمی خط میں پوری طرح بیان کی گئی ہیں۔ اور محمد میاں نے بھی اپنے خط میں ان کا حوالہ دیا ہے (عارضی) حکومت موقتہ نے جو کام اپنے ذمہ لئے تھے ان میں غیر ملکی طاقتوں سے خط و کتابت کرنا بھی شامل تھا۔ چنانچہ سفارتیں ترتیب دی گئیں محمد میاں نے (اپنے خط میں) اہمیت کے ساتھ بتایا ہے کہ اس اہم کام میں طلباء نے کیا حصہ لیا۔

روسی ترکستان کو مشن کی روانگی،

۶۵۔ اپریل ۱۹۱۶ء میں خوشی محمد اور ڈاکٹر متھرا سنگھ کو جنھیں حال ہی میں مقدمہ سازش لاہور میں سزائے موت کا حکم سنایا گیا ہے۔ ان کو عبیداللہ۔ مہندر پرتاپ۔ برکت اللہ۔ سردار نصراللہ خاں اور حاجی عبدالرزاق نے ہدایت دی نیز رتبہ اور دستاویزات مہیا کیں اور روسی ترکستان میں تاشقند اور سمرقند میں روسی افسروں کے پاس روانہ کیا۔ یہ دو اشخاص گئے اور سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے حکومت روس نے برطانیہ کو اطلاع دیدی۔ کہ ایک ایسا وفد آیا اور یہ وفد جو کاغذات لایا تھا وہ بھی بھیجدیے۔ یہ کاغذات شاید حکومت ہند کے پاس ہیں۔

ترکی اور جرمنی کو مشن

۶۶۔ مئی ۱۹۱۶ء میں عبدالباری اور شجاع اللہ کا مولوی عبیداللہ نے قسطنطنیہ اور برلن کو سفارتیں بھیجنے کیلئے انتخاب کیا۔ عبیداللہ، برکت اللہ اور مہندر پرتاب کی موجودگی میں انہیں ہدایت اور کاغذات دئے گئے۔ یہ لوگ اپنے سفر پر روانہ ہوئے۔ لیکن بعد میں روسیوں نے ان کو ایران میں گرفتار کرلیا۔ اور حراست میں ہندوستان بھیج دیا۔

دریں اثنا مولوی فضل محمود، فضل ربی، عبدالعزیز اور سیف الرحمن موقعہ موقعہ پر کابل جاتے اور عبیداللہ کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ اس کے گھر میں یہ لوگ مشورے کیا کرتے تھے۔

آزاد علاقہ سے باغیانہ لٹریچر کی اسکیم

۶۷۔ جولائی ۱۹۱۶ء میں مولوی عبدالرحیم کابل سے محمد حسین عبدالرشید شاہنواز محمد علی سندھی اور ایک دوسرے مہاجر کے ہمراہ آزاد علاقہ کو روانہ ہوئے تاکہ وہاں باغیانہ لٹریچر چھاپنے کے لئے ایک پریس قائم کریں۔ اس کام میں اس کی حمایت شیخ ابراہیم اور محمد علی بی اے نے کی۔ جنھیں پرنس عنایت اللہ نے حبیبیہ کالج سے برطرف کردیا تھا۔ یہ دونوں برطانیہ کے سخت مخالف تھے۔ خفیہ طریقہ سے قتل کرنے کے منصوبہ کی حمایت کرتے تھے۔

برطانیہ کے خلاف جنگ چھیڑنے کیلئے قبائلیوں کو خطوط

۶۸۔ مولوی عبدالرحیم اپنے ساتھ قبائلیوں کے لئے چار پانچ ہزار گولیاں اور آزاد علاقہ کے تمام ملاؤں اور خانوں کے واسطے خطوط لے کر گیا تھا۔ جن میں ان سب کو متحد ہو کر حکومت برطانیہ کے خلاف مشترکہ جنگ کرنے کی تلقین کی گئی تھی۔

مولوی فضل محمود اس پارٹی کا دوسرا ممبر تھا جو ان میں سے ایک خط حاجی ترنگ زئی کے واسطے لے گیا تھا۔

محمد علی اور عبدالحق کو خطوط دیکر ہندوستان بھیجا گیا

۶۹۔ اسی وقت مولوی عبدالرحیم کی پارٹی کے ساتھ مولوی عبیداللہ نے دو قاصد اپنے بھتیجے محمد علی اور شیخ عبدالحق کو بھی ہندوستان روانہ کیا اور ان دونوں کو خطوط سپرد کئے۔ یہ دونوں قاصد سمرقند میں عبدالرحیم کی پارٹی سے فضل محمود کی رفاقت میں علیحدہ ہو گئے۔ انھوں نے پشاور پہنچ کر محمد اسلم عطار کے پاس قیام کیا اس کو کچھ پیغامات دئے۔ اور دوسرے دن پنجاب کو روانہ ہو گئے۔

محمد علی مولوی احمد چکوالی سے ملاقات کے لئے لاہور گیا اور وہاں اس کی ملاقات احمد علی سے ہوئی۔ جس سے ایک دن بعد وہ دلی میں جا ملا۔ محمد علی کے پاس بندرابن کے کسی شخص کے نام ایک خط تھا جس کا تعلق ایک اسکول سے تھا جس کی کنور مہندر پرتاب کفالت کیا کرتا تھا۔ اس میں آخر الذکر کے لئے روپیہ کا انتظام کرنے کو کہا گیا تھا۔

محمد علی مہندر پرتاب کے لئے سونا لیکر واپس ہوا

۷۰۔ محمد علی بندرابن پہنچا تین دن بعد مہندر پرتاب کے لئے سونے کے تین ٹکڑے مالیتی ایک ہزار روپیہ اور اپنے مصارف کے لئے دو سو روپے کی اشرفیاں لیکر واپس آیا محمد علی نے واپسی سے پہلے پانی پت میں حمداللہ سے بھی ملاقات کی تاکہ محمد میاں کے گھر والوں کی خیریت معلوم کر سکے۔ ہندوستان سے روانہ ہونے سے پہلے محمد علی نے مولوی احمد چکوالی کو لاہور میں خط لکھا

عبدالحق اور ریشمی خطوط

۷۱۔ لیکن عبدالحق کو جس کا کام زیادہ اہم تھا دوسرے حالات کا سامنا ہوا۔ اس کے پاس تین نہایت اہم خطوط تھے۔ جو ریشمی کپڑے پر لکھے ہوئے تھے۔ اور شیخ عبدالرحیم سندھی کو پہنچائے جانے تھے۔ اس کے پاس دوسرے خطوط بھی تھے جو شیخ ابراہیم نے پہلے سندھ میں پہنچانے کے واسطے دئے تھے۔ یہ کم اہم خطوط اس نے مولوی عبداللہ کو دیدئے تھے۔ لیکن دوسرے

خطوط اپنے پاس رہنے دیے تھے۔ یہ کام کرنے کے بعد عبدالحق اپنے پرانے مربی خان بہادر رب نواز خاں سے ملنے گیا جو شاہ نواز اور اللہ نواز کا باپ ہے۔ اس شخص نے اس پر اتنا اثر ڈالا کہ اس کو ریشمی خطوط دکھانے پر آمادہ کر لیا۔ اس نے یہ خطوط اپنے قبضہ میں کر لئے اور انھیں اور عبدالحق کو فوراً ... یہ دستخطی خطوط مولوی عبیداللہ اور مولوی محمد میاں نے اپنے جنرل مولانا محمود الحسن کو لکھے ہیں جو ان کو مدینہ میں شیخ عبدالرحیم سندھی کے ذریعہ بھیجے جانے والے تھے۔

ہندوستانی حکام کو پہلے سے اطلاع تھی

۷۲۔ ان خطوط کے ہندوستانی حکام کے ہاتھوں میں پہنچنے سے بہت پہلے سے انہیں عبیداللہ کی انقلابی نوعیت کی سرگرمیوں کا اور مولانا محمود حسن کی ہندوستان سے اس مقصد کے لئے روانگی کا علم تھا کہ وہ حجاز سے حکومت برطانیہ کے خلاف انحراف اور غداری پھیلائیں۔

درحقیقت ستمبر ۱۹۱۶ء میں بھی مولانا کو جب وہ عرب کو جانے کے لئے سمندری سفر کر رہے تھے روکنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن یہ ہدایات اس وقت عدن پہنچیں جبکہ جہاز اس بندرگاہ سے گذر چکا تھا۔

عبدالحق نے سب کچھ اُگل دیا

۷۳۔ ریشمی خطوط میں جو تفصیلات دی گئی تھیں۔ وہ ان اطلاعات پر پوری اتر تی تھیں جو سی آئی ڈی کے ڈائرکٹر کو حاصل تھیں پھر قاصد عبدالحق کو آمادہ کیا گیا کہ وہ سازش سے اپنے تعلق کے بارہ میں مکمل بیان دے اور سازش کے بارہ میں جو جو باتیں اسے معلوم ہیں سب بیان کر دے۔

احمد علی۔ ابو محمد احمد اور عبیداللہ بھی بول پڑے

۷۴۔ دریں اثنا بعض مقامات پر ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت تلاشیاں لی

سرمان ... نے ... پیش کر دیا۔

گئیں۔ اور گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ گرفتار شدگان سے پوچھ تاچھ کی گئی اور مولوی احمد علی، عبداللہ اور ابو محمد احمد عرف احمد چکوالی نے پولیس کے سامنے بلا تاخیر بیانات دیدیئے۔ جن سے وہ خود بھی ماخوذ ہوتے تھے۔ اور جن سے سازش کی مزید تفصیلات کا انکشاف ہوتا تھا۔

یو۔پی میں سازشیوں اور گواہوں سے پوچھ تاچھ

۸۷۔ کیونکہ یہ سازش دیوبند سے شروع ہوئی تھی۔ اس لئے تفتیش کی ذمہ داری کا بوجھ یو۔پی سی آئی ڈی پر تھا چنانچہ صوبہ جات متحدہ میں سازشیوں اور گواہوں کی بڑی تعداد سے پوچھ تاچھ کی گئی۔ اور ان کے بیانات لئے گئے۔ جن میں سازشیوں میں سے مولوی مرتضیٰ حسن، محمد میاں اور مسعود کے بیانات۔ اور گواہوں میں سے مظہر الدین اور محمد حسین کے بیانات زیادہ قابل تعداد ہیں ہماری دلچسپی کے دوسرے بیانات۔ یو۔پی کے لوگوں میں سے مطلوب الرحمٰن، محمد سیف، قاضی محی الدین، ظہور محمد، انیس احمد اور محمد سہول کے بیانات۔ اور پنجاب کے لوگوں میں حمد اللہ۔ عبدالباری اور شجاع اللہ کے بیانات۔

ان تلاشیوں سے مقدمہ کے سلسلہ میں اہمیت کی کوئی بات معلوم نہیں ہوئی۔ اپریل ۱۹۱۶ء میں فضل الحسن کے یہاں تلاشی لی گئی جس سے کچھ ایسے خطوط ملے۔ جن سے اس بات کی تائید ہوتی تھی۔ کہ وہ کابل میں سازشیوں میں شامل ہوجانا چاہتا تھا۔

لہ یہ بیانات اس وقت دیئے گئے۔ جبکہ تحریک کئی ماہ پہلے ختم ہوچکی تھی۔ شریف ترکوں سے بغاوت کر کے انگریزوں کا کھلونا بن چکا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کو گرفتار کرچکا تھا۔ تحریک ختم ہونے کے بعد یہ بیانات داستانِ ماضی تھے۔ ماضی کی داستان پوری بھی بیان کی جاسکتی تھی۔ مگر پھر بھی پوری داستان کسی نے نہیں بیان کی۔ البتہ جرح میں پولیس نے کچھ ایسے فقرے کہلوائے جو اس کے لئے مفید ہوئے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ پولیس نے ان فقروں کو ملا کر داستان مرتب کرلی۔ پولیس اپنی اس ہوشیاری کے باوجود ایسا مواد فراہم نہ کرسکی جو ایسے بڑے سازشی کیس میں ضروری تھا۔ اسی وجہ سے ان حضرات پر باقاعدہ مقدمہ نہیں چلایا جاسکا۔ مختلف آرڈی نینسوں اور آرڈروں کے ماتحت کچھ عرصہ نظر بند رکھ کر چھوڑ دیا۔ باقاعدہ سزا کسی کو بھی نہیں ہوئی۔

(محمد میاں)

مولانا اور اُن کی پارٹی کا حجاز سے اخراج اور برطانوی حکام کی طرف سے نظر بندی

۷۶۔ مولانا اور اُن کی پارٹی کو جو حجاز میں تھی اس بات کا یقین نہ تھا کہ شریف مکہ ترکوں کا جوا اتار پھینکے گا اس واقعہ سے اِن کے منصوبے میں کچھ گڑبڑ ہو گئی۔ اُن کے چھکے اُس وقت چھوٹ گئے جب شریف مکہ نے حضرت مولانا نیز مولوی حسین احمد مدنی مولوی عزیز گل عبد الواحد (یا عبد الوحید) اور دوسرے دو اشخاص کو اس بنا پر گرفتار کر لیا کہ وہ اس کی حکومت کے خلاف سازش کر رہے ہیں اس امر کی تائید کہ مولانا نے ایسا کیا ہمیں ہادی حسن اور شاہ بخش کے بیانات میں ملتی ہے۔

مطبوعات کے ذریعہ انقلابی پروپیگنڈہ

۷۷۔ اگرچہ ان میں سے بعض کتابوں اور دستاویزوں کا تذکرہ اس بیان میں آئے گا لیکن یہ مناسب ہوگا۔ اشتعال انگیز لٹریچر کے ذریعہ ہندوستان میں انقلاب کا راستہ صاف کرنے اور سرحد پار شورش برپا کرنے کے واسطے سازشیوں کی تیاریوں کی خاص خاص باتوں کو بیان کر دیا جائے۔

تعلیم قرآن و کلید قرآن

(۱) انیس احمد کی تحریر کردہ اُردو کتابوں تعلیم قرآن اور کلید قرآن میں صاف الفاظ میں مسلمانان ہند کو تلقین کی گئی ہے۔ کہ ان پر اس وقت بھی جہاد اتنا ہی فرض ہے جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانہ کے پیروؤں پر فرض تھا۔

الخواطر فی الاسلام

(۲) اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ جب ترکی برطانیہ سے برسر جنگ تھا۔ تو ابوالکلام

آزاد نے کس نیت سے کتاب الخواطر فی الاسلام کا ترجمہ چھاپنے کی تیاریاں کیں۔ اور پھر ...... اس کی اشاعت شروع کی جس سے مسلم قارئین کا غیر مسلموں کے خلاف عموماً اور برطانیہ کے خلاف خصوصاً جذبات مشتعل ہوئے بغیر اور ملک معظم کے دشمن اور ترکوں سے ہمدردی کا جذبہ بیدار ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

الہلال

دیکھئے تتمہ ج (زیڈ)

(۳) مولوی ابوالکلام آزاد نے اخبار الہلال کو جہاد کے موضوع پر اپنی انقلابی تعلیمات کی تبلیغ کے لئے استعمال کیا اور جب پولیس ایکٹ کے تحت حکومت کی کارروائی سے الہلال بند ہوگیا۔ تو اس نے کلکتہ سے دوسرا اخبار البلاغ اسی مقصد کے لئے جاری کیا۔ تتمہ ج (زیڈ) میں الہلال کے کچھ اقتباسات اور اس پرچہ کے بارہ میں ایک یادداشت شامل ہے۔

شیخ الاسلام کا فتویٰ

تتمہ W (اس پر ترجمہ ہے)

(۴) شیخ الاسلام کا فتویٰ جہاد جس میں جہاد کو فرض بتایا ہے جس کی فوٹو کاپیاں کابل سے عبداللہ کے ذریعہ ہندوستان بھیجی گئیں۔

مولوی اسمٰعیل دہلوی کا فتاویٰ جہاد

(۵) ہندوستان سے روانہ ہونے سے پیشتر مولانا نے ریاست ٹونک سے مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی کے فتاوی جہاد کے مجموعہ کی نقل حاصل کی اور مولوی مبین کو اس کی ایک نقل اپنے (یعنی مولانا کے) واسطے اپنے ساتھ لانے کو کہا جو مولانا نے نور الحسن کے پاس چھوڑ دی تھی۔ کیونکہ اس کا ساتھ لیجانا انہوں نے خطرناک سمجھا۔

قابل اعتراض حصوں کو حذف کرنے کے بعد اس کتاب کا ایک ایڈیشن پنجاب میں چھپا ہے۔

دارالحرب کے بارہ میں شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فتویٰ

(دیکھئے تتمہ V)

(۶) جب مولانا مدینہ میں تھے تو انھوں نے سید ہادی حسن کو یہ کام تفویض

کیا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (برادر[1] مولانا محمد اسمٰعیل) کے فتویٰ کو جس میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ ان کے لئے حاصل کریں اور اس کی فوٹو کا پیاں بنوائیں۔

غالب نامہ

(۷) مولانا نے مکہ میں غالب پاشا سے تین زبانوں میں لکھا ہوا ایک حکم نامہ حاصل کیا جس کو غالب نامہ کہا جاتا ہے۔ جو اُس نے بدست مولانا محمد میاں ہندوستان اور سرحد پار کو روانہ کیا تھا۔

انور پاشا۔ جمال پاشا اور غالب پاشا کے فرامین

(۸) مولانا نے مدینہ میں انور پاشا اور جمال پاشا سے بھی فرامین حاصل کئے اور بدست حاجی شاہ بخش و ہادی حسن ہندوستان بھیجے تاکہ نور الحسن کو دیدیے جائیں۔

(۹) مولانا نے حجاز میں ایسے کاغذات حاصل کر کے انہیں بدست حاجی شاہ بخش ہندوستان بھیجا۔ جن میں ہندوستانی مسلمانوں پر واضح کیا گیا تھا۔ کہ شریف مکہ غاصب ہے اور اسے اس کے موجودہ عہدہ سے ہٹا دیا جانا ہے۔

ابھی باقاعدہ تفتیش نہیں ہوئی ہے

۷۸۔ ابھی تک فوجداری مقدمہ قائم نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے باضابطہ تفتیش بھی ابھی تک نہیں ہوئی ہے اور کچھ ایسے نکات باقی ہیں۔ جن کی شہادتوں کے ذریعہ مزید تصدیق حاصل کرنی ضروری ہے۔

دستیاب شہادتیں

۷۹۔ بحالت موجودہ بنیاد مقدمہ یہ ہیں۔

(۱) دو بڑے سازشیوں کے دستخطی خطوط۔ جن میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کہ

[1] برادر نہیں بلکہ برادر زادہ حضرت شاہ عبدالعزیز کے بھائی شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ تھے مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ ان کے خلف رشید تھے محمد میاں

سازشیوں نے ہندوستان میں اور سرحد پار کیا کیا ہے۔ اور آئندہ کیا کیا کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں۔

(۲) سات سازشیوں عبدالحق[1]۔ مرتضیٰ[2]۔ مبین[3] احمد علی[4]۔ عبداللہ[5]۔ ہادی حسن[6] اور مسعود[7] کے بیانات۔ جو اعتراف جرم کی حد کو پہنچ جاتے ہیں۔ ان کو سلطانی گواہ[1] بنایا جائیگا۔

(۳) متعدد گواہوں کے بیانات۔

(۴) کچھ دستاویزی شہادتوں پر۔

(۵) سازش کے کچھ ایسے بیان کردہ واقعات۔ جن کی تائید سی۔ آئی۔ ڈی اور پولیس کے موجودہ ریکارڈوں سے ہوتی ہے۔

مقدمہ کی تمام اہم تنقیحات سے متعلق ان شہادتوں میں مطابقت ہے اور بیانات جن کو آزادانہ طور پر بہر ممکن احتیاط کے ساتھ ریکارڈ کیا گیا ہے۔ ان کو پورے اعتماد کے ساتھ مکمل طور پر حقیقی اور واقعی اور کسی کے سکھائے پڑھائے بغیر دئے گئے بیانات تسلیم کیا جاسکتا ہے جو شریک کار سازش یا قابل اعتماد گواہوں نے دئے ہیں۔

گواہوں کے بیانات[2] مختلف ادوار کے بارے میں

۸۰۔ اقبالی مجرموں کے بیانات مختلف ادوار کے واقعات پر مشتمل ہیں مرتضیٰ نے مولانا اور عبیداللہ کے تعلقات اور عبیداللہ اور دیوبند کے روابط اور مولانا کی جماعت کی ہندوستان سے روانگی کے وقت تک کی موقعہ بموقعہ سرگرمیوں کا حال بیان کیا ہے۔

ہادی حسن نے وہ واقعات بیان کئے ہیں جو مرتضیٰ کی واپسی کے بعد مکہ اور مدینہ میں پیش آئے۔

[2] جو بیانات جن گواہوں کی طرف منسوب ہیں ان کی ترد ید کی ضرورت نہیں البتہ یہ ظاہر ہے کہ ان حضرات نے یہ بیانات افشاء راز کے طور پر نہیں دیئے۔ بلکہ جرح کے سلسلہ میں کچھ جوابات ایسے ہوئے جن سے پولیس نے یہ مواد اخذ کر لیا۔ ظاہر ہے یہ حضرات قانون داں نہیں تھے کہ ہر جرح کے جواب میں ایسے جچے تلے الفاظ نکلتے جو پولیس کے لئے کارآمد نہ ہوتے۔

مسعود نے ۱۹۱۶ء میں مکہ میں مولانا سے ملاقات کے کوائف اور وہ واقعات بیان کئے ہیں جو مولانا کے مکان پر ان کی واپسی سے پہلے اور بعد میں پیش آئے۔

بہین نے مولانا کی روانگی سے فوراً پہلے سازشیوں کی بحث و گفتگو۔ اس مقصد کیلئے خود اس کے چندہ جمع کرنے کے کام کی تفصیل اور اس کے ذریعہ مولانا ابوالکلام آزاد کے درمیان جو مراسلت ہوئی اس کا حال بیان کیا ہے مولانا کی روانگی کے بعد ہندوستان میں سازشیوں کی حرکتوں کی تفصیل بھی اس نے بیان کی ہے۔

احمد علی نے نظارۃ المعارف القرانیہ کی تاریخ اور عبیداللہ کی تالیفات اور سرگرمیوں کی تفصیل اور سرحد پار کے سازشیوں سے ملنے والے پیغامات اور خطوط کی تفصیل بیان کی ہے۔

عبدالحق نے پنجابی مہاجر پارٹی کے ترک وطن کا اور سرحد پار کے سازشیوں کی مجاہدین اور سرحدی قبائل سے رابطہ کا اور کابل میں ان کی سرگرمیوں کا حال بیان کیا ہے۔

عبداللہ سندھی نے عبیداللہ کی کابل کو ہجرت کابل کے حالات و واقعات اور عبیداللہ کے خطوط لیکر اپنی ہندوستان کو واپسی کا حال بیان کیا ہے۔

مقدمہ کا مذہبی پہلو

۸۱۔ استغاثہ کی یہ عرضی اس قیاس پر قائم ہے۔ جس کی تائید موجودہ اور گذشتہ نسل کے مسلمان علماء ہند کے اعلانات سے ہوتی ہے۔ کہ مسلمانوں کو ان کا مذہب برطانیہ کا دشمن بننے پر مجبور نہیں کرتا۔

جب سر ولیم ہنٹر نے اس رائے کو شائع کیا تھا کہ مسلمان مذہب کی رو سے ایسے کرنے کے پابند ہیں تو ہندوستانی مسلمانوں نے بلا تاخیر اس سے بے تعلقی کا اظہار کیا تھا۔ غیر مسلمانوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کا تعین خصوصیت کے ساتھ .... اس لحاظ سے ہوتا ہے۔ کہ کوئی غیر مسلم ملک یا مملکت دارالاسلام ہے یا دارالحرب مسٹر جسٹس عبدالرحیم نے اپنی کتاب مسلمانوں کے اصول قانون سازی کا صفحہ ۳۹۷ پر مستند اور

مسلمہ ماخذوں کے حوالے دے کر دکھایا ہے کہ ہندوستان کو دارالاسلام ہی سمجھنا چاہئے
شاید اس سلسلہ میں سب سے زیادہ گراں قدر فیصلہ وہ فتوٰی[1] ہے جو ۱۸۹۸ء میں مرحوم مولانا رشید احمد گنگوہی نے جاری کیا تھا۔ کیونکہ اس پر دوسرے علمار کے علاوہ مولانا محمود حسن کے بھی دستخط ہیں۔ کہ مسلمان مذہبی طور سے پابند ہیں کہ حکومت برطانیہ کے وفادار رہیں۔ خواہ آخر الذکر سلطان ترکی سے ہی برسرِ جنگ کیوں نہ ہو۔

ترکی کے موجودہ جنگ میں شامل ہونے سے کچھ دن پہلے ہی یہ فتوٰی البشیر میں طبع ہوا ہے اس فتوے پر یقین کرتے ہوئے اور جب تک کہ حکومت مسلمانانِ ہند کی مذہبی آزادی میں مداخلت کرکے ملک کو دارالاسلام کے بجائے دارالحرب نہ بنادے ....

...... استغاثہ یہ کہہ سکتا ہے کہ جہاد اور جہاد کے لئے اشتعال دلانا فرض ہونا کجا جائز بھی نہیں بلکہ فی الحقیقت حرام ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے خیالات کی حوصلہ افزائی کرے تو وہ مملکت کے خلاف ایسے جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ جس کے لئے شرعی طور پر مکلف ہونے کا عذر بھی نہیں کیا جاسکتا۔

کسی غیر مسلم حکومت کی وہ کارروائیاں جو اس حکومت کی مسلمان رعایا کو اس سے وفاداری کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیتی ہیں۔ اس کی املاک میں صریحی مداخلت اس کے بچوں کو غلام بنا لینا یا ایسا کرنے کی اجازت دینا یا ایسے ہی دوسرے جابرانہ اقدامات وغیرہ ہوسکتی ہیں۔ لیکن ذمہ داری سے سبکدوشی کا یہ اعلان کسی ذمہ دار مذہبی عہدہ دار کی جانب سے ہونا چاہیئے۔

بلاشبہ کچھ لوگوں نے ایسے اعلانات کئے ہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ لیکن جن لوگوں نے یہ اعلانات کئے ہیں۔ انہوں نے خود باغی ہونے کا اعتراف کیا ہے اور کوئی بھی

---

[1] تعجب ہے علمار دیوبند یعنی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ سے تعلق رکھنے والی پوری جماعت کو اس فتوے کا علم نہیں۔ اور سی۔ آئی۔ ڈی کو یہ فتوی یاد رہ گیا۔ مزید تعجب یہ کہ خود مولانا محمود الحسن صاحب کو جنھوں نے بقول سی۔ آئی۔ ڈی اس پر دستخط کئے تھے یہ فتوٰی یاد نہیں رہا۔ اور البشیر جس میں یہ فتوٰی طبع ہوا تھا۔ اس کے متعلق بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ اخبار کہاں سے شائع ہوتا تھا۔ اور تاریخ اشاعت کیا تھی۔ مفصل تردید ہم مقدمہ میں کر چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے مغالطے۔ محمد میاں

ذمہ دار ہندوستانی مسلمان موجودہ وقتوں میں ایسے اعلان کی حمایت نہیں کریگا۔

مولانا خلیل احمد بھی مولانا رشید احمد کے فتویٰ پر دستخط کرنے والوں میں شامل ہیں اس معاملہ میں اُن کی رائے لی گئی۔ انہوں نے جو رائے دی اس کی بڑی قیمت ہے لیکن اسکی قدر اس وجہ سے کچھ کم ہے کہ اُن کے بارہ میں مشہور ہے کہ اگست سنہ ۱۹۱۵ء میں وہ خود بغرض ہجرت ہندوستان سے چلے گئے تھے۔ اُن کے مرید اور شاگرد روپیہ بھیجتے وقت ان کو مولانا محمود حسن کو بھی مہاجر لکھتے ہیں۔

تاہم یہ ایک واقعہ ہے کہ سنہ ۱۹۱۳ء میں مولانا خلیل احمد نے ہجرت کے سلسلہ میں فتویٰ دیا تھا کہ ہندوستان سے ہجرت واجب (صحیح اور مناسب) نہیں۔ یہ فتویٰ وکیل امرتسر میں ۱۴ر جون سنہ ۱۹۱۳ء کو چھپا تھا۔

سازشیوں کے خلاف کارروائی کی تجویز

۸۲۔ استغاثہ میں ۵۹ سازشیوں کے نام شامل کئے گئے ہیں ان میں سے دو سازشی ۶ و ۱۱ وفات پا چکے ہیں سات سازشی ۲، ۸، ۱۷، ۳۰، ۴۸، ۵۰ اور ۵۱ سلطانی گواہ بن گئے اور ۲۵ مفرور ہیں۔

آخر الذکر (یعنی مفرورین) میں سے ہر شخص کے خلاف کیونکہ ریکارڈ موجود ہے اس لئے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۵۱۲ کے تحت اِن سب کے خلاف بیانات استثنا ۱۹ و ۵۷ شہادتیں پیش کی جائیں گی۔

استغاثہ کی تجویز ہے کہ باقی ماندہ لوگوں میں سے ۱، ۳، ۵، ۷، ۹، ۱۳، ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۴، ۳۱، ۳۲، ۳۹، ۴۰، ۵۲، ۵۵، ۵۷ اور ۵۹ کے خلاف کارروائی کی جائے۔

سازشیوں کے خلاف کیس کی یادداشتیں

۸۳۔ تاکہ صوبائی حکام متعلقہ کو قطعیت کے ساتھ معلوم ہو سکے کہ جن آدمیوں سے

ان کو سروکار ہے ان کے خلاف شہادت کی نوعیت کیا ہے ایسی یادداشتیں تیار کی گئی ہیں جن میں ہر شخص کے خلاف انفرادی طور پر کیس کو بتایا گیا ہے۔ یہ یادداشتیں صرف ۵۹ سازشیوں کے بارہ میں نہیں بلکہ ۱۳ دیگر اشخاص کے بارہ میں بھی تیار کی گئی ہیں جن کا اگرچہ سازش سے تعلق ہے لیکن یہ لوگ اتنے کافی ملوث نہیں ہیں۔ کہ انھیں بھی سازشیو کی فہرست میں شامل کیا جاسکے۔ ان یادداشتوں کا مجموعہ جو باعتبار حروف تہجی مرتب کیا گیا ہے۔ اور جس کی انڈکس بھی بنالی گئی ہے۔ اس رپورٹ میں ضمیمہ کے طور پر (حصہ سوم) شامل کرلیا گیا ہے۔

استغاثہ کی داستان ختم ہوچکی۔ یہ ایک مورخ کے لئے مستند داستان ہے۔ گواہوں کے بیانات شائع نہیں کئے جا رہے۔ وہ بیانات مستند شہادت نہیں بن سکتے۔ کیونکہ ان میں اخفا سے کام لیا گیا ہے۔ اسی لئے ان میں تضاد بھی ہے۔ صرف عبدالباری صاحب کا پورا بیان اور شجاع اللہ صاحب کے بیان کے کچھ اقتباسات آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمایئے۔ ان میں ایسی روشنی ہے جو مورخ کے لئے قابل قدر ہوگی۔

آئی

بیان عبدالباری بی اے پسر مولوی
غلام جیلانی۔ ذات ارائیں ساکن محلہ قاضی
(جیا اندھرا)

میں غیر شادی شدہ ہوں۔ میرا باپ ریٹائرڈ منصف ہے۔ اور ضلع لائل پور میں ۶ مربع زمین کا مالک ہے۔ میرا ایک بھائی ہے جس کا نام مولوی غلام باری ہے وہ لائل پور میں پلیڈر ہے۔ میں نے لائل پور گورنمنٹ ہائی اسکول سے ۱۹۱۰ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا تھا اور اسی سال گورنمنٹ کالج میں داخل ہوگیا تھا۔ ۱۹۱۲ء میں میں نے بی اے کیا۔ اور اسی سال ایم اے کے کلاس میں داخل ہوگیا۔ میں ٹرنر بورڈنگ ہاؤس ملحقہ کالج میں رہتا تھا۔

ہندوستان سے طلباء کے ترک وطن کے اسباب

موجودہ یورپی جنگ اگست ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی چند ماہ بعد ترکی، جرمنی کی طرف سے جنگ میں شامل ہوگیا۔ اس سے ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں میں بڑا جوش و خروش پیدا ہوگیا۔ طالب علم بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ طالب علم جنگ کی صورت حال پر عام طور سے تبادلہ خیالات کیا کرتے تھے دی گرافک (اخبار) میں شیخ الاسلام کا ایک کارٹون شائع ہوا کہ وہ جہاد کا فتویٰ جاری کر رہے ہیں۔ اس تصویر میں کلمہ طیبہ کا اس طرح مذاق اڑا گیا تھا۔ تصویر کے نیچے یہ الفاظ تحریر تھے۔

"اللہ اکبر قیصر رسول اللہ" (نعوذ باللہ)

ہندوستان، مصر اور افغانستان اس فتوی کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے تھے گرافک اخبار ان متعدد اخبارات میں شامل ہے جنہیں گورنمنٹ کالج لائبریری میں خرید لیا جاتا تھا۔ اس شمارہ سے مسلم طلباء میں بڑا غصہ اور برہمی پیدا ہوئی۔ اور میں بھی اس عام احساس میں شریک تھا جو ایک انگریزی اخبار کی طرف سے اسلام کی ایسی علانیہ اور

کھلی اہانت اور بے وقعتی سے اخبار کے خلاف پیدا ہوا تھا۔ کٹر مذہبی طلباء جیسے عبد المجید خاں شیخ عبداللہ وغیرہ تو ذہنی توازن کھو بیٹھے۔ اور اس اہانت پر اول فول بکنے لگے۔ اس بات سے طلباء کے اس خیال کی تصدیق ہوگئی کہ شیخ الاسلام نے فی الحقیقت عالمگیر جہاد کا فتویٰ دیدیا ہے۔ عبد المجید خصوصیت کے ساتھ ان لڑکوں میں نمایاں تھا جو دوسرے طلباء پر اثر ڈالتے تھے۔ کہ ایسے ملک سے ہجرت کر جائیں جہاں اسلام کی ایسے واضح طریقہ پر بے حرمتی کی گئی ہے۔ اس بارے میں طلباء کے درمیان مشورے ہوئے یہ مشورے خاص طور سے اللہ نواز کے کمرہ میں ہوتے

اگرچہ میں بہت زیادہ مذہبی نہیں تھا تاہم میں بھی متاثر ہوگیا۔ بالآخر طالب علموں نے فیصلہ کیا کہ ترکی پہنچ کر جہاد میں شامل ہوں۔ لیکن کئی دن تک ہم یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ ہم ہندوستان سے کس طرح جائیں۔

ایک شام جب میں ٹینس کھیل کر آرہا تھا تو عبد المجید خاں اور اللہ نواز نے مجھے بتایا کہ اس مشکل کا ایک حل نکال لیا گیا ہے۔ لیکن انہوں نے مجھے تفصیلات نہیں بتائیں ایک دو دن بعد مجھے شام کو اللہ نواز کے کمرہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے دیکھا کہ عبد المجید اس کے پاس ہی ہے۔ انھوں نے مجھ سے قرآن پر حلف لیا کہ میں ان کے ہمراہ ہندوستان سے باہر چلا جاؤں گا۔ جب میں نے تفصیلات پوچھیں تو انھوں نے کہا کہ ہم جلد ہی ہندوستان سے افغانستان کو روانہ ہوجائیں گے۔ اور اگر وہاں پر حالات نے اجازت دی، تو ترکی کو چلے جائیں گے۔

ہندوستان سے باہر جانے کے طریقوں کے بارہ میں اور اس راستہ کے بارہ میں جو وہ اختیار کرنے والے تھے۔ سوالات کئے لیکن انھوں نے کہا کہ یہ باتیں بعد میں طے ہوں گی۔

مجھ سے پوچھا گیا کہ کیا میں کچھ روپیہ دے سکوں گا۔ میرا ارادہ اس سال ایم۔ اے کے امتحان میں شامل ہونیکا تھا اور میرے پاس تقریباً دو سو روپے تھے جو میرے والد نے مجھے دئے تھے۔ یہ بات میں نے ان کو بتادی۔ اور انھوں نے کہا کہ میں روپیہ ساتھ لے لوں چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔

میں نے پوچھا کہ ہم کتنے لوگ ہوں گے مجھے بتایا گیا کہ یہ بات بعد میں معلوم ہو سکے گی۔

اس کے چند دن بعد اللہ نواز لاہور سے غائب ہو گیا۔ چند روز بعد وہ اپنے بھائی شاہنواز کے ہمراہ واپس آیا جو کہ ہماری پارٹی کے ساتھ جانے والا تھا۔

جنوری ۱۹۱۵ء کے آخر میں اللہ نواز، عبدالحمید اور شیخ عبداللہ نے ضروری سامان سفر مثلاً کمبل، لالٹین، چلیں وغیرہ خریدیں۔ اسی اثناء میں اللہ نواز کے کمرہ میں میں نے ایک پٹھان کو دیکھا۔ جس کا نام شیخ عبدالحق تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ شخص بھی سفر میں ہمارا ساتھی ہوگا۔

لاہور سے روانہ ہونے سے پہلے اللہ نواز عبدالحمید اور میں راوی کے کنارے گھومنے گئے وہاں مجھے بتایا گیا کہ طلبا ءکی روانگی کے انتظامات مکمل ہیں۔ ہم لاہور سے ۵ فروری کو روانہ ہوں گے اور ہری پور کے راستے سرحد پار کے علاقہ سے جائیں گے۔

لاہور سے طلباء کی روانگی

چنانچہ ۵ فروری ۱۹۱۵ء کو یہ طالب علم گروپ بنا کر مختلف ٹرینوں سے روانہ ہوئے۔ اللہ نواز اور میں بارہ بجے دوپہر کی گاڑی سے روانہ ہوئے۔ اگلی صبح کو ہم ہری پور پہنچے۔

علیم الدین نامی ایک ضعیف العمر شخص نے ہمارا استقبال کیا۔ وہ مجاہدین کا ایجنٹ تھا وہ ہمیں ایک بنگلہ میں لے گیا جو ہری پور ریلوے اسٹیشن کی حدود کے اندر واقع ہے۔ اس مکان میں ایک ریلوے ملازم محمد الٰہی رہتا تھا۔ محمد الٰہی نے ہمیں ایک کمرہ میں ٹھہرایا اور ہمارے لئے چارہ وغیرہ کا انتظام کیا۔

یہاں مجھے فضل الٰہی نامی ایک شخص ادھیڑ عمر کا ملا۔ وہ محمد الٰہی کا بھائی تھا جو ریل کی پٹڑی بچھاتا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ شخص ہمارے ایک گروپ کے ہمراہ وزیرآباد سے آیا ہے۔ دن بھی ہری پور میں گذار زیادہ وقت میں سوتا رہا کیونکہ لاہور سے روانگی سے قبل کی دو راتوں میں مجھ کو مطلق آرام نہیں ملا تھا۔ وجہ یہ بھی کہ میں نے کالج کے ڈرامہ میں حصہ لیا تھا۔ یہ ڈرامہ اسی رات کو ہوا تھا۔ اس لئے میں یہ بتانے کے لائق نہیں کہ اس موقعہ پر ہماری پارٹی کے ساتھ کیا گفتگو ہوئی۔

جو طالب علم میرے ساتھ ہری پور آئے اور بعد میں انھوں نے وہاں ٹھہرنے کے وقت

جو فرضی نام اختیار کیے اُن کی تفصیل یہ ہے ۔

(۱) میں نے محمد حسین نام اختیار کیا ۔

(۲) گوجرانوالہ کے شیخ عبدالقادر ایم اے طالب علم گورنمنٹ کالج لاہور نے اسمٰعیل فرضی نام اختیار کیا ۔

(۳) ظفر حسن طالب علم سال چہارم گورنمنٹ کالج لاہور نے جو فرضی نام اختیار کیا وہ مجھے یاد نہیں رہا ۔

(۴) عبدالرشید طالب علم سال چہارم گورنمنٹ کالج نے یوسف نام اختیار کیا ۔

(۵) عبداللہ بی اے طالب علم گورنمنٹ کالج نے صادق نام اختیار کیا ۔

(۶) عبدالمجید خاں بی۔ اے طالب علم گورنمنٹ کالج نے ابراہیم نام اختیار کیا ۔

(۸) محمد حسن طالب علم سال چہارم اسلامیہ کالج نے یعقوب نام اختیار کیا ۔

(۹) شیخ خوشی محمد طالب علم سال دوم میڈیکل کالج نے محمد علی نام اختیار کیا ۔

(۱۰) شجاع اللہ طالب علم سال دوم میڈیکل کالج نے محمد یونس نام اختیار کیا ۔

(۱۱) عبدالحمید طالب علم سال دوم میڈیکل کالج لاہور نے یحییٰ نام اختیار کیا ۔

(۱۲) رحمت علی طالب علم سال دوم میڈیکل کالج لاہور نے زکریا نام اختیار کیا ۔

(۱۳) شاہ نواز خاں برادر اللہ نواز (ٹ) نے محمد نام اختیار کیا ۔

(۱۴) شیخ عبدالحق نے الیاس نام اختیار کیا ۔

ہری پور سے ہم شام کو روانہ ہوئے علیم الدین رہبر کی حیثیت سے ہمارے ساتھ تھا۔ ہم نے اپنا سامان ریلوے بنگلہ میں چھوڑ دیا تھا۔ جسے علیم الدین نے اپنے ایک ساتھی کے سپرد کر دیا تھا جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا علیم الدین نے مجھے کہا تھا کہ یہ سامان ہمارے پاس اسمس بعد کو پہنچ جائے گا۔ اس کے ساتھی کا حلیہ یہ ہے ۔

گندمی رنگ عمر ۳۰ برس - درمیانہ ساخت بدن - چھوٹی کتری ہوئی داڑھی ضلع ہزارہ کے کسی گاؤں کا باشندہ معلوم ہوتا تھا ۔

راستہ بھر تیز بارش ہوتی رہی - اگلے دن ہم قبل از دوپہر دربند پہنچ گئے تو ہمیں معلوم ہوا

کہ خوشی محمد مفقود الخبر ہے۔ پہلے ہم ایک مسجد میں رکے جہاں علیم الدین نے ہمیں کچھ کھانا لاکر دیا کیونکہ بارش جاری تھی۔ اور مسجد کی چھت میں برابر پانی ٹپک رہا تھا۔ اس لئے علیم الدین ہمیں قریب کے ایک خالی مکان میں لے گیا۔ جہاں بہت سے دیہاتی ہمیں دیکھنے آئے نواب امب کے ایک ملازم مفتی اسمٰعیل کا علیم الدین نے ہم سے تعارف کرایا۔ اس نے مزید بتایا کہ وہ امیر المجاہدین کا رشتہ دار ہے۔ مفتی نے ہمیں راشن مہیا کیا۔ ہم نے اسے بتایا کہ ہمارا کیا ارادہ ہے۔ اور اس نے ہم سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔

اگلے دن ہم نے دریا کو ایک کشتی کے ذریعہ پار کیا جو مفتی اسمٰعیل نے مہیا کی تھی۔ بالآخر اگلے دن ہم اسمس پہنچ گئے۔ مفتی راستہ میں کچھ دور تک ہمارے ساتھ رہا پھر واپس ہو گیا

اسمس میں آمد

اسمس پہنچنے پر ہمیں ایک کچے مکان میں ٹھہرایا گیا۔ امیر المجاہدین مولوی عبد الکریم سخت بیمار تھے۔ وہاں پہنچنے کے ایک دو دن بعد ہمارا اس سے تعارف کرایا گیا وہ اتنا بیمار تھا کہ زیادہ بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے شکستہ جملوں میں کہا "میرے آخری دن ہیں۔ لیکن میں اپنے خوابوں میں دیکھتا ہوں کہ وہ وقت قریب آگیا ہے جس کے ہم اپنی ساری زندگی منتظر رہے تھے۔ اگلے دن اس کا سانس بند ہو گیا اور اس کا بھتیجا مولوی نعمت اللہ اس کا جانشین مقرر کیا گیا۔

ایک دو دن بعد خوشی محمد اسمس پہنچ گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ رات کی تاریکی میں ہمارا ساتھ نہ دے سکا۔ وہ تھک کر سو گیا اور پیچھے رہ گیا چنانچہ وہ ہری پور لوٹ گیا۔ جہاں کہ اس کی ملاقات محمد الٰہی سے ہوئی جس نے اس کے اسمس کو واپسی کے سفر کا انتظام کر دیا۔

مجاہدین کی بستی پانچسو نفوس پر مشتمل ہے۔ ان میں سے بعض منہ کی طرف سے بھری جانے والی بندوقوں اور دوسرے جدید قسم کی توڑے دار بندوقوں سے مسلح ہیں یہ لوگ گاہے گاہے فوجی ورزش کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کی فوجی اہمیت کچھ نہیں ہے ان کے پاس توپیں نہیں ہیں ہمیں بتایا گیا کہ سرحد پار علاقہ میں کچھ اور جگہیں ہیں جہاں ان کا گولہ بارود اور فالتو اسلحہ جمع رہتا ہے۔

ہم نے امیر سے التجا کی کہ ہمارے سفر میں ہماری مدد کرے لیکن اس نے جواب دیا کہ برف باری کی وجہ سے کابل کا راستہ بند ہے۔ اس وجہ سے ہم کو ڈیڑھ مہینے تک رکے رہنا پڑا۔ ہم اپنا

وقت یا تو اپنے کمرہ میں بیکار بیٹھکر گذارتے تھے۔ یا رائفل کی مشق کرتے تھے۔ اپنے قیام کے دوران مجھے عبدالمجید سے معلوم ہوا کہ مسجد چنیا والی کے مولوی عبدالرحیم سے کہا گیا تھا کہ وہ ہمیں مجاہدین کے پاس پہنچانیکا بندوبست کریں۔

اس کے ذریعہ ہمارے لیڈروں کی وزیرآباد کے مولوی فضل الہٰی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا کہ مولوی عبدالرحیم اور فضل الہٰی ہمارے ہندوستان سے جانے کے سخت خلاف تھے کیونکہ اس کو وہ ایک غیر مفید کام سمجھتے تھے۔ لیکن بار بار کی درخواستوں پر وہ خاموش ہوگئے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں اللہ نواز عبدالرحیم سے واقف تھا۔ اسمس میں مجھے معلوم ہوا کہ ایک طالب علم شیخ عبداللہ ہماری روانگی سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد سے مشورہ کرنے دلی گیا تھا لیکن وہ بھی اس بات کے خلاف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہندوستان کے باہر کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا اس لئے وہ کسی بھی امداد کے واسطے تیار نہ تھے۔ لیکن چونکہ عبدالمجید، عبداللہ اور دوسرے لوگ جانے پر مصر تھے۔ اس لئے انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کے مشورہ کی پروانہ کریں گے۔ اور وہ طلبا کو ہندوستان سے باہر لے گئے۔

مولوی عبدالرحیم کو میں نے اسمس میں پہلی بار دیکھا تھا اُسنے کہا کہ وہ پنجاب سے اس لئے فرار ہوا کہ پولیس اس پر شبہ کرنے لگی تھی۔ اُس نے ہمارے ساتھ رہائش اختیار کرلی۔ اور بشیر احمد کا فرضی نام اختیار کرلیا۔

اس اثنا میں عبدالرحمٰن نے جو گورنمنٹ کالج کا سال اول کا طالب علم تھا اور شیخ عبداللہ کا بھائی تھا اپنی صورت دکھائی۔ اُسنے کہا کہ ہماری روانگی کے بعد ایک ڈاکٹر جو دربند میں ملازم تھا۔ اُس کے گاؤں کا ایک آدمی اُس سے ملا۔ ڈاکٹر سے اس کو ہمارے بارہ میں معلوم ہوا چنانچہ وہ ہمارے پیچھے پیچھے اسمس آگیا۔ دربند سے گذرتے ہوئے میں کسی ڈاکٹر سے نہیں ملا۔

اس کے فوراً بعد کالا سنگھ نمودار ہوا وہ کسی کیس میں مفرور ہوا تھا۔ اور ضلع لدھیانہ کا رہنے والا تھا۔ وہ آزادی کے بارہ میں اور امریکہ میں لوگوں کو جو آزادی تھی اس کے بارہ میں بہت باتیں کیا کرتا تھا۔ وہ بھی اسمس میں مقیم ہوگیا تھا اور امیر مجاہدین نے اس کو ضروریات زندگی مہیا کردی تھیں۔

ہمارے پہنچنے کے تین چار ہفتہ بعد مفتی اسمٰعیل وہاں پہنچے اور ہم سے کہنے لگے کہ عجائب خاں تحصیلدار ہزارہ ہم سے ملنا چاہتا ہے۔ شجاع اللہ۔ عبدالمجید مولوی عبدالرحیم اور میں مفتی اسمٰعیل کے ہمراہ دربند پہنچے۔ عجائب خاں نے جو نواب دربند کے ایک مملوکہ بنگلہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ معاملات پر ہم سے گفتگو کی اُسنے ہم سے ترک وطن کے اسباب پوچھے جنھیں سنکر اُس نے اظہار پسندیدگی کیا۔ اُس نے ہندوستان کو واپسی کی کوئی تجویز نہیں رکھی اور ہم سے کہا کہ وہ تو صرف اس غرض سے آیا ہے کہ ان لڑکوں سے ملاقات کرے جو ایسے سن پر اپنے گھروں کو چھوڑ کر آ گئے ہیں۔ اُس نے ہمیں مشورہ دیا کہ ایک بیان لکھ دیں کہ ہم ملازمت کے لئے افغانستان جا رہے ہیں۔ لیکن ہم نے اس سے کہا کہ ہم ایسا کہنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتے۔ یہ ملاقات تقریبًا دو گھنٹہ تک جاری رہی۔ رات ہم نے اس گھر میں گذاری مفتی اسمٰعیل نے جس کا ہمارے لئے انتظام کیا تھا دوسرے دن ہم اسمس لوٹ گئے۔

مجھے اسمس میں یہ بھی معلوم ہوا کہ عبدالخالق اور محمد حسن نامی دو طالب علم ہماری روانگی کے دوسرے دن ہری پور پہنچے تاکہ ہمارے ساتھ جا سکیں لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ ہم جا چکے ہیں تو وہ لاہور واپس ہوگئے اب مجھے یاد نہیں کہ یہ بات کس نے بتائی تھی۔

اسمس سے طلبا کی روانگی

ہمارے اسمس پہنچنے کے بعد بہت جلد مجاہدین کے فوجی کمانڈر عبدالکریم کو امیرالمجاہدین نے کابل روانہ کیا۔ تاکہ وہ پرنس نصراللہ خاں نائب السلطنت سے حسب دستور سالانہ ملاقات کر سکے اور چونکہ ہمارے پاس پاسپورٹ نہ تھے اس لئے اس کو امیرالمجاہدین نے ہدایت کی تھی۔ کہ ہمارا معاملہ پرنس نصراللہ خاں کو سمجھا کر ہمارے لئے پاسپورٹ بنوا دے۔ یہ بات ہم کو امیرالمجاہدین نے بتائی تھی دریں اثنا ہم لوگ انتظار کرتے کرتے تھک چکے تھے اس لئے ہم نے روانہ ہونیکا فیصلہ کیا۔ میرے خیال میں مارچ ۱۹۱۵ء کے آخر یا اپریل ۱۹۱۵ء کے شروع میں ہم اسمس سے کابل روانہ ہوئے۔ ہمارے ساتھ ایک پٹھان راہنما عبداللہ خاں تھا۔ جو امیر نے ہمارے ساتھ کر دیا تھا عبدالرحیم اسمس ہی میں ٹھہر گیا اُس نے بعد کو کابل پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔ کالا سنگھ بھی پیچھے ہی رہ گیا۔ عبدالرحیم اور کالا سنگھ نے اس وقت تک یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ آئندہ کیا کرنیوالے ہیں

دشوار گذار کوہستانی علاقہ میں تین ہفتہ کے سفر کے بعد ہم ایک سرحدی مقام پر پہنچے جسے سرکنی کہتے ہیں۔ یہ افغانستان کی سرحدی چوکی ہے۔ وہاں سے چلتے چلتے ہم جلال آباد پہنچے۔ راستہ میں ہمیں کسی نے بھی نہیں روکا۔ بلا پاسپورٹ سفر کرنے کی بنا پر جلال آباد میں ہم پر پولیس کی نگرانی قائم کر دی گئی۔ امیر کا ایک وزیر شاہ غازی ملکی اس وقت وہاں پر ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا اس نے ہم پر یہ نگرانی قائم کی تھی۔

طلبار کا ورود کابل

اس کے بعد ہمیں کابل لے جایا گیا۔ جہاں ہم غالباً مئی ۱۹۱۵ء میں پہنچے اس کے بعد ہمیں کوتوالی میں پولیس کی نگرانی میں رکھا گیا۔ ہمارے ورود کابل کے چند دن بعد عبدالمجید خاں اس بخار سے مر گیا۔ جو اس کو راستہ میں ہو گیا تھا۔

کئی مہینہ تک ہم اسی طرح پولیس کی نگرانی میں رہے۔ ہمیں صرف پولیس کی نگرانی میں باہر جانے کی اجازت دی جاتی تھی۔ کچھ مہینہ بعد وزیر داخلہ نے ہم کو اپنے دفتر میں طلب کیا۔ جہاں ایک افسر نے ہم کو ایک دستاویز دی کہ یا تو ہم افغانستان سے واپس چلے جائیں یا اقرارنامہ پر دستخط کریں کہ ہم دو دو اور تین تین کے گروہوں میں رہیں گے۔ ہندوستانی اور ہندوستانیوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھیں گے۔ گرفتاری کے خوف سے ہم نے ہندوستان کو واپس جانے سے انکار کر دیا۔ روپیہ پاس نہ ہونے کی وجہ سے ہم ترکی سفر بھی جاری نہ رکھ سکتے تھے۔ چنانچہ ہم نے ترکی کا سفر جاری رکھنے کی اجازت طلب کرنے کے لئے کوئی درخواست نہیں دی۔ بالآخر ہم لوگوں کو ایک ساتھ رہنے کی اجازت دیدی گئی۔

اس طرح کئی مہینے گذر گئے شجاع اور میں زندگی سے تنگ آ گئے۔ ایک دن مجھ سے مشورہ کے بعد شجاع اللہ محافظوں کی نظر بچا کر کابل میں مامور برطانوی ایجنٹ سے ملا اور اس سے درخواست کی کہ حکومت برطانیہ سے اسے ہندوستان لوٹنے کی اجازت دلا دے لیکن ایجنٹ نے اس سلسلہ میں کوئی بھی کارروائی کرنے سے انکار کر دیا۔ شجاع اللہ مایوس لوٹ آیا۔

جب دوسرے طلبار کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اس بے وقوفی پر شجاع اللہ

کو سخت سست کہا اور تنبیہ کی کہ اگر یہ بات امیر کو معلوم ہو گئی تو ہماری ساری پارٹی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی یہ راز کابل میں سب پر عیاں ہے کہ اگر کسی شخص کو کابل میں مامور برطانوی ایجنٹ سے خط و کتابت کرتے ہوئے دیکھ لیا جاتا ہے تو حکومت افغانستان یا تو اس کو فوراً سزائے موت دے دیتی ہے یا قید میں ڈال دیتی ہے۔

کوہاٹ سے مجاہد طلبار کی آمد

جب ہم کابل میں زیر حراست تھے تو کوہاٹ کے چار طلبار جنھوں نے ہمارے جیسے حالات میں افغانستان کو ہجرت کی تھی۔ پولیس کی نگرانی میں کوتوالی لائے گئے اور ہمارے ساتھ بند کر دئے گئے۔

(۱) لطیف خاں طالب علم پشاور کالج۔
(۲) فقیر شاہ " " کوہاٹ اسکول۔
(۳) پیر بخش " " "
(۴) عبدالمجید کوہاٹ پولیس

انھوں نے ہمیں بتایا کہ وہ تیراہ کے راستہ افغانستان آئے ہیں اور پاسپورٹ نہ ہونیکے باعث ان کو جلال آباد میں گرفتار کر لیا گیا۔

مولوی عبدالرحیم کی کابل میں آمد

بعد میں کسی وقت، میرے خیال میں ۱۹۱۵ء کے آخر میں میرا ایک ساتھی بازار سے واپسی پر کہنے لگا کہ اس نے مولوی عبدالرحیم کو دیکھا ہے۔ اسنے مزید کہا کہ مولانا صاحب کی خواہش ہے کہ عبدالمجید کے مقبرہ پر تمام طالب علم اس سے ملیں۔ چنانچہ عبداللہ اور خوشی محمد اس سے مقبرہ میں ملے انھوں نے واپسی پر ہمیں بتایا کہ مولوی عبدالرحیم امیر مجاہدین کے ایلچی کی حیثیت سے آیا ہے تاکہ نائب السلطنت (پرنس نصر اللہ خاں) سے ملاقات کرے۔ انھوں نے بتایا کہ مولوی عبدالرحیم ایک سرائے میں ٹھہرے ہیں۔ اور بعض مصلحتوں کی وجہ سے ہم سے علانیہ ملاقات نہیں کر سکتے۔ تاہم انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ نائب السلطنت پر پورا زور ڈالیں گے کہ ہمارے ساتھ بہتر سلوک ہو۔

جہاں تک مجھے علم ہے۔ یہ مولوی عبدالرحیم کا پہلا سفر کابل تھا۔ اور کوئی قابل

ذکر بات پیش نہیں آئی۔ اس اثنا میں طلباء گھر سے چلے آنے پر پچھتا رہے تھے اگر ہمیں یقین ہوتا کہ ہندوستان میں واپس آنے پر ہمیں سزا نہیں دی جائے گی تو ہم میں سے بہت سے طالب علم اب تک اپنے گھروں کو واپس آچکے ہوتے۔

مولوی عبدالرحیم نے ہمیں مشورہ دیا کہ حاجی عبدالرزاق سے خفیہ طور پر رابطہ رکھیں کیونکہ وہ نائب السلطنت (پرنس نصراللہ خاں) کا معتمد افسر ہے۔ وہ ایک پرجوش مسلمان ہونے کے علاوہ سرحد پار کے علاقہ یاغستان اور نائب السلطنت کے درمیان واسطہ کا بھی کام کرتا ہے۔

بعد میں مجھے کچھ طالب علموں نے بتایا کہ مولوی عبدالرحیم نے نائب السلطنت سے گولی بارود کے کچھ بکس لئے ہیں۔ اور وہ مجاہدین کے لئے ان کو اپنے ہمراہ لے گیا ہے۔

اس اثنا میں ہم نے حبیبیہ کالج کے شیخ ابراہیم سے سنا کہ دلی کے مولوی عبیداللہ جو بہت لائق مولوی ہیں اور اس کے پرانے دوست ہیں وہ بھی ہندوستان سے ہجرت کر کے آگئے ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ وہ قندھار پہنچ چکے ہیں اور کابل آرہے ہیں۔

طلبا کی پرنس عنایت اللہ خاں سے ملاقات

ایک موقعہ پر کچھ طالب علم دریا کے کنارے پر نہانے گئے واپسی پر انہوں نے بتایا کہ انھوں نے پرنس عنایت اللہ خاں سے ملاقات کی ہے۔ جبکہ وہ موٹر میں گھوم رہے تھے۔ پرنس نے موٹر روک کر ان سے گفتگو کی۔ اور کہا کہ اپنا دل نہ توڑیں اور ہمت قائم رکھیں۔ اس وقت پرنس ہیٹ پہنے ہوئے تھے۔ اس نے کہا کہ ہیٹ سے میرے بارے میں کوئی رائے قائم نہ کرو میں دل سے پکا مسلمان ہوں۔

کچھ دن بعد جب کہ شیخ عبدالقادر، خوشی محمد اور میں ٹہلنے جا رہے تھے پرنس کے سکریٹری مرزا احمد عمر نے ہمیں اطلاع کرائی کہ پرنس ہم میں سے کچھ طلبا سے اگلی صبح کو ملاقات کرنی چاہتے ہیں۔ چنانچہ اگلی صبح شیخ عبدالقادر، خوشی محمد اور میں پرنس کے بنگلہ پر پہنچے پہلے ہمیں کھانا کھلایا گیا پھر اس کے حضور میں پیش کیا گیا وہ بہت فیاض تھا اس نے ہمیں دیکھ کر اظہار مسرت کیا۔ اس نے ہم سے دریافت کیا اور ہم نے اسے وہ وجوہات بتائیں جن کی

بنارپرتیم نے ہندوستان کو چھوڑا۔ اُس نے کہا ہمیں دل شکستہ نہ ہونا چاہئیے۔ اور تمہارے کیس پر توجہ ہو رہی ہے۔

کابل میں جرمن مشن کی آمد اور افغانستان میں عام احساسات

اس وقت تک ہم کوتوالی ہی میں تھے کہ ہمیں کابل میں جرمن مشن کی آمد کی اطلاع ملی۔ اس پر افغانوں میں بڑا جوش وخروش تھا عام لوگوں کو اس مشن کے اغراض ومقاصد کے بارہ میں کچھ معلوم نہ تھا لیکن انھوں نے سمجھ لیا کہ وہ سلطان ترکی کی طرف سے آئے ہیں جن کی خواہش ہے کہ شیخ الاسلام کے فتویٰ جہاد کی تعمیل میں افغانستان بھی جنگ میں شامل ہوجائے۔

عام لوگ مشن کی آمد سے بہت خوش تھے اور حکومت برطانیہ کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کے حق میں تھے۔ ہماری پارٹی میں سے عبدالحمید اس وقت سول ہسپتال میں داخل تھا اس ہسپتال کا انچارج ایک ترک ڈاکٹر منیر بے تھا۔ ہم عبدالحمید کے پاس اکثر ہسپتال جایا کرتے تھے۔ راجہ مہندر پرتاپ۔ کاظم بے اور مشن کے جرمن افسر ڈاکٹر منیر بے سے اکثر ملنے آیا کرتے تھے۔

اس اثنا میں پشاور سے چار مزید نوجوان کابل پہنچ گئے تھے۔ ان کو بھی ہم سے الگ ایک مکان میں پولیس کی نگرانی میں رکھا گیا۔ میں ان کے صرف نام بتا سکتا ہوں جو یہ ہیں۔

(۱) فقیر محمد۔ — مڈل ہائی گریجویٹ

(۲) عبدالوحید — طالب علم پشاور اسکول۔

(۳) فضل قادر — طالب علم اسلامیہ اسکول

اس اثنا میں ہمیں کوتوالی سے شاہ عاشقان عارفان کے ایک مکان میں منتقل کر دیا گیا ایک روز ہمیں اپنی پارٹی کے ایک ممبر کے ذریعہ اطلاع ملی کہ مولوی عبدالرحیم نے کہا ہے کہ وہ کچھ دن سے کابل میں جامع مسجد سرائے میں مقیم ہے۔ اور ہم میں سے کسی ایک شخص سے اس مسجد میں ملنا چاہتا ہے۔ جو ہمارے مکان کے متصل ہے۔ چنانچہ میں مقررہ جگہ پر پہنچا

اس نے بتایا کہ عبدالرزاق کے واسطہ سے وہ پرنس نصراللہ سے کئی بار ملاقات کر چکا ہے اسے مکمل امید ہے کہ عنقریب ہمیں آزاد کر دیا جائیگا۔ اور ہماری حالت بہتر ہو جائے گی۔ میں نے اس سے الاؤنس کی کمی اور جس مکان میں قیام تھا اس کی شکستہ حالت کے بارہ میں شکایت کی۔ اس نے وعدہ کیا کہ قیام کابل کے دوران وہ ہماری ان مشکلات کا ازالہ کرا دے گا۔

چند ہی دن بعد ہم کو ایک بہتر مکان میں منتقل کر دیا گیا جو سابقہ مکان کے مقابلہ میں بہت بہتر تھا۔ مولانا عبیداللہ اور حبیبیہ کالج کے مولوی محمد علی اور شیخ ابراہیم بھی اس مکان کے ایک حصہ میں مقیم تھے۔ وہ بڑے ہمدرد اور مہربان تھے۔ جلد ہی ہم اُن کے دوست بن گئے ہماری مہم کا سب سے اہم دور اب شروع ہوا۔ جس کی وجہ ان لوگوں کے ساتھ ہمارا تعلق خصوصی تھا۔ ایک طرف تو ہم مولوی عبیداللہ محمد علی اور ابراہیم کے زیر اثر تھے جو مکان میں ہمارے شریک تھے۔ جب کہ دوسری طرف ہمارا رابطہ راجہ مہندر پرتاب کاظم بیگ اور جرمن مشن کے مولوی برکت اللہ سے تھا جن سے ہم ڈاکٹر منیر بے سے ملاقاتوں میں متعارف ہوئے تھے۔

امیر کی سخت ہدایت تھی کہ کوئی جرمن مشن کے ممبروں سے ملاقات نہ کرے۔ اس لئے جرمن مشن کے ممبروں اور مولوی عبیداللہ سے ملاقاتوں کے لئے ڈاکٹر منیر بے کے دفتر کو خفیہ مشورت گاہ بنایا گیا۔ عبدالرحیم نے اس جگہ ان سے کئی ملاقاتیں کیں۔

۱۔ راجہ مہندر پرتاب۔

۲۔ مولوی برکت اللہ

۳۔ کاظم بے ترک فوجی افسر جس کو انور بے نے اس مشن کے ساتھ قسطنطنیہ سے خاص طور سے بھیجا تھا۔ (یہ مشن کے ممبر ہیں جو "باغ بابر" میں مقیم تھے)

۴۔ وان ہینیگ جرمن باشندہ تھا حکومت جرمنی نے اسے نمائندہ بنا کر وفد میں بھیجا تھا۔

۵۔ کیپٹن سینڈیر میئر جرمن ملٹری افسر جو ایران میں جرمن نقل و حرکت کا افسر اعلیٰ تھا۔

عبیداللہ کابل میں اور طلبا ما وجرمن مشن سے اس کے تعلقات

مولوی عبیداللہ فی الحقیقت محرک اصلی روح رواں تھا کابل پہنچتے ہی معین السلطنت (پرنس عنایت اللہ خاں) پر ان کا اثر پڑنے لگا۔ جس نے اس کا تعارف نائب السلطنت (پرنس نصراللہ خاں) سے کرایا۔ اور آخرالذکر نے اسکی عزت و تکریم اور اس پر اعتماد اور بھروسہ شروع کردیا۔ اس طرح عبیداللہ کابل پہنچنے کے ایک مختصر مدت کے اندر کابل کی سیاست کا ایک اہم شخص بن گیا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ پرنس نصراللہ خاں نے اس کو ایک معقول تنخواہ کی پیش کش کی۔ لیکن اُس نے یہ رقم قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس نے کہا کہ وہ انہیں کچھ دلانے کیلئے وہاں آیا ہے۔ نہ کہ ان سے کچھ لینے کے لئے۔

مجھے عبیداللہ سے معلوم ہوا کہ ابتدا میں اس کے اشارہ پر مولوی محمد علی اور شیخ ابراہیم کابل گئے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ ان مولویوں نے محمود حرنزی پر بڑا اثر قائم کرلیا تھا جو پرنس عنایت اللہ خاں کے خسر اور سراج الاخبار کے ایڈیٹر ہیں۔ اور اول الذکر کے ذریعہ آخرالذکر پر اپنا اثر جما لیا تھا۔

اُس نے کہا پرنس عنایت اللہ خاں کی ہدایت کی تعمیل میں وہ کابل آئے ہیں۔ وہ محمد علی اور ابراہیم کے ہمراہ رہتا تھا۔ اس کے تین ساتھی تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ محمد علی (اس کا بھتیجا) ۲۔ عبداللہ (سندھی) (۳) ایک دیگر شخص جس کا نام معلوم نہیں۔

عبداللہ جب مشن کے ممبروں سے ملاقات کرنے جاتا تھا۔ تو بالعموم مجھ کو ساتھ لے جاتا تھا۔ اور میں کئی میٹنگوں میں موجود رہا تھا۔

راجہ مہندر پرتاب کا کابل میں اصل مشن

مشن سے رابطہ کے باعث مجھے راجہ مہندر پرتاب سے معلوم ہوا کہ جنگ کے شروع میں وہ ہندوستان سے جرمنی چلا گیا تھا۔ قدیم راجا خاندان سے تعلق کی بنا پر اور بعض حکمران راجاؤں سے تعلق کی بنا پر اس کا کئی ہندوستانی حکمرانوں سے رابطہ تھا۔ انھوں نے اس سے وعدے

گئے تھے کہ اگر کسی غیر ملکی طاقت نے ہندوستان کو برطانوی جوئے سے آزاد کرانے کی کوشش کی تو وہ مدد کریں گے۔ وہ براہ سوئزرلینڈ جرمنی پہنچا تھا۔

مولوی برکت اللہ چٹوپادھیائے ہردیال اور دوسرے ہندوستانی بھی اس وقت وہاں تھے اور انہوں نے انڈیا سوسائٹی کی تشکیل کی تھی۔ جس کا مقصد ہندوستان کو غیر ملکی غلامی سے نجات دلانا تھا۔

اس سوسائٹی کا خرچہ جرمن روپیہ سے چلتا تھا۔ جو حکومت جرمنی اس سوسائٹی کو بطور قرض دیتی تھی۔ اُن ہندوستانیوں کے اخراجات بھی اس فنڈ سے پورے ہوتے تھے۔ راجہ دراصل اس سوسائٹی کی دعوت پر جرمنی گیا تھا۔

قیصر جرمنی اور سلطان ترکی سے راجہ کی ملاقات

سوئزرلینڈ پہنچ کر اس نے اس شرط پر جرمنی جانا قبول کیا کہ قیصر ضیافت دے اور اس سے ملاقات کرے۔ یہ شرط منظور کرلی گئی۔ چنانچہ وہ برلن کو روانہ ہوگیا جہاں ان شرائط کو پورا کیا گیا۔ اس نے کچھ عرصہ جرمنی میں قیام کیا جب کہ یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ ہندوستانی، ترکی اور جرمنی باشندوں کا ایک مشترکہ مشن راجہ کی سربراہی میں قیصر جرمنی اور سلطان ترکی کے خطوط اور جہاد کے فتوی کے ساتھ افغانستان کو روانہ کیا جائے یہ مشن بھیجنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ ترکی اور جرمنی میں عام خیال یہ تھا کہ شیخ الاسلام کے ادنیٰ سے اشارہ پر افغانستان علم جہاد بلند کر دے گا۔ راجہ مہندر پرتاپ نے سلطان ترکی اور انور پاشا سے ملاقاتیں کیں وہ ان کے یہ خطوط لایا تھا۔

راجہ مہندر پرتاب جو دستاویزات ساتھ لایا

(۱) ہندوستان کے تمام والیان ریاست کے نام جرمن چانسلر کے تحریر کردہ خطوط۔ میں نے راجہ کے پاس یہ خطوط دیکھے تھے ان میں سے ہر خط دوہرے کاغذ پر تھا۔ ایک خط جرمن میں تھا اور دوسرا اس ریاست کی زبان میں تھا۔ جس کے حکمران کو یہ خط لکھا گیا تھا۔

میرا خیال ہے یہ دو درجن خطوط تھے اور اگرچہ طویل مدت گذر چکی ہے۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ ان خطوط میں مکتوب الیہم کو بھڑکایا گیا تھا کہ وہ اپنی اور ہندوستان کی مدد کریں۔ اور ملک کو برطانیہ کی غلامی سے نجات دلائیں۔ اور جرمنی ہندوستان کی آزادی کے

تحفظ کی ضمانت دیگا۔ مجھے یاد ہے کہ ان خطوط میں راجہ مہندر پرتاب کو عالی خاندان کہا گیا تھا اور ان خطوں میں اسے مشن کا سربراہ قرار دیا گیا تھا۔

۲۔ جرمن چانسلر کے خطوط امیر کابل اور رانا نیپال کے نام ان خطوں کا متن اگرچہ ایک دوسرے سے ملتا جلتا تھا لیکن ان خطوں کے متن سے مختلف تھا جو ہندوستانی والیان ریاست کو بھیجے گئے تھے۔ ان خطوں میں اصرار کیا گیا تھا کہ ہندوستان کو آزاد کرانے میں وہ راجہ مہندر پرتاپ کی مدد کریں۔ یہ خطوط بھی دو زبانوں یعنی جرمن اور ان ملکوں کی مقامی زبانوں میں تھے۔

۳۔ شیخ الاسلام کے جاری کردہ فتویٰ جہاد کی ایک نقل

مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ سلطان ترکی اور انور بے کے خطوط بنام امیر کابل بھی راجہ ساتھ لایا تھا۔ لیکن نہ تو میں نے انہیں دیکھا نہ ان کے متن کا مجھے علم ہو سکا۔ مشن کے ہمراہ کاظم بے بھی تھا۔ جو استنبول کا ایک فوجی افسر تھا۔ اس نے راستہ میں بڑی صعوبتیں برداشت کی تھیں۔

ایران میں روسیوں نے ان کے سامان کا بڑا حصہ لوٹ لیا تھا جس میں امیر اور اس کے درباریوں کے لئے قیمتی تحائف بھی شامل ہیں۔ مشن کے ہمراہ چار یا پانچ آفریدی بھی تھے۔ میرے خیال میں یہ لوگ فرانس میں برطانوی فوج سے بھاگ گئے تھے۔

اس مشن کو باغ باہر میں ٹھہرایا گیا تھا۔ حکومت افغانستان اس کی بڑی مہمان نوازی کر رہی تھی۔ راجہ مہندر پرتاب اور جرمن و ترک افسروں نے امیر سے کئی بار ملاقاتیں کیں۔ راجہ سے عبیداللہ کی پہلی ملاقات کے وقت جو ڈاکٹر منیر بے کے دفتر میں ہوئی تھی اتفاق سے میں بھی موجود تھا۔ تب راجہ نے گفتگو کے دوران کہا تھا کہ وہ امیر سے کچھ وعدے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اور اگر اب بھی ہم ہندوستان کو آزاد کرانے میں کامیاب نہ ہوں تو یہ ہمارا اپنا قصور ہوگا۔

اس نے کہا تھا کہ اس کے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں جس کو وہ ہندوستان بھیج سکے اس نے عبیداللہ سے درخواست کی کہ وہ اس بارے میں اس کی مدد کرے۔ عبیداللہ نے ایسا

کرنے کا وعدہ کرلیا۔ عبید اللہ نے راجہ سے اور بھی ملاقاتیں کیں جن میں میں موجود نہ تھا۔

عبید اللہ نے مجھ سے کہا کہ راجہ بعض خطوط اور فتوے ہندوستان کو بھیجنا چاہتا ہے اس نے خطوط کی کوئی تفصیل نہیں بتائی۔ اور بعد میں مولوی عبد اللہ سندھی اور ایک دوسرا شخص (فتح محمد) یہ خطوط لے کر خفیہ مشن پر ہندوستان کو روانہ ہوئے لیکن پھر وہ واپس نہ آئے۔ شیخ ابراہیم اور محمد علی کو سب کچھ معلوم تھا اور عبید اللہ ان معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرتا تھا۔

حکومت موقتہ ہند کی تشکیل

وقت گذرتا رہا۔ اور عبید اللہ نے مجھے بتایا کہ راجہ نے حکومت موقتہ ہند کی تشکیل کرلی جسمیں وہ راجہ صدر ہے۔ اور مولوی برکت اللہ وزیر اعظم ہیں۔ اس بارہ میں میں نے کوئی دستاویز نہیں دیکھی یہ منصوبہ بالکل ابتدائی حالت میں تھا۔

اس مجوزہ حکومت کے افسروں اور عہدہ داروں کی فہرست کابل سے میری روانگی کے بعد تیار ہوئی ہوگی۔ بعد میں مجھے راجہ اور عبید اللہ سے معلوم ہوا کہ امیر اس شرط پر اٹھ کھڑا ہونے کے لئے تیار ہوگیا تھا کہ یا تو افغانوں کا ساتھ دینے کے لئے کافی فوج افغانستان پہنچ جائے یا ہندوستان میں عام بغاوت پھیل جائے۔

اس معاملہ کو آگے بڑھانے کے لئے راجہ کچھ نہ کچھ کرنیکا انتہائی خواہشمند تھا لیکن اس کے پاس فوج نہیں تھی۔ اور ہندوستان کے لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات اس قدر مضبوط نہیں تھے کہ بغاوت برپا کرسکے۔ چنانچہ وہ بالکل بے بس تھا۔

ایک مرتبہ میں نے اسے کہتے سنا کہ کئی راجاؤں نے اور مہاراجہ بڑودہ نے خصوصیت کیساتھ پختہ یقین دہانی کی تھی۔ ان دوسرے راجاؤں کے نام اس نے ظاہر نہیں کئے۔ ایک مرتبہ اس نے کہا تھا کہ نیپال نے برطانیہ کو جو امداد دی ہے۔ وہ محض دھوکہ ہے۔ اس لئے اس مشن کی سرگرمیاں محض مذاکرات اور بات چیت تک محدود تھیں۔

اس وقت تک یہ خفیہ مذاکرات سول ہسپتال میں ہوا کرتے تھے۔ میرے خیال میں یہ ۱۹۱۶ء کے شروع کی بات ہے کہ پرنس نصر اللہ خاں نے راجہ اور عبید اللہ کو اجازت دیدی

کہ ایک دوسرے سے حاجی عبدالرزاق کے مکان پر مشورہ کرلیا کریں۔ ان مواقع پر بالعموم میں عبیداللہ کیساتھ خفیہ مشوروں میں جایا کرتا تھا۔ اس طرح رفتہ رفتہ مجھے معلوم ہوگیا کہ مشن کے جرمن ممبران امیر کے رویّہ سے مطمئن نہیں۔

مشن کے بارہ میں امیر کا اصل رویہ

مشن کی آمد کے فوراً بعد ہی کابل میں خاص سرگرمیاں دیکھنے میں آئی تھیں۔ اور امیر نے فوج کا خصوصی معائنہ کیا تھا۔ جرمن افسروں کی نگرانی میں افغان فوجی حکام نے کابل کے چاروں طرف خندقیں کھودنی شروع کردیں تھیں یہ بھی افواہ تھی کہ افغان سردار خاندان کے نوجوان اور دوسرے فوجی افسر باغ بابر میں سٹینڈیر میئر کے پاس جاکر فن جنگ سیکھتے تھے اور اس کے لیکچر سنتے تھے۔

مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ جرمن مشن کے مختلف ممبروں نے امیر کے اسلحہ اور گولی بارود بنانے کے کارخانوں کا معائنہ کیا تھا۔ اور ان کو بہتر کرنے اور ان میں توسیع کرنے کے سلسلہ میں تجاویز پیش کی تھیں۔ جرمن افسر کئی بار امیر کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ اور اصرار کیا کہ برطانیہ کے خلاف جنگ شروع کرنے کے لئے ایک تاریخ کا تعین کرے۔

سُنا گیا ہے کہ امیر نے کبھی صاف انکار نہیں کیا جب وہ اس سے درخواست کرتے وہ ان کو صبر وتحمل کی تلقین کرتا اور کہتا کہ وہ اس معاملہ پر سنجیدگی کے ساتھ غور کر رہا ہے یہ بھی افواہ تھی کہ جرمن مشن کو امیر پر سخت غصّہ تھا کہ وہ ان کا وقت خالی وعدوں میں گنوا رہا ہے۔

تاہم راجہ مہندر پرتاب ان سے متفق نہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مشرق کی روایات ہی ایسی ہیں۔ اور جرمن افسران اپنے عجلت پسندانہ رویہ کے باعث اچھے امکانات کو ضائع کر رہے ہیں۔ جرمنوں کو شکایت تھی کہ ان کی امیر سے جو گفتگو ہوتی ہے اس کا اکثر حصہ انگریزی اخبارات میں شائع ہوجاتا ہے۔ وہ الزام لگاتے تھے کہ امیر دوہرا کردار ادا کر رہا ہے اور فی الحقیقت وہ حکومت برطانیہ کا حامی ہے۔

میری اپنی رائے یہ ہے کہ وہ افغان رائے عامہ سے ڈرتا تھا جو جہاد کے حق میں تھی۔

اور لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے وہ بظاہر جرمن مشن کی موافقت کرتا تھا۔

ڈاکٹر متھرا سنگھ اور ہر نام سنگھ پنجاب سے بھاگے ہوئے تھے انہیں بھی ہمارے ساتھ ہی بلڈنگ میں ٹھہرایا گیا۔ ہمیں ان سے معلوم ہوا کہ وہ گرفتاری سے بچنے کے لئے افغانستان کو فرار ہوئے ہیں۔ ابتداء میں ان کو جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ بعد میں افغان گورنمنٹ نے ان کو رہا کر دیا تھا۔

مولوی عبدالرحیم کی سرگرمیاں

مولوی عبدالرحیم زیادہ تر مجاہدین کے ساتھ رہتے تھے لیکن کبھی کبھی کابل بھی آجایا کرتے تھے۔ وہ انتہائی محتاط آدمی تھے اور اپنی سرگرمیوں کے بارہ بے حد اخفا رکھتے تھے اور رازداری سے کام لیتے تھے جب بھی وہ کابل آتے تھے تو ہمارے پاس ضرور آتے تھے۔

مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجاہدین کے نمائندہ کی ہی نہیں بلکہ سرحد پار کے علاقہ میں پرنس نصراللہ خاں کے ایلچی بھی تھے۔ تاکہ جب بھی موقع آئے افغانستان کے ساتھ متحدہ اقدام کرا سکیں ان کو اختیار ملا ہوا تھا کہ جس شخص کو اپنے ہمراہ لانا چاہیں اسے براہ راست افغانستان کا پاسپورٹ جاری کر دیں۔

مولوی عبدالرحیم نے کہا تھا کہ وہ مختلف خانوں کے پاس سرحد پار کے علاقہ میں سردار نصراللہ خاں کے خطوط لے جاتا ہے۔ اور پرنس نصراللہ خاں نے ان خانوں کا سالانہ وظیفہ مقرر کر رکھا ہے انہوں نے مزید بتایا کہ حاجی ترنگ زئی بہت سے افغانوں اور ہندوستانیوں کے ساتھ جیسے کہ فضل محمود۔ فضل ربی سرحد پار کے علاقہ میں لوگوں کو بھڑکا رہے ہیں۔ اور برطانوی فوجوں میں اور سرحد پار کے قبائلیوں میں کئی جھڑپیں ہو چکی ہیں۔ جن کی تنظیم حاجی ترنگ زئی نے کی تھی۔

اس نے مزید کہا کہ بہت سا گولی بارود اور روپیہ اس تحریک کو سرحد پار کے علاقہ میں پھیلانے کے لئے نصراللہ خاں نے دیا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے بہت سے مراکز قائم کئے جا رہے ہیں۔

عبدالرحیم جب کابل آتا تو عبدالرزاق سے علیحدہ ملاقات کرتا چند مرتبہ جب میں نے

ہمراہ عبدالرزاق کے مکان پر گیا تو اُسنے ہمارے الاونس بڑھانے کی ہی بات کی۔ بالعموم میں اُن خفیہ مشورہ میں شامل ہوا کرتا تھا جو راجہ مہندر پرتاپ برکت اللہ، عبیداللہ اور کاظم بے کے درمیان حاجی عبدالرزاق کے مکان پر ہوا کرتے تھے۔ عام موضوع یہ ہوتا تھا کہ افغانستان سے کسی طرح برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کرایا جائے۔ اس جگہ پر سب سے پہلے یہ تجویز سامنے آئی تھی کہ افغانستان کے شاہی خاندان کے کسی شہزادہ کو حکومت موقتہ ہند کا صدر بنایا جائے۔

ڈاکٹر صدرالدین کی کابل میں آمد

ڈاکٹر متھراسنگھ اور سرنام سنگھ کی آمد کے بعد کابل میں ڈاکٹر صدرالدین مولوی عبدالرحیم کے ہمراہ نمودار ہوئے۔ اور اس کے ہمراہ ایک سرائے میں مقیم ہوئے۔ کچھ دن بعد عبدالرحیم سرحد پار کے علاقہ کو چلا گیا۔

ڈاکٹر صدرالدین ہمارے ساتھ مقیم ہوئے اُس نے کہا کہ وہ سرحد پار علاقہ کی حالت دیکھنے کے لئے ہندوستان سے آیا تھا۔ اُسنے شکایت کی کہ مولوی عبدالرحیم نے اسکے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اُس نے اس پر برطانوی جاسوس ہونیکا شبہ کیا اور اپنے اعتماد میں نہیں لیا۔ اس نے تقریباً ایک ماہ تک قیام کیا اور پھر کابل سے روانہ ہو گیا اس نے کہا کہ وہ سرحد پار کے علاقہ کو جارہا ہے۔

روس کو مشن

بعد میں حاجی عبدالرزاق کے مکان پر راجہ مہندر پرتاپ مولوی برکت اللہ اور عبیداللہ میں مشورہ ہوا مہندر پرتاب نے کہا ایک وفد کو روس روانہ کیا جائے۔ عبیداللہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

اس نے کہا کہ پرنس نصراللہ خاں سے مشورہ کر لیا گیا ہے اور اُس نے ڈاکٹر متھراسنگھ کا نام تجویز کیا ہے۔ اُس نے کہا کہ ایک مسلمان بھی ڈاکٹر متھراسنگھ کے ساتھ جائیگا۔ پھر عبیداللہ نے خوشی محمد کا نام تجویز کیا۔

راجہ صاحب کے بیان کے مطابق اس مشن کا مقصد یہ تھا کہ روسی حکومت میں ایسا انتظام کیا جائے کہ اگر افغانستان جرمنی کے حق میں جنگ میں شامل ہو تو روس

مداخلت نہ کرے۔

چنانچہ ڈاکٹر متھرا سنگھ اور خوشی محمد سردار شمشیر سنگھ اور مرزا محمد علی کے فرضی ناموں سے دو کابلی ملازمین کے ہمراہ جن میں ایک سکھ (آیا سنگھ کابلی) اور ایک مسلمان (عبدالحق کابلی تھا۔ روس روانہ ہوئے۔

راجہ نے ان دونوں ایلچیوں کو حسب ذیل اشیاء دیں۔

۱۔ ایک سونے کی پلیٹ جس پر زار کی تعریف و توصیف تھی۔

۲۔ روسی ترکستان کے سرحدی محافظوں کے نام ایک خط جسمیں اُن سے کہا گیا تھا کہ ان ایلچیوں کو تاشقند پہنچا دیں۔ جہاں سونے کی یہ طشتری گورنر جنرل کے حوالہ کی جانی تھی تاکہ اسے زار روس کے پاس بھجوا دے۔

۳۔ وزیر اعظم حکومت موقتہ ہند برکت اللہ کے دستخطوں سے تاشقند کے گورنر جنرل اور روسی حکومت کے وزیر اعظم کے نام خطوط۔

پہلے خط میں درخواست کی گئی تھی کہ دوسرا خط مکتوب الیہ کو پٹروگراد بھجوا دیا جائے۔ اس خط میں راجہ نے اپنے مشن کی اور اس کے مقاصد کی تفصیل بیان کی تھی اور لکھا تھا۔ کہ برلن اور قسطنطنیہ میں اس کا کس طرح احترام کیا گیا ہے۔ اس نے مزید لکھا تھا کہ روس کی سلطنت جو ایشیا و افریقہ دونوں براعظموں میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہندوستان کے بارہ میں لاتعلق اور بے پروا نہیں رہ سکتی۔ اسنے اشارۃً لکھا تھا کہ اگر اسے روس مدعو کیا جائے تو وہ وہاں جانے کو تیار ہے۔ بشرطیکہ روسی فوج کا ایک جنرل سرحد پر اس کا استقبال کرے۔

اس کے بعد روس جانیوالا مشن کابل سے روانہ ہوگیا۔ راجہ نے دو ایک مرتبہ ہندوستان میں برطانیہ کے زیر سرپرستی ہندوستان کی خود مختار حکومت کے سوال پر بات چیت کی تھی۔ اور کہا تھا کہ اگر ہندوستان نے اتنا ہی حاصل کر لیا۔ تو میں اسے کافی سمجھوں گا اور سمجھ لوں گا کہ میرا مقصد حاصل ہوگیا۔ تاہم وہ کہتا تھا کہ حکومت برطانیہ خود مختار حکومت کے جو اصل معنی ہیں۔ ان معنوں کے مطابق ہندوستان کو کبھی حکومت نہیں دے گی۔

میرا خیال یہ ہے کہ جب افغانستان میں اس کی اسکیم ناکام ہوگئی اور وہ اپنی بے عملی اور غیر سرگرم زندگی سے تنگ آگیا۔ تو اس نے اس ملک سے خاموشی کے ساتھ نکل جانا چاہا۔ ایران میں برطانیہ کی شدید نگرانی کے باعث وہاں سے گذر کر جانا بہت خطرناک تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا ارادہ تھا کہ افغانستان سے روس کے مہمان کی حیثیت میں خاموشی کے ساتھ نکل جانے کی کوشش کرے۔ اس طرح وہ آزاد ہوتا کہ جہاں چاہے جائے۔ وہ اکثر جاپان کا ذکر کرتا تھا۔ اور اسے اپنی منصوبہ بندی کے لئے مناسب ترین مقام سمجھتا تھا۔

قصر بابر میں عشائیہ

میرا خیال ہے کہ اسی دوران راجہ مہندر پرتاپ نے قصر بابر میں سردار نصر اللہ خاں کے اعزاز میں ڈنر دیا۔ مولوی عبید اللہ نے مجھے بتایا کہ راجہ مہندر پرتاپ نے اس سے کہا تھا کہ وہ اس ڈنر کا اہتمام کرے۔ کیونکہ راجہ حکومت افغانستان کا مہمان ہونے کے باعث ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ مولوی محمد علی نے ذمہ داری لی کہ اپنے ملازم نواب کے ذریعہ سارے انتظامات کرے گا۔

قصر بابر کو جاتے ہوئے مولوی محمد علی نے مجھ سے کہا تھا کہ اس ضیافت کا اہتمام کرنے میں اس کی مدد کروں۔ چنانچہ عام انتظام و انصرام میں میں نے اس کا ہاتھ بٹایا۔ ڈنر میں یہ لوگ شامل ہوئے۔

سردار نصر اللہ خاں۔ پرنس عنایت اللہ خاں۔ راجہ مہندر پرتاپ۔ مولوی عبید اللہ اور مولوی برکت اللہ۔ محمد علی اور میں کھانا پیش کئے جانے سے قبل ہی چلے آئے۔ لیکن جہاں تک مجھے علم ہے۔ اس دعوت میں کوئی سیاسی بات نہیں ہوئی۔

مسلم ممالک کے دورہ کے لئے عبید اللہ کا منصوبہ

مولوی عبید اللہ نے جرمن مشن کی سرگرمیوں میں نمایاں طور سے حصہ لیا تھا۔ وہ طالب علموں کو قرآن پڑھایا کرتے تھے۔ تعلیم کے دوران وہ بالعموم مذہب کے سیاسی پہلو پر زیادہ زور دیتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ جہاد اور قربانی کے فریضہ پر زور دیتے تھے۔

اس نے مولوی محمد علی، شیخ ابراہیم سے اور مجھ سے کہا تھا کہ تینوں اسلامی ملکوں ترکی

ایران اور افغانستان کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے۔ کہ وہ سول اور فوجی ترقی میں ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔

اس کا فوری منصوبہ یہ تھا کہ سرحد پار کے علاقہ کے تمام ملا اور خان اور ہندوستان کی دیسی ریاستوں کے حکمراں امیر سے وفاداری کا حلف لیں۔ اس طرح امیر ان ریاستوں کا مذہبی و سیاسی لیڈر بن جائے گا۔

اس نے کہا کہ مولوی عبدالرحیم عرف بشیر نے نائب السلطنت کے ایما پر یہ کام یاغستان میں مکمل کر لیا ہے۔ اور مختلف خوانین، امیر المجاہدین اور حاجی ترنگ زئی کے تحریری حلف نامے لے آیا ہے۔ لیکن سرحد پار کے کچھ علاقے ایسے بھی ہیں۔ جہاں ابھی تک مولوی عبدالرحیم نہیں جا سکا ہے۔ ان علاقوں پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس نے کہا کہ ہندوستانی والیان ریاست کے بارہ میں وہ خود ہی انتظام کر سکتا ہے۔ لیکن اسکی تفصیل اس نے نہیں بتائی۔ اسنے کہا کہ افغانستان اور ترکی کو متحد کرنے کا کام عنقریب مکمل ہو جائیگا۔ کیونکہ مولانا محمود الحسن اسی مقصد کے لئے ترکی گئے ہوئے ہیں۔

یہ اسی دوران کی بات ہے کہ امیر نے اپنے مختلف صوبوں کے نمائندوں کو کابل میں مدعو کیا۔ کابل میں وہ کئی ماہ حکومت کے مہمان رہے۔ ان میں اسلام پور کے سید پاشا صاحب اور سرکانی کے حضرت صاحب قابل ذکر ہیں۔ سرحد پار کے ملاؤں سے جن کے نام مجھے معلوم نہیں نائب السلطنت نے ملاقات کی تھی۔ اور ہدایت کی تھی کہ بوقت ضرورت متحدہ کارروائی کے واسطے تیار رہیں۔

مجھے معلوم ہوا کہ سردار نے اس امر کی وضاحت نہیں کی۔ کہ کس کے خلاف یا کس وقت یہ کارروائی کی جائے گی۔ چند دن بعد امیر نے افغانستان کے ملاؤں اور خانوں سے دربار میں خطاب کیا۔ اس کی تقریر سے جو سراج الاخبار میں شائع ہوئی تھی میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ امیر نے افغانستان کے طول و عرض میں حکومت اور قوم کے اتحاد پر سخت زور دیا ہے کیونکہ اس وقت تک جرمن مشن موجود تھا۔ اس لئے امیر کی تقریر کے سلسلہ میں مختلف افواہیں پھیل گئیں۔

افغان برطانیہ کے خلاف اعلانِ جہاد کے انتہائی خواہش مند تھے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ امیر عوام کو ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے۔ کچھ اور لوگوں کا خیال یہ تھا کہ امیر ہندوستان پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔

میں کسی اندیشہ کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ افغانستان میں ترکی کے حق میں عام احساسات اتنے زیادہ ہیں کہ جب شریف مکہ کے اعلان آزادی کی خبر افغانستان پہنچی تو لوگوں کی اکثریت نے اس کا یقین نہیں کیا۔ اور جن لوگوں نے اس کا یقین کیا انھوں نے شریف کو گندے اور رکیک ترین القابات سے نوازا۔

مولوی سیف الرحمن کا ورود کابل

اس کے کچھ دن بعد مولوی سیف الرحمن کابل پہنچے وہ عبیداللہ کا پرانا دوست تھا۔ وہ مسجد علیا حضرت میں ٹھہرے جہاں میں نے کبھی ان سے ملاقات کی۔ اس نے کہا کہ اس نے پنجاب سے نقل وطن کیا ہے اور برطانیہ کے خلاف فوجی کارروائیوں میں حصہ لیا ہے۔

کالا سنگھ کابل میں

اس اثنا میں مولوی عبدالرحیم دوبارہ کابل میں نمودار ہوئے اس کے ہمراہ پنجاب کا ایک مفرور کالا سنگھ بھی تھا۔ عبدالرحیم کو ایک مکان میں ٹھہرایا گیا جو پرنس نصراللہ خاں نے اسے اور اس کے چند مجاہدین کو اور کالا سنگھ کو الاٹ کیا تھا۔

کالا سنگھ گوجر سنگھ کے فرضی نام سے سفر کرتا تھا۔ عبدالرحیم نے کہا کہ سرحد پار کے علاقہ میں تحریک کامیابی کے ساتھ چل رہی ہے۔ چمرقند میں مجاہدین کا ایک اور مرکز قائم کر لیا گیا ہے۔ مہمند قبائل کو برطانیہ سے توڑ لیا گیا ہے۔

کالا سنگھ ہمارے پاس آیا کرتا تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ وہ پنجاب کا مفرور ہے اس نے سرحد پر برطانیہ کے خلاف لڑائیوں میں حصہ لیا ہے۔

روس سے مشن کی واپسی

مولوی عبدالرحیم اس وقت تک کابل میں تھے۔ کہ ڈاکٹر متھرا سنگھ اور خوشی محمد تقریباً ۴ ماہ کی غیر حاضری کے بعد واپس آ گئے۔ واپسی میں ان کے پاس کوئی خط نہ تھا۔ انھوں نے کہا کہ روسی حکام نے

تاشقند میں بڑی مہمان نوازی کی۔ لیکن خوشی محمد کی بیماری کے باعث وہ واپسی پر مجبور ہوئے
ہونے کی طرف تری اور خط پٹروگراڈ کو روانہ کر دیا گیا ہے۔
تاشقند میں حکومت روس کے ڈپلومیٹیک سکریٹری نے وعدہ کیا ہے۔ کہ جب
بھی اس خط کا جواب آئیگا۔ اس کو فوراً کابل روانہ کر دیا جائیگا۔
میرا خیال ہے کہ اس مرحلہ پر میں نے باغ بابر میں دو نئے ہندوستانیوں کی آمد
کو محسوس کیا جن کے نام حسن علی اور عبدالعزیز تھے۔ ان کا مجھ سے یہ کہہ کر تعارف کرایا
گیا کہ یہ دو سرگرم اور فعّال ہندوستانی نوجوان ہیں۔ جو ایران کے راستے بڑے خطرات اور
مشکلات کو برداشت کر کے افغانستان پہنچے ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ برلن کی انڈین
سوسائیٹی کے ممبر ہیں۔ ان کی آمد کا اصلی مقصد مجھ کو کبھی معلوم نہ ہوسکا۔
لیکن ان کی آمد کے فوراً بعد ہی کابل میں جرمنوں نے واپسی کے لئے سامان باندھنا
شروع کر دیا۔ اس لئے میں نے اور میری طرح راجہ مہندر پرتاپ مولوی عبیداللہ اور مولوی
برکت اللہ نے قیاس کیا کہ وہ جرمن گورنمنٹ کا یہ حکم لے کر آئے ہیں کہ مشن کے جرمن
افسر کابل سے چلے آئیں۔
راجہ مہندر پرتاپ نے ان سے کابل میں ٹھہرنے کو کہا لیکن ان لوگوں نے انکار کر دیا۔
مجھے ان کے بارہ میں اور کوئی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔ کیونکہ وہ بہت محتاط تھے۔
اسی اثنار میں مولوی فضل ربی فضل محمود اور عبدالعزیز جو حاجی ترنگ زئی کے
پیرو ہیں اور سہارنپور کے مولوی منصور (محمد میاں) کابل پہنچے اور مولوی عبیداللہ کے پاس مقیم
ہوئے جو اس وقت سرائے نرجن کے ایک کمرہ میں رہتا تھا۔ یہ ۱۹۱۶ء کے موسم گرما کی
بات ہے وہ کبھی کبھی ہم سے ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔
ہمیں ان سے معلوم ہوا کہ مولوی منصور مدینہ سے آئے ہیں۔ جہاں سے ان کو دیوبند
کے مولانا محمود الحسن نے جو ہجرت کر کے عرب کو چلے گئے تھے۔ مولوی عبیداللہ کے پاس بھیجا
ہے مولوی منصور نے اطلاع دی کہ مولانا مدینہ میں تھے۔ جہاں کہ حکومت ترکی نے ان کا
بڑا اعزاز کیا انور پاشا نے بنفس نفیس ان سے ملاقات کی۔ اس نے مزید بتایا کہ مولانا

مولوی فضل ربی اور حاجی ترنگ زئی کے دوسرے پیروؤں نے نصراللہ خاں سے ملاقات کر کے یہ چاہا کہ حکومت افغانستان ان کو مجاہدین کی سطح پر رکھے جن کا افغانستان میں بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ اور امیر دوست محمد کے زمانہ سے ان کو سالانہ وظیفہ ملتا ہے

۱۹۱۶ء کے شروع میں عبیداللہ نے جرمن مشن کے ممبروں کے مشورہ سے تجویز پیش کی کہ حبیبیہ کالج کے محمد علی کو براہ ہندوستان اس خفیہ پیغام کے ساتھ جرمنی بھیجا جائے کہ افغانستان کو ہندوستان پر حملہ کرنے کیلئے اکسانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ایران کے راستہ کافی بڑی فوج افغانستان بھجدی جائے۔

جرمن مشن کے اراکین کے ساتھ خفیہ مشورہ اور محمد علی کو خفیہ پیغام دیکر جرمنی بھیجنے کی تجویز

میری موجودگی میں باغ بابر میں اس تجویز پر مشورہ کیا گیا اور طے پایا کہ اس بارہ میں پرنس نصراللہ خاں سے مشورہ کیا جائے۔

ایک ماہ بعد جرمن مشن کے ممبروں پرنس نصراللہ خاں مولوی عبیداللہ محمد علی اور میرے درمیان رات کے نو بجے باغ بابر میں اس تجویز پر مشورہ ہوا۔ نصراللہ خاں نے اس منصوبہ کی منظوری دیدی۔ اور کہا کہ اگر کافی جرمن فوج افغانستان پہنچ جائے۔ تو افغان برطانیہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے امیر کے مشورہ کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ نصراللہ خاں نے کہا کہ ضابطہ کے اعتبار سے محمد علی پرنس عنایت اللہ خاں کے ماتحت ہے۔ لہذا اس کی اجازت حاصل کرنی ناگزیر ہے۔ لیکن پرنس عنایت اللہ خاں کو کسی بھی حالت میں محمد علی کے مشن کے اصل مقصد کا علم نہ ہونا چاہیئے اس کے بعد نصراللہ خاں چلے گئے۔

اور طے پایا کہ محمد علی عنایت اللہ خاں کو طویل رخصت کے لئے درخواست پیش کردیں اس مرحلہ پر پرنس نصراللہ خاں کے چلے جانے کے بعد ایک تحریری دستاویز محمد علی کے حوالہ کی گئی کہ اس کے مضمون کو حفظ کرلیں۔ یہ کاغذ فولسکیپ سائز کا تھا۔ اس کے دونوں طرف انگریزی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

عبدالباری اور شجاع اللہ کی روانگی

شجاع اللہ نے اور میں نے اس مسئلہ پر کئی بار غور

غرض کیا تھا میں نے ایک منصوبہ بنا کر اس بارہ میں عبید اللہ سے گفتگو کی۔ میں نے وضاحت کی کہ افغانستان بحالت موجودہ اپنی ہیئت حاضرہ (وجود) کو قائم نہ رکھ سکے گا میں نے کہا اس وقت تک جو ترک افغانستان آئے ہیں وہ گھٹیا ترین آدمی ہیں۔ اور انھوں نے افغانستان کی ترقی کے لئے کچھ نہیں کیا ہے۔

میں نے تجویز کیا کہ اگر روشن فکر ترکوں سے رابطہ قائم کیا جائے تو ان کو آسانی سے افغانستان کو ترقی دینے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ میری تجویز یہ تھی کہ ہم حکومت ترکی سے کہیں کہ وہ ان طریقوں سے افغانستان پر زیادہ توجہ کرے۔

(۱) افغانستان اور ترکی کے درمیان باقاعدہ قافلوں کی آمد و رفت ہو تاکہ دونوں قوموں میں زیادہ مفاہمت پیدا ہو سکے

(۲) حکومت ترکی پر زور ڈالا جائے کہ وہ ڈاکٹری، فوج، تعلیم، مالیات اور کان کنی کے ماہرین افغانستان روانہ کر کے اس ملک کو ترقی دے۔

(۳) انور بے سے کہا جائے کہ وہ امیر پر زور دیں کہ وہ افغان جوانوں کو مختلف شعبوں میں تعلیم کے لئے ترکی روانہ کرے۔

اس کا مطلوبہ اثر ہوا کہ عبید اللہ نے جس کا سردار نصر اللہ خاں پر ایسا اثر تھا کہ وہ جو چاہے اس سے کرا سکتا تھا۔ اس بارہ میں اُس سے گفتگو کی اور شجاع اللہ کو اور مجھے ترکی بھیجنے کی اس سے منظوری لے لی۔ تاکہ ہم ترکی میں بہتر طبقہ کے لوگوں سے رابطہ پیدا کر سکیں۔

کچھ دن بعد مولوی عبید اللہ ہم دونوں کو سردار نصر اللہ خاں کے پاس لے گئے۔ سردار نے ہم سے دل بڑھانے والے لہجہ میں گفتگو کی اور ہمیں ہدایت کی کہ ہم انور بے کے پاس جائیں۔ اور ان پر زور دیں کہ دو مسلم ممالک کو ایک دوسرے کے قریب لانا کس قدر ضروری ہے۔

جب ہم روانہ ہونے کے لئے تیار تھے عبید اللہ راجہ مہندر پرتاپ اور میرے درمیان قصر بابر میں خفیہ مشورہ ہوا کہ ہمارے ساتھ کچھ خطوط قسطنطنیہ اور برلن کو روانہ کئے جائیں

ہم کو اخراجات سفر کے لئے ایک سو پونڈ دئے گئے اور ہمیں انور پاشا۔ سلطان ترکی قیصر جرمن چانسلر اور چیٹا پادھیائے نام کے ایک شخص کے لئے خطوط دئے گئے ہمیں ہدایت کی گئی تھی۔ کہ راجہ کی طرف سے ان حکمرانوں کو تسلیمات پہنچا دیں۔ اور انور پاشا سے اور جرمن چانسلر سے کہیں کہ کم سے کم ساٹھ ہزار آدمیوں کی ایک فوج افغانستان کو روانہ کر دیں۔

ہمیں ان کو یہ بھی بتانا تھا کہ حکومت افغانستان نے راجہ کو یقین دلا دیا ہے کہ معقول تعداد میں جرمن اور ترک فوج کے آتے ہی افغانستان بغاوت کر دیگا۔ راجہ کی خاص طور سے مجھ سے خواہش تھی کہ جرمن چانسلر کو خصوصیت کے ساتھ بتا دوں کہ جرمن مشن کی ناکامی کا سبب وان ہنٹنگ ہے۔ کیونکہ وہ امیر اور اس کے دربار کے لوگوں سے دوستانہ تعلقات قائم نہیں رکھ سکا۔

شعبان کے آخر میں کسی نوکر کے بغیر ہم ٹٹوؤں پر کابل سے روانہ ہوئے اس موقعہ پر محمد علی، ابراہیم اور دیگر تمام طالب علم کابل میں موجود تھے۔ لیکن ہماری روانگی سے قبل مولوی عبید اللہ نے اہتمام کیا تھا۔ کہ محمد علی اور شیخ ابراہیم سرحد پار کے علاقہ میں وان ہنٹنگ سے جا ملیں۔ اس نے کہا تھا کہ وہ جلدی وہاں پہنچ جائے گا۔ اور آزاد علاقہ کے قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکائے گا۔ ہمیں تفصیلات کا علم نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے جانے کے بعد یہ تفصیلات معلوم ہوئی ہوں گی۔ اس وقت تک عبد الحق کابل میں موجود تھا ہماری واپسی کے وقت تک ان خطوط کا کوئی جواب وصول نہیں ہوا تھا۔ جو ڈاکٹر متھرا سنگھ اور خوشی محمد کے ذریعہ روس روانہ کئے گئے تھے۔ روس سے پہلے مشن کی بخیر و عافیت واپسی سے ہمت پا کر ہماری روانگی سے چند روز قبل مہندر پرتاپ نے فیصلہ کیا تھا کہ روس کے راستہ چین اور جاپان کو ایک اور مشن روانہ کرے اس مشن کا مقصد جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ یہ تھا کہ بعض امریکن بنکوں میں جن میں میرے خیال کے مطابق راجہ کی کافی رقوم جمع تھیں۔ کچھ چیک کیش کرائے جائیں۔

یہ مشن راجہ مہندر پرتاپ اور حکومت موقتہ ہند کی طرف سے چین کے انقلابی

لیڈر ڈاکٹر سن یات سین چینی جمہوریہ کے صدر اور شہنشاہ جاپان کے لئے خطوط بھی لے جانے والا تھا۔ ان خطوط میں چین اور جاپان کی بے حد و بے قیاس ستائش کی گئی تھی اور ان سے التجا کی گئی تھی کہ برادر ایشیائی ملک کی مدد کریں۔ میں نے راجہ مہندر پرتاب کے پاس اصلی خطوط دیکھے تھے۔ ان خطوط میں اس امر کی کوئی وضاحت نہ تھی کہ چین اور جاپان سے کس قسم کی امداد درکار ہے۔

جب جرمن مشن کابل میں تھا۔ تو برکت اللہ نے اپنے ساتھیوں عبید اللہ اور مولوی عبدالرحیم کے مشورہ سے تجویز کیا کہ سرحد پار کے علاقہ میں ایک پریس لگایا جائے اس کا مقصد یہ تھا۔ کہ سرحد پار علاقہ میں برطانیہ کے خلاف باغیانہ لٹریچر کو ہر طرف پھیلایا جائے۔ اس تجویز کو عمدہ طور پر منظور کر لیا گیا تھا۔ لیکن جب میں کابل سے روانہ ہوا اُس وقت تک اس پر عملدرآمد کے لئے قدم نہیں اُٹھائے گئے تھے۔

کابل سے روانہ ہو کر ہم ایک مہینہ تک سفر کرتے رہے۔ پھر ہرات پہنچے یہاں ہمیں ایک جرمن افسر ملا جس کو ہم نے اپنا پروگرام بتا دیا۔ وہ کابل سے چند دن پہلے ہی آیا تھا۔ جہاں کہ وہ اصل میں جرمن مشن کے ساتھ تھا۔ اُس نے ہمیں ایک ایرانی رہنما دیا جس کا نام مرزا آغا تھا۔ ہرات سے روانگی سے ایک دن قبل شجاع اللہ کی جان محمد عرف چیت سنگھ سے ملاقات ہوئی۔

اُس نے ہمیں بتایا کہ وہ بھی ہندوستانی ہے۔ اور ایران کی طرف جا رہا ہے۔ اس لئے سفر میں کچھ دیر ہمارے ساتھ رہیگا۔ اگلے دن ہم ہرات سے روانہ ہوئے جان محمد ہمیں راستے میں مل گیا۔ وہ ناواقف قسم کا آدمی معلوم ہوا۔ اُس نے ہمارے سوالوں کے مبہم جوابات دیئے۔ اُس نے کہا کہ اس کا باپ ہندوستانی اور ماں چینی ہے۔ اور اس کا کافی وقت روس میں گذرا ہے۔ وہ مشہد اور تہران جا رہا تھا۔ اور پھر وہاں سے کام کی تلاش میں روس جانا چاہتا تھا۔ چار دن کے سفر کے بعد ہم نے افغان سرحد کو عبور کیا۔ راجہ مہندر پرتاب نے ہمیں ہمارے فرضی ناموں کے پاسپورٹ مہیا کر دئے تھے (فرضی نام ہیں محمد حسن اور محمد یونس) جن میں حاجی عبدالرزاق کو ہمارا ضامن دکھایا گیا تھا۔

جان محمد عرف جیت سنگھ کے پاس کوئی پاسپورٹ نہ تھا۔ ہم نے دو دن سفر کیا تھا اور رات کو محمود آباد کے قریب ایک بستی میں قیام کیا تھا۔ جب ہم کو ایرانی سپاہیوں کے ایک جتھہ نے گرفتار کر لیا۔ جو محمود آباد کے حاکم نے روانہ کیا تھا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ اگست ۱۹۱۶ء کے شروع کی بات ہے۔ اس کے بعد روسی گارڈ نے ہمیں اپنی نگرانی میں لے لیا۔ ہماری اور ہمارے سامان کی تلاشی لے کر ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضہ میں لے لئے شجاع اللہ کے قبضہ سے کاغذ کا ایک صفحہ ملا۔ جس پر قسطنطنیہ کے افسروں کے نام تحریر تھے اور کچھ دوسری یادداشتیں تھیں جو کاظم بے نے تحریر کرائی تھیں تاکہ بوقت ضرورت ہم امداد حاصل کر سکیں ۔

ہمیں تربت لے جایا گیا۔ جہاں کہ ہم نے روسی حکام کو ایک عرضداشت دی۔ جس میں ہم نے اپنی نظر بندی پر احتجاج کیا تھا۔ بہرحال ہم کو سیدو لے جا کر برطانوی فوجی حکام کے حوالہ کر دیا گیا۔ سفر کے دوران روسیوں نے مرزا آغا کو ہم سے جدا کر دیا۔ اور روسی قونصل نے اس کو روس بھجدیا۔

لفٹیننٹ والکاٹ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری

سیدو سے ہمیں بیرجند بھیجا گیا جہاں ہم دس روز مقیم رہے اس کے بعد ہمیں اور آگے لے جایا گیا۔ اور ڈیڑھ مہینہ سیستان میں رکھا گیا۔ وہاں ہمیں حسن علی اور عبدالعزیز بھی ملے۔ جہاں ہم سب کو ایک کمرہ میں بند کر دیا گیا۔ اسی کمرہ میں حاجی محمد نامی ایک سندھی بھی بند تھا حسن علی اور عبدالعزیز نے بتایا کہ وہ جرمن مشن کے لفٹیننٹ والکاٹ کے ساتھ تھے ۔ انہوں نے سیدو کے قریب افغانستان و ایران کی سرحد کو عبور کیا تھا۔ ان کا تعاقب انگریزی ایرانی یعنی نیم فوجی پولیس نے کیا۔ جن کو ان لوگوں نے عام ایرانی سمجھا تھا۔ ان سب کو قید کر کے سیدو لایا گیا۔ انھوں نے بتایا کہ لفٹیننٹ والکاٹ کو ایک الگ کمرہ میں رکھا گیا۔ اور کچھ عرصہ بعد کوئٹہ روانہ کر دیا گیا۔ انھوں نے خود کو جرمن باشندہ بتایا تھا۔

حسن علی نے بتایا کہ وہ اصل میں پارسی ہے۔ اور بمبئی کا رہنے والا ہے۔ اور جنگ

شروع ہونے سے قبل کیمسٹری پڑھنے کے لئے برلن گیا تھا۔ اس نے کہا کہ جنگ سے بہت پہلے اس نے جرمن شہریت اختیار کرلی تھی۔ جنگ شروع ہونے پر وہ جرمن فوج میں شامل ہوگیا۔ اور فوجی خدمات انجام دینے پر اس کو فوجی خدمت کا جرمن کراس تمغہ بھی دیا گیا۔ اسکو برلن سے قسطنطنیہ بھیجا گیا جہاں اس نے نام بدل کر اسلامی نام اختیار کرلیا اور مسلمان ہوگیا۔ عبدالعزیز اپنے بارے میں بے حد محتاط تھا۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ وہ مسلمان ہے۔ اور جرمنی مشرقی ایشیا میں پیدا ہوا تھا۔

حسن علی اور عبدالعزیز کو کورٹ مارشل کے بعد گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا

جب ہم سیستان میں تھے تو دشمن کی مدد کرنے کے الزام میں ان کو کورٹ مارشل کیا گیا۔ جو کرنل ڈیل، کیپٹن بینیٹ اور ایک افسر پر مشتمل تھا۔ جسنے ان کو موت کی سزا دی۔ چند دن بعد ان کو گولیوں سے اڑا دیا گیا۔

حاجی محمد سندھی نے ہمیں بتایا کہ وہ حج کے لئے پیدل براہ بلوچستان روانہ ہوا تھا۔ سیستان میں اسے جاسوسی کے الزام میں گرفتار کرکے برطانوی قونصل خانہ کی جیل میں ڈال دیا گیا۔ چھ ماہ بعد جیل کی چھت توڑ کر وہ بھاگ نکلا۔ اس نے کابل کا راستہ لیا۔ لیکن وہ اپنے بارہ میں افغان حکام کو مطمئن نہ کرسکا۔ اور اسے افغان علاقہ سے نکالدیا گیا۔ اس نے مشہد پہنچ کر خود کو برطانوی حکام کے حوالہ کردیا۔ اور درخواست کی کہ اسے اس کے گھر روانہ کردیا جائے۔ برطانوی قونصل نے اس کو گرفتار کرکے سیستان بھیج دیا۔ جب ہم پہنچے ہیں تب تک وہ وہاں پر قید تھا۔

ڈیڑھ ماہ بعد ہم کو سیستان سے سندک بھیجا گیا۔ جہاں ہمنے رات گذاری عبدالقادر اور متھرا سنگھ جو پہلے سے گرفتار تھے۔ یہاں ہم سے آن ملے۔ اگلے دن ہم پانچوں کو پنجاب روانہ کردیا گیا۔ کوئٹہ پہنچنے پر ہمیں پولیس کے سپرد کیا گیا جس نے ہمیں لاہور پہنچا دیا۔

اثنائے سفر متھرا سنگھ نے مجھے بتایا کہ مہندر پرتاپ نے کالا سنگھ کو کچھ پیغامات دیکر ہندوستان بھیجا تھا اور وہ واپس آگیا ہے۔ اس نے نہ تو پیغامات کی نوعیت بتائی نہ یہ بتایا کہ وہ کن لوگوں کو بھیجے گئے تھے جب میں نے تفصیلات پوچھیں تو اسنے کہا کہ چونکہ تم زیر حراست ہو اسلئے تم کو تفصیلات بتانا مناسب نہیں۔

بیان شجاع اللہ پسر شیخ حبیب اللہ

ساکن محلہ مصدی مل - لاہور شہر - عمر ۲۳ برس

میرا باپ گورنمنٹ سینٹرل پریس شملہ میں فورمین تھا۔ سات برس ہوئے وہ ملازمت سے سبکدوش ہو گیا اور اب لاہور میں رہتا ہے۔ میرے دو بھائی ولی اللہ و عظیم اللہ ہیں۔ شیخ ولی اللہ حکومت ہند کے محکمہ موسمیات میں ملازم ہے۔ شیخ عظیم اللہ لاہور میں ملازم ہے۔ میں نے مڈل اسکول امتحان ۱۹۰۹ء میں پاس کیا تھا۔ اور انٹرنس کا امتحان اسلامیہ ہائی اسکول لاہور سے ۱۹۱۱ء میں پاس کیا اور انٹرمیڈیٹ کا امتحان کیمسٹری میں زائد امتحان کے ساتھ گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۱۳ء میں پاس کیا۔ اس کے بعد اپنے والدین کے دباؤ سے میں لاہور میڈیکل کالج میں داخل ہو گیا۔

ایک دن جب میں خوشی محمد کے ساتھ اس کے مکان میں بیٹھا ہوا تھا تو شیخ عبداللہ متعلم سال چہارم اچانک نمودار ہوا۔ وہ بہت مشتعل تھا۔ اور غصہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ جب میں نے غصہ کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ انگریزی اخبارات علانیہ اسلام کی توہین کر رہے ہیں اپنے اس بیان کے ثبوت میں اس نے گرانک اخبار کا ایک ورق نکالا جس میں شیخ الاسلام کی تصویر تھی جو ایک مسجد میں مسلم حاضرین کو جہاد کی تلقین کر رہے تھے۔ اس تصویر کے اوپر اہانت آمیز اور گستاخانہ سرخی تھی جو یہ ہے۔ اللہ اکبر قیصر رسول اللہ (نعوذ باللہ) اسکے بعد اُس اخبار نے کچھ تبصرے کئے تھے جو اسلام کے لئے سخت اہانت آمیز تھے۔ میرے جذبات بھی بھڑک اُٹھے۔ ترکی کے جنگ میں شامل ہونے کے باعث بالخصوص برطانیہ کے خلاف جنگ میں شامل ہونے کے باعث ہر مسلمان کے جذبات کچھ نہ کچھ مشتعل تھے لیکن اہانت کے ذریعہ جو ایک انگریزی اخبار میں کی گئی تھی میرے جذبات اور زیادہ شدید ہو گئے۔

شیخ عبداللہ نے کہا کہ یہ اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے کہ ہم ہندوستان میں

رہیں جہاں ہمارے مذہب کا کفار علانیہ مذاق اُڑاتے ہیں ہم نے اُس سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسا راستہ وہ بتا سکتا ہے کہ ہم ہندوستان سے حفاظت کے ساتھ ترکی یا افغانستان کو چلے جائیں اُس نے کہا کہ وہ ذریعہ ڈھونڈھنے کے لئے پوری پوری کوشش کرے گا۔ اس کے بعد وہ چلا گیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد خوشی محمد نے مجھ سے کہا کہ شیخ عبداللہ نے اسے مطلع کیا ہے کہ اُس نے ہندوستان سے محفوظ طور پر چلے جانے کا ایک راستہ کھوج لیا ہے۔ میں نے خوشی محمد سے پوچھا کہ ہمیں لاہور سے کب روانہ ہونا ہے اُس نے کہا کہ ہمیں تاریخ روانگی سے اطلاع دیدی جائے گی۔ دریں اثنا ہم اخراجات سفر کے لئے زیادہ سے زیادہ روپیہ جمع کرنے کی کوشش کریں۔ شجاع اللہ نے ایک سوال ...

میرے اندازہ کے مطابق "اسمس" میں مجاہدین کی کل تعداد دو ہزار ہے ان میں زیادہ تر بنگالی ہیں ان کے پاس چار پانچ رہنورے ہیں منھ کی طرف سے بھری جانے والی بہت سی بندوقیں ہیں اور کچھ توڑے دار بندوقیں ہیں کبھی کبھی یہ لوگ فوجی ورزش کرتے ہیں انکا جنگی پرچم سیاہ ریشم کا ہے۔ اس کے اوپر سفید حرفوں میں ایک قرآنی آیت تحریر ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اسلام کے لئے خون بہاتے ہیں اور دشمن کے حملوں کا سامنا آہنی دیوار کی طرح کرتے ہیں"

اسمس میں مجاہدین کی بستی

امیر ہمیں مفت راشن دیا کرتا تھا۔ میں نے سُنا ہے کہ اس کی آمدنی کا خاص حصہ وہ تھا جو اس کو ہندوستان سے ملا کرتا تھا میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کبھی نہیں کی کہ یہ روپے دینے والے خاص آدمی کون تھے۔ لیکن مجاہدین نے بتایا تھا کہ ان کی پارٹی کے کچھ آدمی وقتاً فوقتاً ہندوستان بھیجے جاتے تھے تاکہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ، پنجاب اور بنگال میں جمع شدہ روپیہ اپنے ہمدردوں سے لے آئیں۔ مجھے خیال آتا ہے کہ کسی شخص نے کہا تھا کہ امیر کے آباؤاجداد پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ پٹنہ اُن مقامات میں سے ایک ہے جہاں سے روپیہ آیا کرتا تھا۔

ایک دن جب میں اپنے اوورکوٹ کیلئے ارک بازار کے ایک دوکاندار سے کپڑا خرید رہا تھا۔ تو میں نے مولوی عبدالرحیم کو ایک اسلحہ فروش کی دوکان کے قریب کھڑا دیکھا۔ میں نے اُس سے پوچھا کیا کر رہا ہے۔ اُس وقت وہ ایک رائفل کا معائنہ کر رہا تھا۔ اُس نے کہا کہ وہ رائفلیں اور کارتوس خریدنے کے لئے وہاں آیا ہے۔

وہ ذریعہ جس سے مولوی عبدالرحیم سرحد پار کرکے لوگوں کو ہتھیار مہیا کرتا ہے

میں نے اس سے نہیں پوچھا کہ وہ خریداری کسواسطے کر رہا ہے۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ وہ یہ خریداری مجاہدین کے لئے کر رہا ہوگا۔ کابل میں کئی دکانیں ہیں جن پر اسلحہ فروخت ہوتا ہے۔ ان میں ایک دوکان حکومت کابل کی بھی ہے۔ وہ اس آخرالذکر دوکان سے ہتھیار خرید رہا تھا۔ جو بہت بڑی دوکان ہے۔ یہ دوکانیں افغان گورنمنٹ کی کسی پابندی کے بغیر ہتھیار فروخت کرتی ہیں۔ اور کوئی بھی شخص کتنی بھی مقدار میں ہتھیار خرید سکتا ہے۔ ان دوکانوں میں تلواریں۔ رائفلیں اور پستول وغیرہ ہر ساخت کے ملتے ہیں۔ یعنی ایسے اسلحہ جو تیراہ میں اور افغان علاقہ میں امیر کے اسلحہ بنانے کے کارخانہ میں بنتے ہیں اور وہ جو یورپ سے براہ مشہد درآمد کئے جاتے ہیں

مولوی عبدالرحیم کا کابل کے خوشحال افغانوں سے تعلق تھا اس کو ان کے پاس سے جو روپیہ ملتا تھا اور سردار نصراللہ خاں مجاہدین کے لئے جو روپیہ دیتے تھے میرا خیال ہے کہ اس روپیہ کو وہ مجاہدین کے لئے ہتھیاروں اور گولی بارود کی خریداری پر صرف کرتے تھے۔

شجاع اللہ کا جرمن مشن سے رابطہ

ایک دن میں اکیلا باغ بابر کو گیا میں نے راجہ مہندر پرتاپ سے ملاقات کی راجہ نے پہلے کبھی مجھے نہیں دیکھا تھا۔ لہذا وہ بڑی سرد مہری سے پیش آیا۔ اس وقت اُس کے پاس دو تین جرمن افسر تھے ان میں دو کے نام وان ہنٹنگ اور دیگر مجھے بعد میں معلوم ہوئے۔ وان ہنٹنگ جرمن توپ خانہ میں لفٹیننٹ تھا۔ اور جرمنی کے وزیر انصاف کا لڑکا تھا۔ اور دیگر جرمن لاسکی کور کا کیپٹن تھا اور برلن کے ایک بیرن (نواب) کا لڑکا تھا۔ وان ہنٹنگ نے مجھ سے اچھی طرح گفتگو کی۔ اور کہا کہ وقتاً فوقتاً اُس سے ملاقاتیں کرتا رہوں۔ پندرہ دن

بعد میں میں نے خفیہ طور سے وان ہٹینگ سے ملاقات کی۔ اور اپنے ساتھیوں کو اس کے بارہ میں کچھ نہیں بتایا۔ اس نے ایران میں جن خطرات کا مقابلہ کیا تھا اُن کی بڑی دلچسپ داستان مجھے سُنائی۔ اور کہا کہ اسے ہر دم گرفتاری کا خوف لگا رہتا تھا۔ اس نے کہا کہ اس نے برلن میں ایک ہندوستانی دوست سے سُنا تھا۔

کہ اب جب کہ ترکی جنگ میں شامل ہو گیا ہے۔ اور شیخ الاسلام نے اعلان جہاد کر دیا ہے۔ تو بالکل فطری بات ہے کہ افغان عوام بھی برطانیہ کے خلاف جہاد کرنے کے خواہشمند ہوں گے اُس نے مزید کہا کہ اُس نے اپنی حکومت کو تجویز پیش کی کہ اگر برلن میں مقیم ہندوستانیوں پر مشتمل ایک مشن اس کی قیادت میں افغانستان کو روانہ کر دیا جائے تو یہ سرحد ہندوستان میں کافی برطانوی فوج کو الجھالے گا اور مصر و عراق میں برطانوی افواج کا دباؤ کم کر دے گا۔

وان ہٹینگ نے مزید کہا کہ اس کی حکومت نے یہ تجویز منظور کر لی چنانچہ راجہ مہندر پرتاب مولوی برکت اللہ کیپٹن وبگر لواری وغیرہ کے ساتھ وہ برلن سے روانہ ہو کر قسطنطنیہ پہنچا۔ آخر الذکر مقام پر انھوں نے انور پاشا سے ملاقات کی اور کاظم بے کو حکومت ترکی کے نمائندے کی حیثیت سے مشن کے ساتھ جانے کے لئے نامزد کر دیا اُس نے مزید کہا کہ اس نے شیخ الاسلام کے فتویٰ جہاد کی کچھ مطبوعہ نقول حاصل کی ہیں۔ تاکہ انہیں ایران و افغانستان میں تقسیم کر سکے۔

وہاں پر چند دن کے قیام کے بعد مشن براہ حلب بغداد پہنچا۔ بغداد میں انھوں نے چند دن قیام کیا اور کچھ ایران و عرب اسکاؤٹوں کو بھیجا تاکہ وہ یہ دیکھ سکیں کہ مشن افغانستان کو حفاظت کے ساتھ پہنچ سکتا ہے یا نہیں اسکاؤٹوں کی طرف سے اطمینان بخش اطلاع ملنے کے بعد اُس نے بغداد میں کچھ اونٹ خریدے اور اپنا سامان ان پر لادا اور آگے کو روانہ ہو گیا۔ اس طرح ہم بخیریت اصفہان تک پہونچ گئے اس کے آگے ہم لوگ ریگستان سے گذرے اور سخت مشکلات برداشت کر کے ہم "قم" پہنچے جہاں کہ ہم نے حکومت ایران کے ...... خفیہ مدرسہ میں ایک ماہ تک قیام کیا۔

دریں اثنا روسیوں کو مشن کی آمد کا علم ہو گیا اور انھوں نے سواروں کا ایک دستہ اراکین مشن کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجدیا کسی طرح مشن کو علم ہو گیا کہ سواروں کا یہ دستہ "کین" سے تیس میل کے فاصلہ پر ہے اس پر وان ہٹنگ نے ایک دوسرے راستہ سے افغانستان کو سامان روانہ کر دیا جس میں قیصر جرمنی و سلطان ترکی کے وہ قیمتی تحائف بھی شامل تھے جو انھوں نے ہز مجسٹی امیر افغانستان کے لئے بھیجے تھے۔ اور مشن کے ممبران ریگستان کے راستہ سے روانہ ہوئے۔ اس طرح وہ روسیوں کے پنجہ سے بچ گئے اور تین دن تک بے آب و گیاہ ریگستان میں سفر کرنے کے بعد افغانستان پہنچ گئے۔ مگر روسیوں نے اس کارواں پر قبضہ کر لیا۔ جس میں سارا قیمتی سامان تھا۔

افغان سرحد کے گورنر نے ان کا بڑے احترام سے استقبال کیا۔ اور ان کی آمد کی اطلاع فوراً ہرات کو روانہ کر دی۔ گورنر ہرات نے مشن کو ہرات پہنچانے کا حکم دیا۔ وان ہینڈنگ نے کہا کہ ہرات میں گورنر نے ان کو شاندار طریقہ پر ٹھہرایا۔ اور گورنر نے ایک آدمی کو امیر کابل کے پاس بھیج کر مشن کے بارے میں ہدایات دینے کی درخواست کی۔ امیر کی ہدایت کے تحت مشن کابل پہونچ گیا۔

یہ سنکر میں نے وان ہٹنگ سے کہا کہ وہ مجھے جرمن زبان کے سبق سکھائے کیونکہ مجھے غیر ملکی زبانیں سیکھنے سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ اُس نے مجھکو جرمن زبان سکھانے کا وعدہ کر لیا۔ اور میں جرمن زبان کے سبق کے لینے کے لئے اکثر اس کے پاس جاتا رہتا تھا۔ اب میں جرمن زبان روانی سے بول سکتا ہوں۔

مشن کے بارے میں پبلک کا عام تاثر

افغانستان میں جرمن مشن کی موجودگی سے افغانستان کا خوابیدہ جذبہ جہاد جاگ اٹھا اور ہر شخص جہاد میں جان قربان کرنے کے لئے بے چین نظر آنے لگا۔

ایک مرتبہ اس موضوع پر ایک افغان کرنل عباس محمد خاں سے میری اتفاقاً بات چیت ہوئی۔ اُس نے کہا کہ صرف امیر اسلام سے غداری کر رہا ہے ورنہ افغان شمشیر جہاد کو بے نیام کرنے پر آمادہ ہیں۔ جو ان پر فرض ہے کیونکہ سلطان نے اس کا حکم دیدیا ہے۔

ایک اور موقع پر میری شاہ غازی نظامی وزیر جنگ سے ملاقات ہوئی اُس نے بھی اس موضوع پر اپنے جذبات ظاہر کئے اور جہاد کی حمایت کی۔ اُس نے کہا کہ اگر افغانستان

نے ایک دفعہ ہتھیار اٹھا لیے تو جنگ جو سورماؤں کے متحرک گروہوں کو روکنا ناممکن ہو جائیگا۔ اُس نے مزید کہا کہ وہ نہیں سمجھتا کہ اعلیٰ حضرت امیر کیوں خاموش بیٹھے ہیں جبکہ ہر شخص فوج کی حمایت کرنے کو تیار ہے۔ اُس نے جرمن مشن سے اظہار ہمدردی کیا اور کہا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ امیر نے مشن کی گذارشات کو بہرے کانوں سے سُنا۔ شاہ غازی نظامی نے کہا کہ اگر سردار نصر اللہ خاں حکمراں ہوتے تو وہ یقیناً اعلان جہاد کر دیتے۔

اِن دنوں راجہ مہندر پرتاپ نے اپنے کارناموں کی پوری تفصیل سراج الاخبار کے شمارہ فروری یا مارچ ۱۹۱۶ء میں طبع کرائی اُس کا ایک مختصر خلاصہ جو اس اخبار میں شائع ہوا درج ذیل ہے۔

راجہ مہندر پرتاپ جنگ شروع ہوتے ہی ہندوستان سے یورپ کے سفر پر روانہ ہو گئے جب وہ سوئٹزرلینڈ میں تھے تو ان کا رابطہ ہندوستانی قوم پرستوں کی سوسائٹی سے قائم ہوا۔ سوئٹزرلینڈ سے وہ جرمنی پہنچے اور برلن کی انڈیا سوسائٹی کے ممبروں سے ملاقاتیں کیں چونکہ راجہ صاحب ہندوستان کے ایک پرانے حکمراں خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لئے ان کا وہاں ان کے ہم وطنوں نے بڑا پُرخلوص استقبال کیا۔

ہردیال کی مدد سے ان کا تعارف جرمن چانسلر وان بیتھمان ہولویگ سے ہوا جس نے راجہ صاحب کی خاندانی شرافت و نجابت کے متعلق مکمل تحقیقات کر کے ان کو قیصر کے حضور میں پیش کیا۔ قیصر نے راجہ صاحب کو ایک شاندار ڈنر دیا۔ اور راجہ صاحب کو "آئرن کراس" پیش کر کے اپنی خوشنودی اور پسندیدگی کا اظہار کیا۔ بعد میں قیصر نے اس سے تنہائی میں گفتگو اور مشورہ کیا اور پوچھا کہ ہندوستانی والیان ریاست کا رویہ برطانیہ کی غلامی کے جوتے سے ہندوستان کو آزاد کرانے کے بارہ میں کیا ہے۔ قیصر نے راجہ صاحب کو والیان ریاست کے نام بہت سے خطوط دیئے جس میں اُن کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ متحد ہوں اور برطانوی حکومت کا تختہ اُلٹ دیں۔

راجہ مہندر پرتاپ نے اس اعتماد کا اظہار کیا کہ وہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کو ختم کرنے کی جدوجہد میں والیانِ ریاست کی مدد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گا۔

جرمن گورنمنٹ نے راجہ مہندر پرتاپ کی قیادت میں ایک وفد کو ترتیب دیا اس کا مقصد امیر کابل سے راجہ صاحب کو مدد دلانا تھا۔ تاکہ وہ ہندوستان کو آزاد کرا سکے۔

وفد کا وہ حصہ جو جرمن افسروں پر مشتمل تھا ترکی گیا اور انور پاشا اور سلطان ترکی سے ملا۔ شیخ الاسلام کے فتوی جہاد کی کاپیاں حاصل کیں۔ حکومت ترکی نے یوزباشی بے کو اس وفد میں اپنا نمائندہ مقرر کیا۔

چونکہ میں وان ہنٹنگ کے پاس جرمن زبان پڑھنے جایا کرتا تھا اس لئے مجھے معلوم ہوا کہ مشن کے مندرجہ ذیل ممبران ہیں۔

(۱) راجہ مہندر پرتاپ۔ افغانستان میں پھیلی ہوئی افواہوں کے مطابق وہ مشن کے سربراہ تھے۔

(۲) وان ہنٹنگ پسر وزیر انصاف جرمنی وکپتان توپ خانہ۔

(۳) ویگنر۔ برلن کے ایک بیرن کا لڑکا اور جرمن لاسلکی کور کا ایک کپتان۔

(۴) لواری۔ وان ہنٹنگ کا سکریٹری۔

(۵) ووکاٹ (فوخت) وان ہنٹنگ کا سکریٹری۔

(۶) سینڈ میری ار (میئر) ایک کپتان۔

(۷) یوزباشی (کیپٹن) کاظم بے جو انور پاشا کے اسٹاف میں شامل تھا۔

(۸) مولوی برکت اللہ (بھوپالی) آف جاپان۔

برطانوی فوج کے بہت سے بھگوڑے آفریدی سپاہی بھی تھے۔ جو مشن کے ہمراہ برلن سے افغانستان تک آئے تھے۔

مولوی عبدالرحیم کا دوسرا سفر کابل

میں نے اپنے ساتھیوں سے سنا کہ وہ یاغستان کے تمام بڑے خوانین کو متحد کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اور ان سے وعدہ حاصل کر لیا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کے خلاف جہاد کے لئے ہتھیار اٹھائیں گے۔

مجھے معلوم ہوا کہ مولوی عبدالرحیم کے پاس ایسی دستاویزات بھی تھیں جن میں

خواتین نے اعلیٰ حضرت امیر کابل سے یہ کہتے ہوئے اعلان وفاداری کیا تھا کہ امیرافغانستان نے شمشیر جہاد کو بے نیام کیا تو وہ ہتھیار اٹھائیں گے میں نے سُنا کہ اس نے یہ دستاویزات سردار نصراللہ خاں کے حوالہ کردی تھیں۔

اس کے قیام کے دوران مجھے ایک بار اس کے گھر جانے کا اتفاق ہوا وہاں میں نے ساٹھ۔ستر بالکل نئی مارٹینی بہترین رائفلوں کا ڈھیر، کارتوس اور گولیوں کا انبار ایک کونہ میں دیکھا۔ میں نے ان کے بارہ میں اس سے کچھ نہیں پوچھا۔ کیونکہ میں نے سمجھ لیا کہ یہ سب مجاہدین کے واسطے ہیں۔ میں نے مزید تفصیلات اس کے دورۂ کابل کے بارہ میں نہیں سنیں۔ جلد ہی مولوی عبدالرحیم یاغستان کو روانہ ہوگیا۔ کالا سنگھ کیبا تھ اور ڈاکٹر صدرالدین کو کابل میں ہی چھوڑ گیا۔

کالا سنگھ، ڈاکٹر متھرا سنگھ اور ہرنام سنگھ کے ساتھ ٹھہرا اور ڈاکٹر صدرالدین ہمارے پاس مقیم ہوئے۔ کالا سنگھ نے ایک دن مجھے بتایا کہ کچھ دن قبل وہ مردان گیا تھا۔ جہاں اس نے سکھوں کو اکسانے کی کوشش کی تھی ڈاکٹر صدرالدین کابل میں پندرہ دن قیام کرنے کے بعد یاغستان چلا گیا۔ ڈاکٹر صدرالدین نے اپنی سرگرمیوں کے بارہ میں مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ مجاہدین میں ڈاکٹر کی حیثیت سے کام کرتا

دوسرے مشن کی تیاری

مئی ۱۹۱۶ء میں اچانک ایک دن مولوی عبیداللہ نے مجھے سرائے نرنجن میں اپنے گھر بلایا اور مجھے مبارک باد دی کہ ہمارے لئے اس کی کوششیں کامیاب رہی ہیں۔ .... اس کے بعد اس نے بتایا کہ .... کہ اس نے مجھے ترکی بھیجنے کی تیاری کرلی ہے تاکہ ترکی اور افغانستان میں دوستانہ تعلقات قائم ہوں۔ اس نے کہا کہ اگر کسی بھی وقت نائب السلطنت امان اللہ میں تم سے سوالات کریں تو موافق انداز میں جواب دینا۔ اس نے راجہ مہندر پرتاپ سے کہا ہے کہ نائب السلطنت کی موجودگی میں اس تجویز کی تائید کرے۔

چار پانچ دن بعد مولوی عبیداللہ مجھے اور عبدالباری کو ایک عمارت "زین الامارۃ" میں لے گئے جو نائب السلطنت کی رہائش گاہ تھی تقریباً دو گھنٹے کے انتظار کے بعد راجہ

مہندر پرتاپ اور نائب السلطنت زین الارہ میں آئے۔ ہمیں نائب السلطنت کے سامنے اُن کے دفتر میں پیش کیا گیا۔

نائب السلطنت نے کہا کہ ہمیں مقدس قومی مشن پر ترکی روانہ کیا جارہا ہے جس سے ترکی افغانستان میں میثاق کا انعقاد ہوا اُس نے ہمیں ہدایت کی کہ انور پاشا اور دوسرے اعلیٰ ترک افسروں سے ملاقات کریں اور اُن پر واضح کریں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اُن کا افغانستان سے رابطہ بےحد ضروری ہے۔ اور مسلم حکمرانوں میں پختہ اتحاد کی بنیاد رکھنے کے لئے اتحاد اسلامی (پان اسلامزم) انتہائی درجہ میں لازمی ہے نائب السلطنت نے ہم سے خواہش کی کہ دونوں مسلم حکمرانوں میں بتفصیل ذیل باقاعدہ مواصلات وروابط قائم کئے جائیں۔

(۱) تجارتی کارروانوں کا سلسلہ قائم کیا جائے۔

(۲) ناواقف افغانوں کو سائنس اور صنعتوں کے قیام میں مدد دی جائے۔

(۳) حکومت ترکی نوجوان افغانوں کو ترکی یونیورسٹی کے مختلف علوم وفنون کی تعلیم کی خصوصی سہولتیں دے۔

(۴) افغانستان معدنیات کے کام میں بہت پیچھے ہے۔ اس لئے حکومت ترکی اپنے ڈاکٹروں اور ماہر معدنیات کو افغانستان میں روانہ کرے۔

سردار نصر اللہ خاں نے کہا کہ اس طرح افغانستان کی ساری معدنی دولت باہر نکال لی جائے گی۔ اس کے بعد سردار نے ہمیں دعائیں دیں اور اس مقدس مذہبی فریضہ میں ہماری کامیابی کی خواہش کا اظہار کیا پھر وہ اُٹھ کر چلے گئے۔

واپسی پر ہم نے اظہار حیرت کیا کہ مولوی عبید اللہ نے نائب السلطنت کو کس ہوشیاری کے ساتھ بے وقوف اور احمق بنایا۔ بہرحال ہمیں بہت تسکین ہوئی اور ہم نے سفر کی تیاری شروع کردی۔

میرے اندازہ کے مطابق افغانستان میں دو تین سو آسٹرین ہیں۔ ان میں پچیس[۲۵] اعلیٰ افسران ہیں۔ بہت سے آسٹرین باشندوں نے اسلام قبول کرکے افغان عورتوں

سے شادیاں کرلی ہیں ۔ اعلیٰ حضرت امیر افغانستان نے اس اندیشہ سے کہ وہ غداری نہ کریں ۔ ان سے تحریری حلف نامے لے لئے ہیں کہ وہ جنگ کے بعد بھی افغانستان سے نہیں جائیں گے ۔ چنانچہ ان کو افغان فوج میں ذمہ دارانہ عہدے دیئے گئے اور انہیں سارے افغانستان میں منتشر کردیا گیا ۔ ان آسٹرین باشندوں نے حکومت افغانستان کے مختلف محکموں میں بڑی اصلاحات کی ہیں ۔

ضمیمہ A

مولانا عبید اللہ کا خط شیخ عبد الرحیم کے نام

مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء

۹ رمضان ۔ یوم دوشنبہ
(کابل)

شیخ عبد الرحیم صاحب

سلام مسنون ۔

آپ ضرور یہ امانت مدینہ طیبہ میں حضرت مولانا کی خدمت میں کسی معتمد حاجی کی معرفت پہنچادیں ۔ یہ ایسا کام ہے کہ اس کے لئے مستقل سفر کرنا نقصان نہیں ۔ اگر آدمی معتمد ہو تو زبانی یہ بھی کہہ دیں کہ حضرت مولانا یہاں آنیکی بالکل کوشش نہ کریں ۔ اور مولوی منصور اگر اس حج پر نہ آسکیں تو خیال فرمالیں کہ اس کا آنا ممکن نہیں ۔

آپ اس کے بعد خود میرے پاس آنے کی کوشش کریں ۔ کیونکہ یہاں بہت سے ضروری کام ہیں ۔ ضرور آیئے ۔

اگر خدانخواستہ آپ کو معتمد حاجی نہ مل سکے اور آپ خود بھی نہ جاسکیں تو مولوی حمد اللہ ساکن پانی پت سے اس معاملہ میں مدد لیں ۔ یہ ضروری ہے ۔ کہ اس حج کے موقعہ پر یہ اطلاعات حضرت مولانا کے پاس پہنچ جائیں ۔ اور وہاں سے جو اطلاع ملے ۔ وہ براہ راست نہ ہوسکے تو مولوی احمد لاہوری کی معرفت ضرور ہمیں ملنی چاہیئے ۔

عبید اللہ عفی عنہٗ

ضمیمہ A

بغیر دستخط کا خط مورخہ ۹ر جولائی ،

از کابل

۸ر رمضان المبارک ۔

روز ابتداء

وسیلۃ یومی وغدی حضرت مولانا صاحب مدظلہم العالی

آداب و نیاز مسنونہ

بندہ کے بعد کا حال یہ ہے ۔ بمبئی آرام و بےخطر پہنچے ۔ بندرپر اسباب کی تلاشی میں خدام سے دانستہ اغماض برتا گیا ۔ فللہ الحمد مولانا مرتضیٰ صاحب ہم کو ناممکن خیال کرتے ہیں اس لئے ان کو کام میں نہیں لیا گیا ۔ مولوی ظہور صاحب بمبئی استقبال کو پہنچے تھے ۔ اور محمد حسین راندیر سے راندیر میں تحریک چندہ صرف سید صاحب کے خلاف سے ناکام رہی ۔ راندیر خطیب مکرجانیوالے تھے نہ معلوم کیا ہوا ۔ قاضی صاحب نے بعد ملاحظہ والا نامہ سرپرستی قبول فرمائی ۔ جماعت پر اعتماد بحال رکھکر کام کرنے کی اجازت دی ۔ اس کام کو باضابطہ کرنے کے لئے ایک سالہ رخصت لینے کا قصد فرما رہے ہیں ۔ جماعت کے ہر سہ ممبر سرفروشی کر رہے ہیں مطلوب الگ ہو گیا سید نور سست ہ مولانا رائے والے متفق و معاون ہیں حکیم صاحب پچاس روپیہ ماہوار مکان پر جا کر خود دیتے رہتے ہیں اور درمیان میں بھی ایک دوبار جاتے رہتے ہیں ۔ اور گاہ بگاہ ڈاکٹر صاحب بھی ۔ حنیف کو جماعت دس روپیہ جیب خرچ دیتی ہے ۔ وہ مکان پر ہی ہیں ۔ مدرسے نے ان سے کوئی ہمدردی نہیں کی ۔ مالکانِ مدرسہ سرکار کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں نمائش کے دربار میں شرکت کا فخر بھی نصیب ہونے لگا ۔

امیر شاہ مولانا عبدالرحیم صاحب کے دستی کام کے لئے پڑا ہے ۔ مولانا مدرسے سے مرعوب ہیں

لے دارالعلوم جو انہیں حضرات کے بزرگوں کی ساٹھ سالہ امانت تھی ۔ اس کی مصلحت کا تقاضا یہی تھا یہ مصلحت خود حضرت شیخ الہندؒ کے پیش نظر بھی تھی چنانچہ آپ سرحدی آزاد قبائل میں تشریف نہیں لے گئے اور اس علاقہ کے بجائے مدینہ منورہ تشریف لے گئے جیسا کہ صفحات سابق میں گذر چکا ہے ۔

مگر نیز امام کی صفائی فرماتے رہتے ہیں۔ مولوی رامپوری نے بھی تائید سے کنارہ کیا۔ مسعود بھی شکار ہو گیا۔

بندہ حسرت آزاد سے ملا۔ دونوں بیکار ہو چکے ہیں کیونکہ بندہ کا لوٹنا حضور تک ممکن نہ تھا۔ اس لئے آگے بڑھا۔

غالب نامہ احباب ہند کو دکھا کر حضرت یاغستان کے پاس لایا۔ حاجی بھی اب مہمند میں ہیں۔ مہاجرین نے مہمند باجوڑ صوات بنیر وغیرہ علاقوں میں آگ لگا رکھی ہے۔ ان علاقوں میں غالب نامہ کی اشاعت کا خاص اثر ہوا۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ حسب وعدہ غالب بلحاظ مصالح وقت یاغستان کی خدمت کا خیال رکھا جائے۔ ضعف جماعت ہند سے مہاجرین کو کافی امداد نہیں پہنچ سکی۔ بندہ یاغستان ایک ماہ قیام کرکے وفد مہاجرین کے ساتھ کابل پہنچا۔ مولانا سیف جماعت سے الگ ہو کر یہاں مقیم ہیں۔ ان کے لئے دولت کی طرف سے کام کی تجویز ہو رہی ہے اعضائے وفد فضلین و عبدالعزیز ہیں۔ مولانا الناظم کی توجہات و حاجی عبدالرزاق صاحب کی عنایات سے وفد نے دربار نصر اللہ میں رسائی کی ابتدائی کامیابی بھی ہوئی۔ بندہ ان سے الگ باریاب ہوا۔ حضور کے زیر اثر کام اور اس کے اصول کی تفصیل کی گئی۔ خاص قبولیت ہوئی۔ الحمد للہ اور انشاء اللہ اس ذیل میں حاضر خدمت ہوں گا۔

یہاں کا حال یہ ہے یہاں فتاو تی و سفرائے ترک وجرمن پہنچے ان کا اعزاز پورا ہوا۔ لیکن مقصد میں ناکام رہے۔ وجہ یہ ہے کہ ترکی کا فرض تھا کہ ایام ناطرفداری میں ایران وافغانستان سے ان کی ضروریات معلوم کرتا۔ اس کے پورا کرنے کی سبیل کرتا اور حسب احوال معاہدہ دوستی کرتا۔ افغانستان نہ بڑی جنگ میں شرکت کا سامان رکھتا ہے۔ اور نہ کوئی بڑی دولت اس کے نقصانات کی تلافی کی ذمہ دار ہے۔ اس لئے شریک حرب نہیں ہو سکتا۔ اگر ضروری افسران انجینئران اسلحہ روپیہ دیا جائے اور بصورت غلبہ کفر عصمت و اعانت کا عہد نامہ کیا جائے تو شرکت کے لئے تیار ہیں۔ با ایں ہمہ سردار نائب السلطنت عام سرحدی زیر۔ آفریدی۔ مہمند۔ باجوڑ۔ صوات۔ بنیر۔ چکیسر۔ غوربند۔ کرناہ۔ کوہستان۔ دیر۔ چترال وغیرہ میں اپنا اثر منظم کرتے اور ان سے وکلا طلب کرکے عہد شرکت بصورت جنگ لے رہے ہیں۔ یہ کام ایک حد تک ہو چکا ہے سفراء جرمن واپس

اور ترک مقیم ہیں۔ مگر بے کار تعجب ہے کہ سفرا ر خالی ہاتھ آئے حتی کہ کوئی کافی سند سفارت بھی نہ لائے۔ ایسی صورت میں کیا ہوسکتا ہے۔ مولانا الناظم باعافیت ہیں۔ دولت میں ایک حد تک اعتماد ہو گیا ہے۔ انگریز ان کو یہاں جاسوس ثابت کرنے کی سعی کرتے رہتے ہیں۔ جن کا کچھ نہ کچھ اثر بھی ہوتا ہے۔ مگر الحمدللہ کہ ان کو اب تک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔

مہاجرین طلبار انگریزی اور بعض سکھ بھی اب یہاں حاجی عبدالرزاق صاحب کی مدد و نائب کی مہربانی سے آزاد ہیں اور مولانا الناظم کی زیر سرپرستی دئے گئے ہیں۔ مصارف بذمہ دولت ہیں۔ کوئی سرکاری کام ان کے ذمہ نہیں ہے۔ البتہ مولانا کے خاص کاموں میں بہ ایمائے نائب السلطنت دست و بازو ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے

ایک جمعیۃ ہندوستان آزاد کرانے والی اس کا صدر ایک ہندی راجہ مقیم کابل ہے۔ جو کہ سلطان المعظم اور قیصر جرمنی کے اعتماد نامہ کے ساتھ یہاں پہنچا ہے۔ ناظم صاحب و مولوی برکت اللہ اس جماعت کے وزرا رہیں اس جماعت نے ہندوستان میں مراکز و دیگر دول سے معاہدات کرنے کے لئے حرکت کی ہے جس میں ابتدائی کامیابی ہوئی ہے۔ اس کام میں عضو متحرک طلبا رہی ہیں......... ان میں بعض دربار خلافت ہو کر حاضر خدمت ہونگے انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری جماعت الجنود الربانیہ۔ یہ فوجی اصول پر مخصوص اسلامی جماعت ہے جس کا مقصد اولیہ سلاطین اسلام میں اعتماد پیدا کرنا ہے اس کا صدر جس کا نام فوجی قاعدہ سے جنرل یا القائد ہے حضور کو قرار دیا گیا ہے اور مرکز اصلی مدینہ منورہ۔ اس لئے خیال ہے کہ حضور مدینہ منورہ میں رہ کر خلافت علیا سے، افغانستان و ایران کے ساتھ معاہدہ کی سعی فرمائیں۔ اور افغانستان کے متعلق، نیز یاغستان کے متعلق تجویز کو خدام تک پہنچا دینا کافی خیال فرمائیں۔

افغانستان شرکت جنگ کے لئے امور مذکورہ بالا کا طالب ہے۔ جیسے اولیار دولت عثمانیہ و خلافت ثانیہ تک پہنچانے کی جلد سے جلد تدبیر کیجئے۔ کیونکہ ہندوستان

میں کفر پر کاری ضرب لگانے کی یہی ایک صورت ہے۔ اہل مدرسہ مولوی محسن سید نور کے ذریعہ سے حضور کی ہند میں لانے کی سعی میں ہیں۔ کیونکہ اب یہ معلوم ہوا ہے کہ حجاز میں بھی کام ہو سکتا ہے۔ ادھر انگریزوں میں پہلی سی عزت بوجہ عدم ضرورت اب نہیں رہی۔

قاضی صاحب حکیم صاحب ڈاکٹر صاحب مولانا رائے والے حضور کی مراجعت ہند کے سخت مخالف ہیں۔ خطرہ بوجہ قصہ غالب کے علم ہونے کے بذریعہ مطلوب اب پہلے سے بہت بڑھ گیا ہے۔ اس لئے ایسی کسی تحریک کو ہرگز ہرگز منظور نہ فرمایا جائے۔

مبلغ عطار حضور کے مکان پر اور سید نور کو ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے جماعت کے سپرد کردیا گیا بندہ حصول قدم بوسی کی سعی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ کامیاب ہوں گا۔ مولانا الناظم مولانا سیف فضلین وعبدالعزیز وجملہ مہاجرین طلبا سلام عرض کرتے ہیں۔ والسلام برادر عزیز واحد مولانا حسین ان کے والد صاحب و برادران وحضرت اللہ واحمد جان صاحبان کی خدمت میں سلام مسنون۔ مدنی خطوط ہند کی ڈاک کے حوالہ کردیئے گئے تھے۔ ڈاکٹر شاہ بخش صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ و سید ہادی وخدا بخش وحبیب اللہ غازی کو بھی۔

ضمیمہ A

مولوی عبید اللہ کے بلا تاریخ خط کا ترجمہ

الجنود الربانیہ یعنی لشکر نجات

تصویر

مسلم سالویشن آرمی یا ملکی فوج

مقصد ۔ اتحاد دول اسلامی		حلقۂ اثر	مناصب دس قسم ہیں	تعداد ماتحتان مشاہرہ		اختیارات خرچ ماہواری
مرکز اصلی صدر	مدینہ طیبہ		(۱) مربی (پیٹرن) (۲) سردار سپاہ (فیلڈ مارشل)	تعداد ماتحتان	مشاہرہ	
مقام جنرل			(۳) سالار (جنرل) مہتہ جو نائب سالار کسی مرکز ثانوی میں ہو اس کو قائم مقام سالار کہیں گے	افسر کل ربانیہ	۱۰۰ پونڈ	ایک ہزار پونڈ
مرکز ثانوی صدر	قسطنطنیہ	قسطنطنیہ کا یورپ و افریقہ		۱۲ ہزار	۵۰ پونڈ ۴۰ پونڈ	۵۰۰ پونڈ ۲۰۰ پونڈ
مقام قائم مقام جنرل	تہران	تہران کا وسط ایشیا	(۴) قائم مقام سالار و نائب سالار (لفٹننٹ جنرل)	۳ ہزار	۲۰ پونڈ	۶۰ پونڈ
	کابل	کابل کا ہندوستان	(۵) معین سالار (میجر جنرل)	ایک ہزار	۱۰ "	۲۰ پونڈ
مرکز درجہ سوم صدر	جو دول اسلامیہ		(۶) ضابط (کرنل)	۵۰۰	۵ پونڈ	۱۰ "
مقام لفٹننٹ جنرل	کفر کے زیر اثر ہوں		(۷) نائب ضابط (لفٹننٹ کرنل)	۲۵۰	۴ "	۵ "
			(۸) در شہر صد باشی (میجر)	۱۰۰	۳ "	۲ "
			(۹) صد باشی (کپتان)	۵۰	۲ "	۱ "
			(۱۰) پنجاہ باشی (لفٹننٹ)			

منصب داران جنود ربانیہ

(الف) مربی (۱) سالار المعظم خلیفۃ المسلمین۔
(۲) سلطان احمد شاہ قاچار ایران۔
(۳) امیر حبیب اللہ خاں کابل

ب۔ مردان (۱) انور پاشا (۲) ولی عہد دولت عثمانیہ (۳) وزیر اعظم دولت عثمانیہ (۴) عباس حلمی پاشا (۵) شریف مکہ معظمہ (۶) نائب السلطنت کابل سردار نصر اللہ خاں (۷) معین السلطنت کابل سردار عنایت اللہ خاں (۸) نظام حیدر آباد (۹) والی بھوپال (۱۰) نواب رام پور (۱۱) نظام بھاولپور (۱۲) رئیس المجاہدین۔

ج۔ جنرل یا سالار۔ (۱) سلطان المعظم حضرت مولانا محمد حسن دیوبندی مدظلہ العالی۔
(۲) قائم مقام سالار کابل مولانا عبید اللہ صاحب

د۔ نائب سالار (یا لفٹنٹ جنرل) (۱) مولانا محی الدین خاں صاحب (۲) مولانا عبد الرحیم صاحب (۳) مولانا غلام محمد صاحب بھاولپور (۴) مولانا تاج محمد صاحب، سندھی (۵) مولوی حسین احمد صاحب مدنی (۶) مولوی حمد اللہ صاحب حاجی صاحب ترنگ زئی (۷) ڈاکٹر انصاری (۸) حکیم عبد الرزاق صاحب (۹) ملا صاحب یا بیا۔ (۱۰) کوہستانی (۱۱) جان صاحب باجوڑ (۱۲) مولوی ابراہیم صاحب کالوی (۱۳) مولوی محمد میاں (۱۴) حاجی سعد احمد بنیٹھوی۔ (۱۵) شیخ عبد العزیز شاویش (۱۶) مولوی عبد الکریم صاحب نائب رئیس المجاہدین۔ (۱۷) مولوی عبد العزیز رحیم آبادی (۱۸) مولوی عبد الرحیم عظیم آبادی (۱۹) مولوی عبد اللہ غازی پوری (۲۰) نواب ضمیر الدین احمد (۲۱) مولوی عبد الباری صاحب (۲۲) ابو الکلام (۲۳) محمد علی (۲۴) شوکت علی (۲۵) ظفر علی (۲۶) حسرت موہانی۔ (۲۷) مولوی عبد القادر قصوری (۲۸) مولوی برکت اللہ بھوپالی (۲۹) پیر اسد اللہ شاہ سندھی

ھ۔ معین سالار (میجر جنرل) مولوی سیف الرحمٰن صاحب۔ مولوی محمد حسن مراد آبادی۔

مولوی عبداللہ انصاری۔

۱) میر سراج الدین بہاولپوری باچا راعبدالخالق۔ مولوی بشیر رئیس المجاہدین۔ شیخ ابراہیم سندھی۔ مولوی محمد علی قصوری۔ سید سلیمان ندوی۔ عمادی غلام حسین آزاد سبحانی۔ کاظم بے۔ خوشی محمد۔ مولوی ثناء اللہ۔ مولوی عبدالباری مہاجر وکیل حکومت موقتہ ہند۔

د۔ ضابطہ (کرنل) شیخ عبدالقادر۔ مہاجر شجاع اللہ مہاجر نائب وکیل دولت موقتہ ہند مولوی عبدالعزیز وکیل وفد حزب اللہ باغستان۔ مولوی فضل ربی۔ مولوی عبدالحق لاہوری مولوی فضل اللہ۔ صدر الدین۔ مولوی عبداللہ سندھی۔ مولوی ابو محمد احمد لاہوری۔ مولوی احمد علی نائب ناظم نظارۃ المعارف۔ شیخ عبدالرحیم سندھی۔ مولوی محمد صادق سندھی۔ مولوی ولی محمد۔ مولوی عزیز گل۔ خواجہ عبدالحئی۔ قاضی۔ قاضی ضیاء الدین ایم۔ اے۔ مولوی ابراہیم سیالکوٹی۔ عبدالرشید بی۔ اے۔ مولوی ظہور محمد۔ مولوی محمد مبین۔ مولوی محمد یوسف گنگوہی۔ مولوی رشید احمد انصاری۔ مولوی سید عبدالسلام فاروقی۔ حاجی احمد جان سہارنپوری۔

ز۔ نائب ضابطہ (لفٹننٹ کرنل) فضل محمود۔ محمد حسن بی اے مہاجر۔ شیخ عبداللہ بی اے مہاجر۔ ظفر حسن بی اے مہاجر۔ اللہ نواز خاں بی اے مہاجر۔ رحمت علی بی۔ اے مہاجر۔ عبدالحمید بی۔ اے مہاجر۔ حاجی شاہ بخش سندھی۔ مولوی عبدالقادر دینا پوری۔ مولوی عبدالباری۔ محمد علی سندھ۔ حبیب اللہ۔

ح۔ میجر۔ شاہنواز۔ عبدالرحمن۔ عبدالحق۔

ط۔ کپتان: محمد سلیم۔ کریم بخش۔

ی۔ لفٹننٹ۔ نادر شاہ

(نوٹ) ایک اور فہرست میں محمد علی سندھی اور حبیب اللہ کا نام میجر کی فہرست میں درج ہے۔

احوال انجمن دیگر بنام (موسوم) حکومت موقتہ ہند

ایک ہندوستانی رئیس مہندر پرتاپ ساکن بندرابن جسے آریاؤں کی جماعت سے خاص تعلق ہے۔ اور ہندوستانی راجگان سے واسطہ در واسطہ ملتا ہے۔ گذشتہ سال جرمنی پہنچا۔ قیصر سے ہندوستان کے مسئلہ میں ایک تصفیہ کر کے اس کا ایک خط بنام رؤسا ہند و امیر کابل لایا۔

حضرت خلیفۃ المسلمین نے بھی قیصر کی طرح اسے اپنا وکیل ہند بنایا اس کے ساتھ مولوی برکت اللہ بھوپالی جو جاپان و امریکہ میں رہ چکے ہیں۔ برلن سے ہمراہ ہوئے۔ قیصر کے ایک قائم مقام اور سلطان المعظم کے ایک افسر اس کے ساتھ کابل آئے۔ یہ لوگ میرے کابل پہنچنے سے دس روز قبل پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے ہندوؤں کے فوائد کی تائید میں ہندوستانی مسئلہ امیر صاحب کے سامنے پیش کیا اور کابل میں دونوں نے ایک انجمن کی بنام مذکورہ بالا بنیاد ڈالی۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے معاملات مستقبل میں دول عظمیٰ سے معاہدات کرے۔

ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ انھوں نے مجھ سے اس انجمن میں شامل ہونے کی درخواست کی۔ میں نے اسلامی مفادات کی حفاظت کی نظر سے قبول کیا۔

(۱) چند روز کے مباحثات کے بعد اس انجمن نے قبول کر لیا کہ افغانستان اگر جنگ میں شرکت کرتا ہے تو ہم اس کے شاہزادہ کو ہندوستان کا مستقل بادشاہ مانتے کو تیار ہیں۔ اور اس قسم کی درخواست امیر صاحب کے یہاں پیش کر دی۔ لیکن چونکہ امیر صاحب ابھی شرکت جنگ کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے معاملہ ملتوی کر رکھا ہے۔

(۲) اس حکومت کی طرف سے روس میں سفارت گئی جس میں ایک ہندو اور ایک مہاجر طالب علم تھا جو افغانستان کے لئے مفید اثرات لے کر واپس آئے۔ اب روس کا سفیر کابل آنے والا ہے۔

روس کی انگریزوں سے برہمی ہیں جس کے فیصلہ کے لئے کچھ جاتا ہوا غرقاب ہوا۔ ممکن ہے کہ سفارت مذکورہ کا اثر بھی شامل ہو۔

(۳) ایک سفارت براہ ایران قسطنطنیہ اور برلن گئی ہے۔ اس میں دونوں ہمارے مہاجر طالب علم ہیں۔ امید ہے کہ حضور میں حاضر ہو کر مورد عنایت ہوں گے۔

(۴) اب ایک سفارت جاپان اور چین کو جانے والی ہے۔

(۵) ہندوستان میں پہلی سفارت بھیجی گئی وہ زیادہ کامیاب نہیں ہوئی۔

(۶) اب دوسری سفارت جاری ہے۔

(۷) تھوڑے دنوں میں ایک دوسری سفارت برلن جانے والی ہے۔

جرمن سفارت سے میرے ذاتی تعلقات بہت اعلیٰ درجہ پر ہیں جس میں اسلامی فوائد میں پوری مدد ملے گی۔

اس حکومت موقتہ میں راجہ پرتاپ صدر ہیں۔ مولوی برکت اللہ بھوپالی وزیر اعظم اور احقر وزیر ہند۔

فقط والسلام

(عبید اللہ)

ضمیمہ بی

شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں خفیہ سرگرمیوں کا خلاصہ مورخہ ۳ر جون ۱۹۱۶ء سے اقتباس

مہندر پرتاپ آف مُرسان علی گڑھ صوبہ جات متحدہ	۱۵۸۱ سی آئی ڈی شمالی مغربی سرحدی صوبہ کابل کے سراج الاخبار مورخہ ۴ر جنوری ۱۹۱۶ء سے یہ اقتباس کیا گیا ہے

ذیل میں ہم ایک خط شائع کرتے ہیں جو ہمیں سراج الاخبار افغانیہ میں شریک اشاعت کرنے کے لئے کنور صاحب مُرسان یعنی راجہ صاحب ہاتھرس سے وصول ہوا ہے جو آج کل افغانستان کی مقدس بادشاہت کے مہمان ہیں۔

ایک [illegible] مراسلہ

محل باغ بابر شاہ کابل

مورخہ ۱۵ر [illegible] ۱۹۱۶ء

دوست عزیز مدیر سراج الاخبار ۔

میں تکلیف دہی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا ہوں کہ مجھے بعض ہندوستانی اخبارات میں خواہ مخواہ بدنام کیا گیا ہے۔ میں آپ کے اخبار کے ذریعہ اس غلط بیانی کی تردید کرنی چاہتا ہوں۔

ان اخبارات نے یہ الزام لگایا ہے کہ میں نے خود کو ایک بڑا مہاراجہ ظاہر کیا اور اعلیٰ حضرت قیصر جرمنی کے عملہ میں شامل ہو گیا میرے خلاف یہ جھوٹی الزام تراشی ہے میں نے خود کو کبھی مہاراجہ بلکہ راجہ بھی نہیں کہا۔ نہ میں کسی کے عملہ میں شامل ہوا۔ نہ میں نے کسی کی ملازمت اختیار کی۔

یہ صحیح ہے کہ جنگ چھڑنے پر میں جرمنی گیا تھا تاکہ وہاں کی صورت حال کا مشاہدہ

کر سکوں۔ حکومت جرمنی نے مجھ پر عنایت کیں اور مجھے اگلی خندقوں سے اور ہوائی جہاز سے
جنگ کا مشاہدہ کرنے کا موقعہ دیا۔ مزید برآں ملک معظم قیصر جرمنی نے خود مجھے باریابی کا موقعہ دیا۔
اس کے بعد سلطنت جرمنی سے ہندوستان اور ایشیا کا مسئلہ طے کرنے کے بعد
اور ضروری تعارف نامے حاصل کر لینے کے بعد میں مشرق کو واپس ہوا۔
میں نے مصر کے خدیو سے شہزادوں سے وزیروں سے ملاقاتیں کیں اور مشہور آفاق
انور پاشا سے اور اعلیٰ حضرت خلیفہ سلطان المعظم سے ملاقات اور گفتگو کی۔
میں نے سلطنت عثمانیہ سے مشرق کا اور ہندوستان کا مسئلہ طے کیا اور ان سے
بھی ضروری تعارفی دستاویزات حاصل کیں۔ جرمن اور ترک افسران کو اور مولوی برکت اللہ
صاحب کو میرے ہمراہ میری مدد کے واسطے روانہ کیا گیا وہ اس وقت بھی میرے ساتھ ہیں۔
ہزاروں مصائب و مشکلات اور خطرات کا مقابلہ کر کے اور ایک خدا ترس انسان
کی مہربانی سے ہم لوگ بغداد و اصفہان سے ہوتے ہوئے افغانستان پہنچے اعلیٰ حضرت امیر
کی غیر جانبداری کے باعث ہم یہاں پڑے ہیں۔ گو کہ ہم آپ کی حکومت کے مہمان
ہیں اور ہمارے ساتھ بڑے احترام کا سلوک کیا جاتا ہے۔ ورنہ ہمیں ہر قسم کا آرام پہنچایا
جاتا ہے۔

میرے دوستوں کو یہ بات معلوم ہو جانی چاہیے اگر وہ مر گئے نہیں تو بھی انہیں آئندہ
زیادہ گوئی نہیں کرنی چاہیے۔ میں کسی شخص کا یا کسی قوم کا دشمن نہیں، میں ساری دنیا کا دوست ہوں۔
میرا واحد مقصد یہ ہے کہ ہر شخص اور ہر قوم آزادی کیساتھ اور آرام کے ساتھ اپنے مکان یا اپنے ملک
میں زندگی گذاریں۔ اور روئے زمین سے اس قسم کی جنگ و کشایش کا نشان مٹ جائے۔
دستخط مہندر پرتاپ۔ جو دنیا کا اور ہندوستان کا خادم اور بدھوں عیسائیوں
ہندوؤں اور مسلمانوں کا دوست ہے جسے بعض لوگ کنور صاحب مرساں اور بعض لوگ راجہ صاحب ہاتھرس کہتے ہیں۔
مزید یہ کہ میرے ذاتی نظریات اور میرے افعال کیلئے کوئی بھی شخص میرا کوئی دوست
یا میرا حقیقی بھائی راجہ بہادر مرساں یا میرا رشتہ دار مہاراجہ صاحب جنید یا آرٹ اسکول پریم مہاودیالیہ
(بندرابن) مطلق ذمہ دار نہیں۔ دستخط۔ ایم پرتاپ"

نمونہ عرضداشت جمعیۃ حزب اللہ

جو یاغستان کے مہاجرین وانصار (حزب اللہ) پر مشتمل

اور حضرت مولانا سلطان العلماء کی زیر سرپرستی و

زیر صدارت قائم ہے

مہر

(سنہ ۱۳۳۱ھ الا ان حزب اللہ ھم الغلبون)

بتوسط مخدوم الانام حامی اسلام سلطان العلماء مہاجر فی سبیل اللہ حضرت

مولانا محمود حسن صاحب صدر اعظم جمعیۃ حزب اللہ عم فیوضہم

بملاحظہ غوث الاسلام خلیفۃ المسلمین امیر المومنین خادم الحرمین الشریفین سلطان ابن سلطان، سلطان محمد رشاد خاں خامس خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ۔

بعد آداب وتسلیمات مسنونہ وفدویانہ۔ خدمت عالی میں مندرجہ ذیل معروضات پیش ہیں۔

(۱) ہم خدام اسلام حضرت سلطان العلماء مولانا محمود حسن صاحب کی زیر سرپرستی مجتمع ہو گئے ہیں ہم نے اپنا نام "حزب اللہ" رکھا ہے۔ اور آتش ظلم کو سرد کرنا ہمارا نصب العین ہے۔

(۲) ہندوستان اور افغانستان کی حدود کے درمیان ایک وسیع علاقہ جو وزیرستان سے الائی (کشمیر) تک پھیلا ہوا ہے جو آزاد علاقہ ہے۔ بہادر اور غیرت مند حنفی المذہب افغانوں کا مسکن ہے۔ ان جری اور غیور بہادروں نے روز اول سے اپنے علاقہ کو حکومت انگریز کے تسلط سے آزاد رکھا ہے۔ ہم نے سنہ ۱۳۳۱ھ سے مہمند سے الائی تک کے علاقہ میں اپنی جدوجہد کے مراکز قائم کر رکھے ہیں۔

(۳) جیسے ہی دربار خلافت سے انگریزوں کے مقابلہ میں جنگ کا اعلان ہوا جمعیۃ حزب اللہ کے کچھ ارکان حضرت سلطان العلماء کے ایما پر انگریزی حکومت سے ہجرت کرکے اس آزاد علاقہ میں پہنچے اور یہاں کے لوگوں کو انگریزوں کے خلاف ابھارنے کا کام شروع کر دیا۔

برطانوی حکومت کی طرف سے جو رپورٹ گذشتہ عیسوی سال کے گزٹ میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں ہماری اس جد وجہد کا اقرار موجود ہے۔ ہند اور افغانستان کی تحریک میں بھی ہم نے بھرپور کوشش کی ہے اور کرتے رہیں گے۔ اگرچہ اب تک اس میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی

(۴) ہم خدام اسلام میں انگریزوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے اور خاص طور پر جنگ کے خاتمہ کے بعد۔ اس لئے بصد آداب عرض گذار ہیں کہ

(الف) صلح عمومی اور مختلف حکومتوں کے درمیان معاہدے کے وقت مذکورہ بالا علاقہ کی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے طے کرلیا جائے کہ یہ علاقہ سریر خلافت کے زیر اثر رہے گا۔

(ب) اس علاقہ کے انتظام اور اصلاح کے لئے دربار خلافت سے افسر بھیجے جائیں اور

(ج) اگر موجودہ جنگ کے دوران ہی کچھ افسر، تھوڑی فوج، سامان جنگ، اور مصارف خوراک کے ساتھ یہاں بھیج دئے جائیں تو یہاں سے لاکھوں جنگ آزمودہ غازی بلا تنخواہ اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور یہ اقدام افغانستان کو سرگرم کرنے میں بھی معاون ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دربار خلافت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق واستطاعت بخشے۔ آمین ثم آمین۔

مورخہ ۱۷ر شوال المکرم ۱۳۳۵ھ تقریباً مطابق ۱۵ر اگست ۱۹۱۷ء

(نوٹ) غالب پاشا گورنر حجاز شریف کا فرمان۔ جس میں جنگ میں شریک ہونے والوں کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور جو ہم تک مولوی ابو الحامد انصاری

ابو الوبی کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اس عرضداشت کے پیش کرنے کا محرک بنا ہے۔ فقط

مُہر جناب حاجی صاحب ترنگ زئی مہاجر غازی
فی سبیل اللہ صدر جمعیۃ حزب اللہ

مُہر غازی معروف جناب ملا صاحب باڑہ
صدر انصار جمعیۃ حزب اللہ

مُہر مولوی فضل ربی مہاجر
رکن جمعیۃ حزب اللہ

مُہر مولوی عبدالعزیز صاحب
رکن جمعیۃ حزب اللہ

نقل فرمان غالب پاشا گورنر (حجاز شریف)

قائم مقام (نمائندہ) اعلیٰ حضرت خلیفہ رسول رب العالمین۔ امیر المومنین دام اقبالہ
یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ جنگ عمومی گذشتہ ایک سال سے ترکی کی اسلامی حکومت کے رخ کئے ہوئے ہے۔ روس۔ فرانس اور انگریز (دشمنانِ اسلام) ممالک عثمانیہ پر بّری و بحری حملے کر رہے ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر حضرت امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین نے محض اللہ کی نصرت اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانی طاقت کے بھروسے پر جہاد مقدس کا اعلان کر دیا ہے۔ جس کے جواب میں ایشیا۔ یورپ اور افریقہ کے مسلمانوں نے لبیک کہا ہے۔ اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدانِ جنگ میں کود پڑے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ ترکی فوج اور مجاہدین کی تعداد دشمنانِ اسلام کی تعداد سے بڑھ گئی ہے۔ اور انہوں نے دشمنوں کی قوت کو مادی اور اخلاقی طور پر کمزور کر دیا ہے۔

چنانچہ روسیوں کی فوج کا ایک بڑا حصہ قفقازیہ میں تباہ کر دیا گیا ہے۔ اور ایک لاکھ برطانوی اور فرانسیسی فوجی اور ان کے جنگی جہاز دردانیال اور دوسرے مقامات پر برباد کر دیئے گئے ہیں۔ ترکوں۔ جرمنوں اور آسٹریلینیوں نے مشرق میں روسیوں کو اور مغرب میں فرانسیسیوں اور بلجیکیوں کو پیچھے دھکیل دیا ہے۔ ایک تہائی روسی اور فرانسیسی علاقے اور سارے بلجیم اور لاکھوں رائفلوں، بندوقوں اور دوسرے سامان جنگ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور ہزاروں فوجیوں کو قیدی بنا لیا ہے۔ اب بلغاریہ بھی مرکزی قوتوں کے ساتھ شریک ہو کر جنگ میں شامل ہو گیا ہے۔ اور اس نے سربیا کے علاقہ میں اندر تک گھس کر وہاں کے لوگوں کو شکست فاش دیدی ہے۔ اس لئے میرا یہ پیغام میرے سلام کے ساتھ ان مسلمانوں کو پہنچا دیا جائے جو ان حکومتوں کی غلامی

نہیں ہیں۔ کہ وہ اب بکمل طور پر شکست کھا چکی ہیں۔ اور اب بالکل لاچار و بے یار و مددگار ہیں اور ان کے یعنی مسلمانوں کے سامنے جس قوت و طاقت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ وہ محض خیالی ہے۔

مسلمانو! آج تمہاری نجات کا دن ہے۔ اس لئے اب اپنی ذلت و خواری اور اپنی غلامی پر راضی و قانع نہ رہو۔ بلا شبہ آزادی۔ کامیابی، فتح و نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ اب خواب غفلت سے بیدار ہو اور متحد ہو کر اپنے اندر تنظیم و اتحاد پیدا کرو۔ اپنی صفوں کو درست کرو۔ اور اپنے آپ کو ان چیزوں سے لیس کرو۔ جو تمہارے لئے ضروری اور کافی ہوں اور پھر اس ظالم و جابر عیسائی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہو۔ جس کی غلامی کا کمر ور طوق تمہاری گردنوں میں پڑا ہوا ہے۔ اس زنجیر غلامی کو اپنے مذہب کی طاقت اور دین کی تیز دھار سے کاٹ ڈالو۔ اس طرح اپنے وجود اور انسانی آزادی کے حقوق کو حاصل کر لو۔ ہم انشاء اللہ عنقریب بکمل فتح اور کامیابی کے بعد معاہدے کریں گے تو تمہارے حقوق کی پوری طرح حفاظت و مدافعت کرینگے۔

اس لئے اب جلدی کرو اور پختہ عزم و ارادہ کے ساتھ دشمن کا گلا گھونٹ کر اسے موت کے منہ میں پہنچا دو۔ اور اس سے نفرت و دشمنی کا مظاہرہ کرو۔ ہم تمہاری طرف بھروسہ اور اعتماد کی نظر سے دیکھتے ہیں اسلئے یہ اچھا موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دو بد دل نہ ہو۔ اور خداوند بزرگ و برتر سے دلی مراد پوری ہونے کی اُمید رکھو۔

تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مولانا محمود الحسن صاحب (جو پہلے دیوبند ہندوستان کے مدرسہ میں تھے) ہمارے پاس آئے اور ہم سے مشورہ طلب کیا۔ ہم اس بارہ میں ان سے متفق ہیں اور ان کو ضروری ہدایات دیدی ہیں ان پر اعتماد کرو۔ اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو روپیہ سے، آدمیوں سے اور جس چیز کی انہیں ضرورت ہو اس چیز ان کو مدد کرو۔

دستخط۔ غالب (پاشا)

والئی حجاز

نمبر سلسلہ ۱۶

خفیہ

صرف صوبائی استعمال کے لئے

ریشمی خطوط کے کیس میں

کون کیا ہے؟

پنجاب

۱۷-۱۹۱۶

حکومت
پنجاب
کا
نشان مارکہ
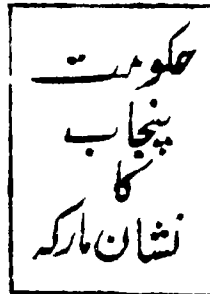
لاہور

باہتمام سپرنٹنڈنٹ سرکاری مطبوعات پنجاب

۱۹۱۷ء

ریشمی خطوط سازش کیس
کا
تعارفی حصّہ
کون کیا ھے ؟

انڈیا آفس لندن میں محفوظ ریکارڈ کے قلم کا اُردو ترجمہ
از
رفیق عزیز بیگ صاحب
اور ضروری نوٹ از
حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب

شائع کردہ الجمعیۃ بکڈپو
بحسن التفات
حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند

فہرست مضامین

(باقی صفحہ ۹ پر)

پیش لفظ

یہ کتاب اس غرض سے تیار کی گئی ہے کہ حوالہ کی کتاب کا کام دے سکے۔ اس کتاب میں ان لوگوں کے بارہ میں اطلاعات دی گئی ہیں۔ ۱۹۱۶ء کے ریشمی خطوط کے معاملہ میں (پنجاب سی آئی ڈی نمبر ۲۸۴ بابتہ ۱۹۱۶ء) میں جن کا نام آیا ہے یا اس سلسلہ میں جو لوگ علم میں آئے۔ مختصراً واقعات یہ ہیں

(الف) ۱۶ اگست ۱۹۱۶ء کو ملتان کے خان بہادر (ب) نواز خاں نے عبدالحق نامی ایک شخص سے تین ریشمی دستاویزات حاصل کیں۔ یہ پہلے اُن کا ملازم رہ چکا تھا۔ اور فروری ۱۹۱۵ء میں ان کے دو لڑکوں کے ہمراہ کابل کو فرار ہو گیا تھا۔

(ب) یہ دستاویزات عبدالحق کو کابل میں مولوی عبیداللہ نے اس ہدایت کے ساتھ دی تھیں کہ انہیں حیدرآباد سندھ میں شیخ عبدالرحیم کو دے دیا جائے۔ اور اسے یہ خطوط مدینہ میں حضرت مولانا محمود الحسن کو روانہ کرنے تھے۔

(ج) یہ دستاویزات اُردو زبان میں زرد ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر لکھے ہوئے خطوط ہیں۔ پہلا خط ایک تشریحی مراسلہ ہے جو شیخ عبدالرحیم کے نام ہے۔ ۶۔۱۰ انچ لمبا اور ۵۔ انچ چوڑا ہے۔

دوسرا خط حضرت مولانا صاحب کے نام ہے۔ دس انچ لمبا اور آٹھ انچ چوڑا ہے۔ تیسرا خط ۱۵۔ انچ لمبا اور ۱۰۔ انچ چوڑا ہے۔

پہلے اور تیسرے خط کو مولوی عبیداللہ نے خود لکھا ہے۔ اور ان پر دستخط کئے ہیں۔

دوسرے خط پر کسی کے دستخط نہیں ہیں. لیکن تفتیش سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مولوی محمد میاں عرف مولوی منصور نے لکھا ہے۔

ان خطوط کی تحریر بہت پختہ اور صاف ہے۔ ان میں نہ تو کسی لفظ کو مٹایا گیا ہے اور نہ ہی کسی لفظ کو کاٹ کر اس پر غلطی بنائی گئی ہے. صرف ونحو کی ایک نہایت معمولی سی لغزش کا پتہ چلا ہے۔

زبان اگرچہ بعض مقامات پر مبہم ہے۔ جیسا کہ سازشیوں کے خطوط میں ہونی چاہیئے. لیکن اچھے تعلیم یافتہ بلکہ اہل علم کی زبان ہے۔

۲۔ ریشمی خطوط میں جس سازش اور منصوبہ کا تذکرہ ہے۔ ان کو پوری طرح سمجھنے کے لئے سر چارلس کلیولینڈ کی تحریر کردہ یادداشتوں کو دیکھنا ضروری ہے. جو اس معاملہ سے متعلق فائل میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ ان دستاویزات سے اس انتباہ کا جواز ثابت ہو جاتا ہے جو مسٹر پیٹرک نے فروری و مارچ ۱۹۱۲ء میں مسلمانانِ ہند کی عام حالت کے متعلق اپنی مختصر یادداشت میں دیا ہے۔

۳۔ اس ڈائرکٹری کا مقصد اُن لوگوں کی شناخت اور پہچان میں آسانی پیدا کرنا ہے. جن کا ریشمی خطوط کی سازش سے براہ راست تعلق تھا۔ اور اس سلسلے میں ان کی کارروائیوں کو مختصراً بیان کرنا ہے۔

لاہور
۱۵ رجون ۱۹۱۷ء

اے ڈبلیو میر سیر
سپرنٹنڈنٹ پولیس
سی آئی ڈی پولیٹیکل پنجاب

یہ تمام تحریریں سی. آئی. ڈی کی مرتب کردہ رپورٹ کا ترجمہ ہے اور اسی کی زبان میں ہے. ان میں بہت سے واجب الاحترام بزرگ ہیں. ان کے حالات مسلم محبان وطن کے سلسلہ میں بیان کئے جائیں گے. انشاء اللہ

محمد میاں

ریشمی خطوط کی ڈائرکٹری

۱۔ آزاد سبحانی

عبدالقادر آزاد سبحانی آف مدرسہ البیات کانپور ایک فتنہ پرداز مولوی ہے۔ جس کے پیروؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کانپور مسجد کے فساد کا روح رواں تھا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔

۲۔ ابراہیم شیخ آف سندھ

۱۔ محمد صادق کا بھتیجا جو کھڈ کراچی کا مشہور متعصب مولوی (اب نظر بند ہے) اور عبیداللہ کا دوست ہے۔ شیخ محمد ابراہیم ایم اے نے پونہ میں تعلیم پائی ہے۔

۲۔ فروری ۱۹۱۵ء میں اسے حبیبیہ کالج کابل میں پروفیسر کی جگہ مل گئی جہاں وہ برطانیہ کا کٹر مخالف بن گیا۔

۳۔ وہ کابل کا ایک بڑا انقلابی ہے۔ ایم عبیداللہ، محمد علی بی اے قصوری راجہ مہندر پرتاپ، برکت اللہ وغیرہ کے ساتھ سازشیں کرنے اور منصوبے بنانے میں اُس نے بڑا نمایاں حصہ لیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ ابراہیم اور محمد علی قصوری کو ایم عبیداللہ نے خاص طور سے کابل بلایا تھا۔ کہ وہ وہاں جہاد کے لئے زمین ہموار کرسکیں۔

جون ۱۹۱۶ء میں اُسے محمد علی کے ساتھ حبیبیہ کالج سے برطرف کردیا گیا۔

۱۰ر جولائی ۱۹۱۶ء کو آزاد علاقہ کے لئے روانہ ہوگیا۔ جہاں وہ شاید اس وقت

بھی سرحد پار کے ملاؤں قبائلیوں وغیرہ کو جہاد پر اکسانے میں مصروف ہے۔
کہا جاتا ہے کہ ۱۹۱۶ء میں اس نے براہ عرب جرمنی جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔
جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔

۳۔ ابراہیم صاحب مولوی کاوی

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹنٹ جنرل ہے۔
یہ اور ابراہیم عرف احمد جان آف کاما شاگرد بڑا ملا ایک ہی شخص ہیں۔ ۱۹۰۸ء میں اس نے سب سے پہلے غزوہ کے لئے جوش دلایا تھا۔

۴۔ ابراہیم مولوی آف سیالکوٹ

پسر مستری قادر بخش سکنہ سیالکوٹ۔ مشہور اور نہایت بااثر اور متعصب وہابی مبلغ ہے۔ ہندوستان میں سفر کرتا رہتا ہے۔ اور وہابیوں کے جلسوں میں، دوسرے فرقوں سے مناظروں کے دوران نہایت پرجوش تقریریں کرتا ہے۔ اس لئے اس کی ہر وقت مانگ رہتی ہے۔
ظفر علی کا کٹر حامی ہے۔ اور ثناء اللہ امرتسری کا ساتھی اور مولوی عبدالرحیم عرف بشیر احمد اور عبداللہ پشاوری کتب فروش کا ساتھی ہے۔
جنگ طرابلس، جنگ بلقان اور کان پور کی مسجد کے واقعہ پر اس نے سیالکوٹ میں کافی بے چینی اور شورش پھیلا دی تھی۔
ایم ابراہیم کے بارے میں شبہ ہے کہ برطانیہ کے خلاف مسلم پروپیگنڈہ میں اس کا ہاتھ ہے۔
جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنیل ہے۔

۵۔ ابوالکلام آزاد

محی الدین کنیت۔ ابوالکلام آزاد الہلال کا بدنام ایڈیٹر۔ انجمن حزب اللہ اور کلکتہ

دارالارشاد کالج کا بانی۔

دلی کا باشندہ ہے لیکن تعلیم عرب میں پائی ہے۔ انتہا درجہ میں اتحاد اسلامی کا حامی ہے۔ نہایت کٹر انگریز دشمن اور بے حد متعصب ہے۔ دیوبند کی سازش جہاد کا نہایت سرگرم رکن تھا۔

(۱) یقین کیا جاتا ہے کہ حالیہ شورش میں اس نے ہندوستانی متعصبوں کو روپے کی اور دوسری طرح کی مدد دی ہے۔

(۲) جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے۔

۶۔ ابو محمد احمد مولوی آف لاہور

(۱) کنیت مولوی احمد چکوالی پسر غلام حسن ذات اعوان ساکن چکوال ضلع جہلم۔ گنگوہ اور دیوبند میں تعلیم پائی ہے۔ دیوبند میں مولانا محمود الحسن اس کے استاد تھے۔ اس جگہ اس کی عبیداللہ سے پہلی ملاقات ہوئی۔ وہ بھی اس وقت طالب علم تھا۔ وہ محمود الحسن کا پرخلوص مرید بن گیا۔

سنہ ۱۸۹۳ء میں صوفی مسجد کشمیری بازار لاہور کا امام مقرر کیا گیا۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں اپنی گرفتاری تک مامور رہا۔ کچھ عرصہ تک دیوبند میں جمعیۃ الانصار کا نائب ناظم رہا۔

مولوی احمد ہندوستان میں وہابی تحریک کا نہایت اہم رکن ہے۔ عبیداللہ کا نہایت مخلص اور پرجوش ساتھی ہے۔ ہندوستانی متعصبوں سے اس کا قریبی رابطہ تھا۔ کئی مرتبہ اسماس جا چکا ہے۔

(۱) چندہ جمع کرنے کے لئے پنجاب میں مجاہدین کا خاص ایجنٹ ہے۔ آزاد علاقہ میں ہندوستانی انقلاب پسندوں کو سرمایہ مہیا کرنے کے کام میں مولوی حمداللہ کا خاص معاون ہے۔

اسماس کے ہندوستانی متعصبوں اور ہندوستان میں ان کے ہمدردوں کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔

صوفی مسجد سرحد کو جانے اور واپس آنے والے نمائندوں کے ٹھہرنے کے کام آتی ہے۔ قاضی ضیاء الدین ایم اے کا چچا اور (۱) کے احمد علی کا خسر ہے۔
(۲) جہادی طلباء کے فرار سے اس کا گہرا تعلق ہے۔
(۳) شیخ عبدالرحیم کے نام وضاحتی خط میں جواب کے لئے اُس کو ذریعہ بنانے کا تذکرہ ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔
آج کل روپڑ ضلع انبالہ میں ہے جہاں اُس کی نقل وحرکت پر پابندی ہے۔

۷۔ احمد جان

عبیداللہ نے جدہ کے بعد کے حالات پر حضرت مولانا کو جو خط روانہ کیا تھا اُس میں اُس کا ذکر ہے۔
(۱) شہر قازان روسی ترکستان کا رہنے والا ہے۔ اپنے ہم وطن حرمت اللہ کے ہمراہ اس نے کچھ عرصہ دیوبند کے مدرسہ میں تعلیم پائی ہے۔
تقریباً دو برس ہوئے یہ دونوں دیوبند سے مولانا حسین احمد مدنی کے ہمراہ حجاز چلے گئے اور شاید اب بھی وہیں ہیں۔

۸۔ احمد جان مولوی

دیوبند کے مدرسہ کے معلم مولوی غلام رسول کا بھتیجا ہے۔
بیان کیا جاتا ہے کہ جب مولانا محمود الحسن نے عزیز گل کو جہاد کی تیاری کا پتہ چلانے کے لئے آزاد علاقہ کو بھیجا تو یہ اُن کے ہمراہ گیا تھا۔

۹۔ احمد حسن مولوی آف کیرانہ (یو پی)

جمیعۃ الانصار میں وہ عبیداللہ کا پُر جوش مقلد تھا۔ لیکن ان کے دیوبند سے جانے سے پہلے ہی ان کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔

(۲) تاہم احمد حسن دیوبند میں مولانا محمود الحسن کے مکان پر خفیہ میٹنگوں میں شریک ہوتا رہا۔

۱۰۔ احمد حسین مولوی آف کیرانہ (یو پی)

پیش امام جامع مسجد شملہ، محمود الحسن کا خاص شاگرد۔

اس کے بارہ میں مشہور ہے کہ اس نے مولوی عبداللہ کو ایک مرتبہ سے زیادہ مولانا کو جہاد کی تبلیغ کے لئے روپیہ روانہ کیا۔

۱۱۔ احمد علی مولوی نائب ناظم نظارۃ المعارف

پسر شیخ حبیب اللہ آف بالو چک ضلع گجرانوالہ۔

سندھ میں مولوی عبیداللہ کی نگرانی میں تعلیم پائی۔ تکمیل تعلیم کے بعد مدرسہ گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدرآباد سندھ میں استاد مقرر کیا گیا۔ بعد میں اس کو اسی عہدہ پر نواب شاہ میں عبیداللہ کے قائم کردہ دوسرے اسکول میں منتقل کر دیا گیا۔

جب دلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ قائم ہوا تو کچھ دن احمد علی طالب علم رہا۔ لیکن وہ جلد ہی پروفیسر بن گیا۔ بالآخر اسے نظارۃ المعارف کا ناظم بنا دیا گیا۔

(۱) مولوی عبداللہ سندھی، کابل میں مولوی عبیداللہ سے جو فتاوی اور خطوط لا تھا وہ ایم احمد علی کے لئے تھے جس نے تمام خطوط وغیرہ مکتوب الیہم میں ٹھیک تقسیم کرا دیئے تھے۔ اس کا رابطہ محی الدین عرف برکت علی بی اے آف قصور، خواجہ عبدا[illegible] آف گورداسپور، ڈاکٹر صدرالدین، ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی وغیرہ وغیرہ سے تھا۔ ۱۹۱۶ء میں ضلع گورداسپور سے اسے آنے جانے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ بعد میں ضمانت پر اسے مارچ ۱۹۱۷ء میں رہا کر دیا گیا تھا۔

(۲) جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ کرنل ہے۔

بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ایم احمد علی اتحاد اسلامی کی سازش جہاد

ایک سرگرم ممبر تھا۔ نظارۃ المعارف میں اس کی رہائش گاہ وقتاً فوقتاً سازشیوں کے لئے ملنے اور سازشیں گھڑنے کے لئے مرکز کا کام دیتی تھی اور آزاد علاقہ کو جانے اور وہاں سے آنے والے سازشی اس میں ٹھہرا کرتے تھے۔

۱۲۔ احمد میاں مولوی

دیکھو سید حاجی انبیٹھوی۔

۱۳۔ اسد اللہ شاہ پیر سندھی

(۱) غالباً مقام امروٹ ضلع سکھر (سندھ) کا رہنے والا ہے۔
عبید اللہ کا رفیق ہے۔ مدرسہ گوٹھ پیر جھنڈا میں اُس وقت تعلیم حاصل کی جب عبید اللہ وہاں تھے۔ کچھ عرصہ اس کے نظارۃ المعارف القرآنیہ میں بھی طالب علم رہے خیال کیا جاتا ہے کہ عبید اللہ کا نہایت سرگرم ایجنٹ ہے۔
(۲) جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے۔

۱۴۔ اسمس

مجاہدین کی بستی کا ہیڈ کوارٹر جو مداخیل کے علاقہ میں دربند سے ۳۰ میل شمال مغرب میں ہے۔ پشتو زبان میں سماس یا سماستہ کے معنی ہیں غار۔

۱۵۔ اسماعیل

ابواب ائب کا مفتی۔ اس نے دربند میں لاہور کے جہادی طلباء کے لئے طعام و قیام کا انتظام کیا تھا۔ اور بعد میں ان کا سامان اسماس پہنچایا تھا۔
موجودہ امیر المجاہدین سے بڑے پرخلوص تعلقات ہیں۔

۱۶۔ اسماعیل حافظ

(۱) عربی اسکول رڑکی میں استاد ہے۔ مولانا محمود الحسن کے جہاد کے پروپیگنڈ کے لئے روپیہ جمع کرنے کے کام میں مولوی ظہور محمد کا سرگرم ساتھی اور شریک تھا۔ حافظ اسماعیل رڑکی کے دیہات میں گشت کر کے روپیہ جمع کرتا تھا۔ جو آخر کار ظفر محمد کے ذریعہ حمد اللہ کو پہنچ جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے بھی کرنت پور اور نجیب آباد میں بہت کافی روپیہ جمع کیا تھا۔

۱۷۔ اے مصطفیٰ کریم بی اے آف قیصر باغ لکھنؤ

(۱) وہ کچھ عرصہ تک نظارۃ المعارف القرآنیہ میں طالب علم رہا۔

کہا جاتا ہے کہ نظارہ کے آغاز میں عبید اللہ کا خاص ساتھی تھا۔ عبید اللہ سے ملنے گوٹھ پیر جھنڈے شاہ کا دورہ قاضی ضیاء الدین ایم۔ اے اور مولوی مظہر الدین کے ساتھ اپریل ۱۹۱۵ء میں کیا تھا جبکہ عبید اللہ کابل فرار ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔

اب شاید مراد آباد کے کسی اسکول میں ٹیچر ہے۔

۱۸۔ اللہ نواز خاں

پسر خان بہادر رب نواز خان آنریری مجسٹریٹ ملتان۔

لاہور کے ان جہادی طلباء (گورنمنٹ کالج لاہور) میں سے ایک ہے۔ جو فروری ۱۹۱۵ء میں فرار ہو کر سرحد پار پہنچے۔ طلباء میں ہجرت کے سوال پر انتہائی کٹر تھا۔ کالج کے بورڈنگ ہاؤس میں اس کا کمرہ اس وقت سازشیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ جبکہ فرار کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔

اس نے ریشمی خطوط کے حامل شیخ عبد الحق اور اس کے بھائی شاہ نواز کو ساتھ چلنے پر رضامند کیا۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لفٹننٹ کرنل ہے۔

۱۹۔ امداد حسین حافظ

(۱) پیش امام رڑکی مسجد۔ ابتدا میں وہ مولوی ظہور محمد عربی ٹیچر مدرسہ رڈکی کے ذریعہ مولانا محمود الحسن کے جہادی پروپیگنڈہ کے لئے روپیہ دیا کرتا تھا۔ لیکن بعد میں اس سے جھگڑا ہو گیا۔

۲۰۔ امیر شاہ

کنور لیاقت علی رئیس مینڈھو صوبہ جات متحدہ کا ملازم ہے۔ کسی وقت مولانا محمود الحسن کا بہت قریبی دوست اور پیرو تھا۔ لیکن بعد میں مولانا محمود الحسن اور مدرسہ دیوبند کے وفادار پرنسپل شمس العلماء حافظ احمد کے درمیان اختلاف رائے کے باعث اس کی عقیدت کم ہوگئی۔ اب وہ شمس العلماء کا معتقد ہے۔ جدہ کے بعد کے واقعات بیان کرتے ہوئے عبید اللہ نے جو خط لکھا ہے اس میں اس کا تذکرہ ہے۔

۲۱۔ انصاری ڈاکٹر

(۱) جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لفٹننٹ جنرل ہیں۔ جدہ کے بعد کے واقعات بیان کرتے ہوئے عبید اللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا ہے اس میں ان کا تذکرہ "ڈاکٹر صاحب" کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مختار احمد انصاری آف دہلی ۱۹۱۳ء-۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان کے وقت ٹرکی کو بھیجے جانے والے کل ہند میڈیکل مشن کے لیڈر اور آرگنائزر تھے۔ حکیم عبدالرزاق کے بھائی اور مولانا محمود الحسن کے پکے مرید ہیں۔ اتحاد اسلام کے مشہور حامی اور ہندوستان میں سب سے خطرناک ترک نواز مسلمان ہیں۔ (۲) دلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے مصارف مہیا کرتے ہیں۔ خیال ہے کہ ڈاکٹر انصاری ان لوگوں

میں سے ایک ہیں جنہوں نے (۳) مولانا محمود الحسن کو ہندوستان سے ہجرت کرنے پر اُکسایا۔ (۴) مولوی عبید اللہ سندھی کابل سے ڈاکٹر انصاری کے لئے دو خط لائے تھے ایک برکت اللہ نے دوسرا عبید اللہ نے بھیجا تھا۔

۲۲۔ عزیزالدین

فیض آباد (یو، پی) کا باشندہ بتایا جاتا ہے۔ میسرز ٹرنر مارلیسن اینڈ کو، کا سابق ملازم ہے۔ اور بعد میں مکہ میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ یہ مکہ میں مولانا محمود الحسن صاحب کے خفیہ جلسوں میں جو حرم پور رباط میں ہوا کرتے تھے، شریک ہوا کرتا تھا اور جہاد کے لئے خاص الخاص جلسوں میں بھی شریک کیا جاتا تھا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ عزیزالدین نے مولانا محمود الحسن کو غالب پاشا سے متعارف ہونے میں مدد دی ہے۔

انگریزی (اصل) میں ۲۲ کے بعد چند لینیں خالی چھوڑ دی ہیں پھر عبدالعزیز سے سلسلہ شروع کیا ہے اور اس پر نمبر بھی شروع سے یعنی ۱ سے ڈالا ہے۔ ہم نے اصل کی نقل کرتے ہوئے چند لینیں چھوڑ دی ہیں مگر نمبر نئے نہیں ڈالے۔ عبدالعزیز کا نمبر انگریزی میں ۱ ہے مگر ہم نے سلسلہ کے بموجب نمبر ۲۳ کیا ہے۔

۲۳۔ عبدالعزیز

(۱) حضرت مولانا کے نام خطوط میں اس کا تذکرہ ہے۔ (۲) ضلع پشاور کا باشندہ بیان کیا جاتا ہے۔ دیوبند کے مدرسہ کا اُس وقت طالب علم تھا جب مولوی فضل ربی وہاں تھے (۳) جون ۱۹۱۶ء کے لگ بھگ سردار نصر اللہ خاں سے ملاقات کے خفیہ مشن پر حاجی ترنگ زئی کی طرف سے فضل ربی اور فضل محمود کے ہمراہ کابل گیا تھا۔ ممکن ہے یہ وہی (۴) عبدالعزیز ہو جو اتمان زئی کے حیاگل کا لڑکا ہے۔ جو حاجی ترنگ زئی کے ساتھ ۱۹۱۵ء میں آزاد علاقہ کو فرار ہو گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وہی شخص ہو جسے جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل بتایا گیا ہے۔ جس کا نام اس طرح لکھا ہے۔ مولوی عبدالعزیز وکیل و فد حزب اللہ در یاغستان۔ شاید اس وقت آزاد علاقہ میں ہے۔

۲۴۔ عبدالعزیز مولوی، ساکن رحیم آباد

(۱) پسر حمد اللہ ساکن رحیم آباد نزد دربھنگہ بہار و اڑیسہ۔ مشہور وہابی مولوی ہے جو شمالی ہند میں سفر کرتا رہتا ہے اور وہابیوں کے جلسوں میں شریک ہوتا ہے۔ (۲) جنود ربانیہ کی فہرست میں اس کا نام لفٹننٹ جنرل کی حیثیت سے شامل ہے۔

۲۵۔ عبدالعزیز شاویش، شیخ

اتحاد اسلامی کا بدنام مصری حامی۔ بغاوت کا مجرم قرار پاکر سزایاب ہوا۔ ۱۹۱۱ء میں مصر سے ترکی روانہ ہوا۔ اس کے بعد سے اتحاد و ترقی کمیٹی میں مصر اور ہند کے امن کے خلاف سب سے سرگرم سازشی ہے۔

ڈاکٹر انصاری کا دوست ہے۔ محمد علی آف کامریڈ کی نظربندی سے قبل ان سے ان کا رابطہ تھا۔

(۱) جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لفٹننٹ کرنل ہے۔

۲۶۔ عبدالباری مولوی فرنگی محل لکھنؤ

صدر انجمن خدام کعبہ۔ اتحاد اسلامی کا متعصب حامی۔
(۱) مولانا محمود الحسن سے اس کا تعلق تھا اور اُن کے سے خیالات رکھتا تھا۔
(۲) جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹنٹ کرنل ہے۔

۲۷۔ عبدالباری مولوی مہاجر

پسر مولوی غلام جیلانی ریٹائرڈ منصف لائل پور۔ لاہور کے اُن طلباء میں شامل تھا جو فروری ۱۹۱۵ء میں جہاد کے لئے آزاد علاقہ کو فرار ہو گئے تھے۔ (۱) کابل میں بڑے سازشیوں کو اس پر مکمل اعتماد تھا۔ اور اسے آزادی کے ساتھ خفیہ مٹنگوں میں شامل کر لیا جاتا تھا جو کابل سول لائینز میں جرمن مشن کے ساتھ ہوتی تھیں۔

جون ۱۹۱۶ء میں عبدالباری اور شجاع اللہ کو راجہ مہندر پرتاپ اور مولوی برکت اللہ نے خفیہ مشن پر براہ ایران قسطنطنیہ اور برلن کو روانہ کیا۔ وہ سردار نصر اللہ خاں کے خطوط سلطان نیز قیصر جرمنی کے لئے اپنے ساتھ لے کر گئے تھے۔ راستہ میں ان کو سیستان میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ (۲) عبدالباری جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ حکومت موقتہ کا وہ ہندوستان میں وکیل ہے۔ آج کل وہ لاہور میں گرفتار ہے۔

۲۸۔ عبدالحئی خواجہ

پسر خواجہ عبدالرحیم جو خورشید عالم بیرسٹرایٹ لاء گورداسپور کا منشی ہے۔ اُس نے گورداسپور، لاہور اور دیوبند کے مدرسہ میں تعلیم پائی ہے۔ (۱) آخرالذکر مقام میں وہ عبیداللہ کا بہت مخلص ساتھی تھا۔ وہ اسلامیہ کالج میرٹھ اور صوبہ جات متحدہ کے کئی اسلامی اداروں میں اور گوجرانوالہ کے اسلامیہ ہائی اسکول میں ملازم رہ چکا ہے۔ (۲) اگست ۱۹۱۵ء میں اُس نے گورداسپور میں تقریر کر کے لوگوں کو جہاد پر اُبھارا تھا کچھ عرصہ تک وہ

"اقدام کلکتہ" کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں شامل رہا ہے۔ وہ نجم الدین احمد، ابوالکلام آزاد، اور محی الدین عرف برکت علی قصوری کا ساتھی رہا ہے۔ یہ سب کے سب انتہائی درجہ میں اتحاد اسلامی کے حامی ہیں۔

دیوبند میں مولانا محمود الحسن کے مکان میں خفیہ میٹنگوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔

۲۹۔ عبدالحامد، مہاجر

پسر محمد حسین سکنہ موضع رام گڈھ سرائے بارو ضلع لدھیانہ۔ آن لاہوری طلبا (میڈیکل کالج) میں شامل ہے جو ۱۹۱۵ء میں بھاگ کر سرحد پہنچے تھے۔ اس کا بھائی غلام رسول خاں بی، اے، ایل، ایل، بی لدھیانہ میں پلیڈر ہے جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹنٹ کرنل ہے۔

۳۰۔ عبدالحق مولوی آف لاہور

پسر مولوی محمد غوث کوچہ چابک سواران لاہور۔ مالک رفاہ عام پریس۔ مولوی عبدالرحیم عرف مولوی بشیر اس کا برادر نسبتی ہے۔ عبدالحق کٹر وہابی ہے، انتہائی متعصب ہے۔ اور ہندوستانی جنونیوں سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ ان کے لئے وہ لاہور میں اکثر روپیہ جمع کیا کرتا ہے۔ مولوی احمد چکوالی، عبداللہ پشاوری کتب فروش، ثناءاللہ وغیرہ کا قریبی ساتھی ہے۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں گرفتاری سے قبل اس کے بارہ میں خیال تھا کہ سرحد پار ایم عبدالرحیم سے اس کی خفیہ خط و کتابت ہے۔ اس کا نام ایم محمد مبین کی فہرست میں شامل ہے جس میں اُن لوگوں کے نام ہیں جن کے بارہ میں یقین کیا جاتا ہے کہ انہوں نے دیوبند کے جہاد کے پروپیگنڈہ میں مدد کی ہے۔ اور اس کے حامی ہیں۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ کرنل ہے۔ اس پر پابندی لگادی گئی تھی کہ وہ پھلور میں رہے۔ لیکن مارچ ۱۹۱۷ء میں ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

۳۱۔ عبدالحق شیخ

جو ریشمی خطوط لے کر آیا تھا. وہ ہندو سے مسلمان ہوا تھا. اُس کا پرانا نام جیون داس ہے. وہ لڑکا ہے لورنڈا رام ساکن موضع درچھا تھانہ جنجیال ضلع شاہ پور کا. اس نے انٹرنس تک پڑھا ہے. ۱۹۰۹ء میں اس نے اسکول چھوڑ دیا تھا. اور بوقلموں زندگی گذارنے کے بعد ۱۹۱۲ء میں اسلام قبول کر لیا تھا. کچھ عرصہ تک خان بہادر رب نواز خاں نے اسے اپنے دونوں لڑکوں کا اتالیق مقرر کیا تھا. خاں بہادر رب نواز کے لڑکے اللہ نواز نے اس کو جہاد کرنے والے طالب علموں کی جماعت میں شامل ہونے کے لئے اُبھارا تھا.

فروری ۱۹۱۵ء میں اُس نے ان کے ہمراہ سرحد پار کی تھی. جولائی ۱۹۱۶ء میں ریشمی خطوط دے کر اسے عبیداللہ سندھی نے (حیدرآباد) (سندھ) کے شیخ عبدالرحیم کے پاس بھیجا. جس کو یہ خطوط مولانا محمود الحسن کو عربستان میں بھیجنے کا انتظام کرنا تھا. جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ میجر ہے. کچھ عرصہ تک اس پر منٹگمری پولیس لائن کے اندر رہنے کی پابندی تھی. لیکن مارچ ۱۹۱۶ء میں یہ پابندی ختم کر دی گئی. اب وہ ریلوے پولیس میں کانسٹبل ہے.

۳۲۔ عبدالحسن مولوی آف جون پور صوبہ جات متحدہ

یہ اُن تیرہ منحرف اشخاص میں سے ایک ہے جو مولوی محمود الحسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عربستان گئے تھے. شاید وہ محمد میاں مرتضیٰ حسن مولوی سہول اور دوسرے لوگوں کے ساتھ واپس آگیا تھا.

۳۳۔ عبدالکریم سرونج

ریاست ٹونک میں کھالوں کا ایک خوشحال بیوپاری ہے. یہ بھی اُن تیرہ منحرف

اشخاص میں سے ایک ہے جو مولانا محمود الحسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عربستان گئے تھے۔ عبدالکریم، مولوی محمود الحسن کا پرجوش پیرو ہے۔ شاید وہ بھی محمد میاں، المرتضیٰ الحسن وغیرہ کے ہمراہ واپس آگیا تھا۔

۳۴۔ عبدالکریم نائب رئیس المجاہدین

اسماس میں ہندوستانی متعصبوں کا سابق فوجی کمانڈر ہے۔ اُس نے وہاں ۳۰ برس گذارے ہیں۔ یہ بنگال کا رہنے والا ہے۔ اس کی عمر ۷۰ برس ہے۔ وہ مرحوم رئیس المجاہدین کا داماد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان میں کافی سفر کرتا رہتا ہے۔
اب وہ کابل کی سرحد پر مقام چمرقند میں مجاہدین کی نئی چھوٹی بستی کا گورنر ہے۔ جنود ربانیہ میں وہ لفٹننٹ جنرل ہے۔

۳۵۔ عبدالخالق

پسر سردار بہادر محمد امین خاں ساکن موضع عظیم آباد ضلع شاہ پور لاہور کے جہادی طالب علموں میں سے ایک ہے (گورنمنٹ کالج لاہور) وہ ایک دن بعد ہری پور پہنچا جبکہ اصل جماعت اسماس کو روانہ ہو چکی تھی۔ اس لئے واپس آگیا۔

۳۶۔ عبداللہ انصاری مولوی

ایم عبداللہ انصاری ضلع سہارنپور صوبہ جات متحدہ کا باشندہ ہے۔ ایم اے او کالج میں وہ ناظم دینیات رہا ہے۔ اس کی طرف ۱۹۱۳ء میں توجہ ہوئی جبکہ اس نے یورپین مال کے بائیکاٹ کے فضل الحسن حسرت موہانی کے فتویٰ پر دستخط کئے۔ بعد میں اخبارات کو ایک خط کے ذریعہ اس نے فتویٰ کی حمایت کو واپس لے لیا۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ میجر جنرل ہے۔

۳۷۔ عبداللہ ہارون حاجی

یہی حاجی عبداللہ ہارون ہے۔ کچھی میمن ہے۔ چینی کا خوشحال بیوپاری اور کراچی کا آنریری مجسٹریٹ ہے۔ بڑا کٹر وہابی اور اتحاد اسلامی کا نہایت خطرناک ڈھنڈورچی ہے۔ جنگ طرابلس کے دوران ۱۲-۱۹۱۱ء میں عبداللہ ہارون انجمن ہلال احمر (سندھ برانچ) کا سکریٹری اور خازن تھا اور ترکوں کے لئے روپیہ جمع کرتا تھا۔ اگست ۱۹۱۳ء میں جب ریلوے انجینیر نے ریلوے پولیس لائینز میں غصب شدہ زمین پر تعمیر شدہ نماز پڑھنے کے چبوترہ کو ہٹانا چاہا تو صدر انجمن ضیاء الاسلام کی حیثیت سے اس نے بھی ویسا ہی ہنگامہ کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ کانپور میں مسجد کے سلسلہ میں ہو چکا ہے اس نے جنگ بلقان کے موقعہ پر ترکوں کی مدد کے لئے چندہ بھی جمع کیا۔ کراچی میں جو سینا ایجی ٹیشن ہوا خیال ہے اس کی تہ میں بھی یہی شخص تھا جس کی وجہ سے شمالی ہند میں ۱۹۱۴ء میں ذرا بے چینی پھیل گئی تھی۔ وہ مولوی محمد صادق آف کھڈہ کراچی، ابوالکلام آزاد اور اتحاد اسلامی کے دوسرے انتہا پسند کٹر حامیوں کا ساتھی ہے۔

مولوی احمد علی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ ہارون ابوالکلام آزاد کی برطانیہ دشمن اسکیموں میں مالی امداد کر رہا ہے۔ اور جہاد کے سرحد پار پروپیگنڈہ میں اس کا قریبی شریک ہے۔

۳۸۔ عبداللہ عمادی

عمادی کے تحت دیکھئے۔

۳۹۔ عبداللہ مولوی آف غازی پور

مولوی حافظ عبداللہ (ساکن غازی پور) مشہور وہابی مولوی ہے۔ جو زیادہ تر بہار اور اڑیسہ میں مصروف رہتا ہے۔ مولوی عبداللہ ۱۹۰۶ء میں احمدیہ مدرسہ شاہ آباد میں معلم

تھا۔ اور ۱۹۱۰ء میں آرہ مدرسہ کا ہیڈ مولوی اور سکریٹری بن گیا تھا۔
آرہ کا مدرسہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے تمام وہابی مدارس کی اصل اور ام المدارس ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لفٹننٹ جنرل ہے۔

۴۰۔ عبداللہ مولوی آف سندھ

پسر نہال خاں ساکن موضع گوٹھ ملاں بخش نواری تھانہ مٹھیلو ضلع سکھر۔
پیر غلام محمد آف دین پور ریاست بھاولپور کا مرید ہے۔ کچھ عرصہ تک گوٹھ پیر جھنڈا اسکول تحصیل ہالا ضلع حیدر آباد سندھ میں فارسی کا استاد رہا ہے۔
جولائی ۱۹۱۵ء میں مولوی عبیداللہ کے ہمراہ کابل گیا تھا۔ فروری ۱۹۱۶ء میں کچھ خاص سازشیوں کے لئے خطوط لے کر ہندوستان آیا تھا۔
خطوط پہنچانے کے بعد وہ کابل واپس نہیں گیا۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں اس کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اس نے بڑا اہم بیان دیا ہے۔ اس کو اپنے گاؤں سے باہر جانے کی ممانعت ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔

۴۱۔ عبداللہ شیخ مہاجر

پسر شیخ عبدالقادر سکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ میانوالی۔ سکنہ سیالکوٹ۔ لاہور کے جہادی طلباء میں سے ایک ہے۔ (گورنمنٹ کالج لاہور) جو فروری ۱۹۱۵ء میں سرحد کو بھاگ گئے تھے۔ مولوی عبدالرحیم عرف مولوی بشیر اور وزیر آباد کے ایم فضل الٰہی کے بہت قریب تھا جس نے اسے دلی بھیجا تھا۔ تاکہ مولانا ابوالکلام آزاد سے مشورہ کرے کہ ہندوستان کے باہر جہاد کی غرض سے ہجرت کرنے کے لئے کون سی جگہ سب سے اچھی ہے شاید اس وقت کابل میں ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ کرنل ہے۔

۴۲۔ عبداللطیف

پسر شرف دین خیل سکنہ کوہاٹ۔

کوہاٹ کی جہادی جماعت کا فرد۔ اسلامیہ کالج پشاور کا فرسٹ ایر کا طالب علم
لاہوری جہادی طلباء کے مفقود الخبر ہونے کے کچھ عرصہ بعد وہ بھی آزاد علاقہ کو
فرار ہو گیا تھا۔ کوہاٹ کے تین اور ساتھیوں کے ہمراہ۔ شاید اس وقت کابل میں ہے۔

۴۳۔ عبداللطیف حاجی پانی پتی

پسر حاجی عبدالرحمٰن ذات راجپوت سکنہ پانی پت ضلع کرنال۔ ۱۸۸۵ء
میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۸۷ء میں ٹریننگ کالج کا امتحان پاس کیا۔ تقریباً
چار برس تک ٹیچر رہا۔ ۱۸۹۳ء میں حاجی عبداللطیف نے پانی پت میں بساطی کی دوکان
کھولی۔ اب بھی وہاں یہی کام کر رہا ہے۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں وہ ایس ایس حجاز کے ذریعہ
حج کے لئے عرب گیا تھا۔ جبکہ وہ پانی پت کے مولوی حمداللہ کا ایک خط مکہ میں مولانا
محمود الحسن کے لئے لے گیا تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ جہاد کے سلسلہ میں سارا کام ٹھیک
ٹھاک ہو رہا ہے۔ واپسی میں اُس نے عدن میں خط کو ضائع کر دیا۔ کیونکہ اُس نے دیکھا
کہ پولیس مولوی محمد مسعود کی تلاشی لے رہی ہے۔ جو اسی جہاز میں ہم سفر تھے۔
عبداللطیف نے مولانا محمود الحسن سے مکہ میں ملاقات کی۔ اور ان کو ساری کیفیت
بتائی۔ نومبر ۱۹۱۶ء میں جب وہ واپس ہوا تو اس کو ڈیفنس ایکٹ کے تحت گرفتار
کر لیا گیا۔ لیکن چونکہ وہ صرف مولوی محمود الحسن کے نام خط کا حامل تھا اور کوئی ایسی قطعی
شہادت نہ تھی جس سے سازشِ جہاد سے اس کی وابستگی ثابت ہو سکے۔ لہذا اس کو
بعد میں جلد ہی رہا کر دیا گیا۔

۴۴۔ عبداللہ ٹنڈا مولوی

محمد مسعود کے بیان میں اس کا تذکرہ ہے۔ کہ حاجی ترنگ زئی، مولوی سیف الرحمٰن
فضل ربی اور دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ سرحد پار موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پنجابی
مولوی ہے۔ جس نے دیوبند میں تعلیم پائی ہے۔ وہاں وہ مولانا محمود الحسن کی قیام گاہ پر

خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد بھی وہ دیوبند جاتا رہتا تھا۔ مولوی محمود الحسن کے عرب روانہ ہونے سے چھ ماہ پہلے بھی اس کو وہاں دیکھا گیا تھا۔ محمد جلیل کا بیان ہے کہ وہ شاید ضلع لدھیانہ بلکہ شہر لدھیانہ کا رہنے والا ہے۔
شاید یہ وہی مولوی عبداللہ ہو جو پسر ہے مولوی محمد ذات شیخ ساکن موضع کوٹ بادل خاں ضلع جالندھر۔ آخرالذکر ٹنڈا ہے اور دیوبند کا تعلیم یافتہ ہے۔ جو شروع میں موضع ہردو شیخ ضلع جالندھر میں رہتا تھا۔ اور موجودہ مقام پر آنے سے پہلے دس برس تک یوڈل والی ضلع لدھیانہ میں رہا۔ اپنی تعلیم ختم کرنے کے بعد مولوی عبداللہ نے کوٹ بادل خاں میں مدرسہ قائم کیا۔ جہاں عربی و فارسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بعد میں وہ موضع روبیہ ضلع لائل پور میں سکونت پذیر ہوا اور کپڑے کی دوکان کھولی لیکن جلد ہی کوٹ بادل خاں کو واپس آگیا۔ اس کے بعد وہ مکہ چلا گیا۔ اور واپسی پر پھر مدرسہ کھول دیا۔ جہاں صوبہ جات متحدہ کے کچھ لڑکے بھی تعلیم پاتے تھے۔ مولوی عبداللہ کا موجودہ اتہ پتہ معلوم نہیں۔

۴۵۔ عبدالمجید

سابق کانسٹبل (ٹائپسٹ) کوہاٹ پولیس ساکن قلعہ سوبھا سنگھ ضلع سیالکوٹ کوہاٹ کی جہادی پارٹی میں شامل تھا جو لاہوری طلبا کے مفقود الخبر ہونے کے بعد آزاد علاقہ کو فرار ہو گئی تھی۔ شاید اس وقت کابل میں ہے۔

۴۶۔ عبدالمجید خاں مہاجر

پسر محمد امین خاں رسالدار میجر پندرھویں لانسرز ساکن ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں جہادی پارٹی میں سے ایک (گورنمنٹ کالج لاہور) جو فروری ۱۹۱۵ء میں آزاد علاقہ کو فرار ہو گئے تھے۔
وہ کابل میں جا کر وفات پا گیا

۴۷۔ عبدالقادر آزاد سبحانی

دیکھئے آزاد سبحانی

۴۸۔ عبدالقادر مولوی ساکن دین پور

مولوی غلام محمد ساکن دین پور (ریاست بہاولپور) کا داماد۔ عبیداللہ کا پہلا معلم۔ یقین ہے کہ اس نے اور اس کے خسر نے مولوی عبیداللہ سے اور حیدرآباد سندھ کے شیخ عبدالرحیم سے جس کو تشریحی ریشمی خط بھیجا گیا تھا۔ اپنا تعلق قائم رکھا ہے۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں گرفتار کیا گیا کچھ عرصہ تک اس پر پابندی تھی کہ سر ساس رہے۔ اب دین پور میں ہے۔ جہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ کرنل ہے۔

۴۹۔ عبدالقادر مولوی ساکن قصور

قصور کا مشہور پلیڈر۔ محی الدین عرف برکت علی بی۔ اے جسے داسویا ضلع ہوشیارپور سے باہر جانے کی اجازت نہیں۔ اور محمد علی بی اے سابق پرنسپل حبیبیہ کالج کابل کا باپ اتحاد اسلامی کا حامی جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے

۵۰۔ عبدالقادر شیخ مہاجر

پسر مولوی شیخ احمد دین بی اے اسسٹنٹ انسپکٹر آف اسکولس ساکن قلعہ خزانہ پولیس اسٹیشن صدر گوجرانوالہ ضلع گوجرانوالہ۔ لاہوری جہادی طلباء میں سے ایک ہے (گورنمنٹ کالج لاہور) فروری ۱۹۱۵ء میں بھاگ کر مجاہدین کے پاس چلا گیا تھا۔ کابل میں خاص بڑے سازشیوں سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ عبدالقادر

کو ڈاکٹر متھرا سنگھ کے ساتھ سیستان میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ جبکہ وہ کابل کی انقلابی پارٹی کی طرف سے کسی خفیہ مشن پر چین اور جاپان جا رہے تھے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ اب لاہور میں گرفتار ہے۔

۵۱ - عبدالرحمٰن مولانا

مولانا کے نام عبیداللہ کے خط میں صفحہ اول پر اس کا تذکرہ ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے۔ اسے شناخت نہیں کیا جا سکا۔ یہ عین ممکن ہے کہ یہ شخص دلی کا حافظ عبدالرحیم ہو۔ جس نے ۱۹۱۶ء کے شروع میں انجمن خدام کعبہ پر اعتراض کیا تھا۔ بعد میں اس جھگڑے سے علیحدہ ہو گیا تھا۔

۵۲۔ عبدالرزاق صاحب حاجی

ملائے حضور۔ امیر کے دربار کا بڑا ملا۔ مدرسہ سلطانی یعنی کابل یونیورسٹی کا سربراہ جس میں وہ فلکیات پر لیکچر دیتا ہے۔

دیوبند میں تعلیم پائی۔ مولوی احمد چکوالی کا ہم درس تھا۔

دلی کے مولوی سیف الرحمٰن کا مرید تھا۔ برطانیہ کے سخت خلاف ہے۔

کچھ عرصہ تک سردار عنایت اللہ کا اتالیق رہا۔ دورۂ ہند میں ان کے ساتھ تھا۔

سردار نصر اللہ خان کا ناظر اور معتمد خاص ہے۔ سردار اسی کے ذریعہ سرحد کے دوسرے ممتاز ملاؤں سے خط و کتابت کرتا ہے۔ تمام بڑے ملاؤں کا خاص دوست ہے۔ خصوصاً ملا قمر الدین کا ملا پاوندہ کا اور لالہ پیر کا۔ اطلاع ملی تھی کہ ۱۹۰۸ء میں ۱۵۰ پیروؤں کے ہمراہ برطانیہ کے خلاف غزہ میں شامل ہونے کو روانہ ہوا تھا۔ لیکن امیر نے روک لیا۔

کابل میں ہندوستانی انقلابی پارٹی کا پشت پناہ ہے۔ سرحد پار جتنی بھی متعصبانہ کارروائیاں ہوتی ہیں۔ ان سب کی ڈور یہی شخص ہلاتا ہے۔ حالیہ قبائلی شورشوں

سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ جب روسیوں نے عبدالباری اور ڈاکٹر متھرا سنگھ کو گرفتار کیا تھا تو اُن کے پاس عبدالرزاق کے دستخطی پاسپورٹ تھے۔

۵۳۔ عبدالسلام فاروقی سید، مولوی

سید عبدالسلام مالک فاروقی پریس دلی۔ یہی شخص ہے جو ندوۃ العلماء اور انجمن خدام کعبہ کا رکن ہے۔ جب شبلی نعمانی کو ندوہ سے علیحدہ کردیا گیا تھا اور وہ سیاسی پروپیگنڈہ کے لئے اس میں واپس آنے کی انتہائی کوشش کر رہے تھے تو اس نے بڑی سختی کے ساتھ ان کی حمایت کی تھی۔ ترکی سے جنگ چھڑنے پر ڈاکٹر انصاری نے اپنے گھر میں جو میٹنگ معاملہ پر غور کرنے کے لئے طلب کی تھی۔ یہ بھی اس میں مدعو تھا۔ انجمن خدام کعبہ کے حساب کتاب کے سوال پر حال ہی میں جو بحث چلی اس میں مولانا عبدالباری اور انجمن کی اس نے پرزور وکالت کی۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں یہ کرنل ہے۔

۵۴۔ عبدالوحید

وحید میں دیکھئے۔ ص ۹۱

۵۵۔ عبدالرحیم مولوی عرف محمد بشیر عرف محمد نذیر

پسر مولوی رحیم بخش سابق امام چینیاں والی مسجد، لاہور۔
وہابیوں کی کتابوں کا بیوپاری۔ انتہائی متعصب اور پرجوش۔ جہاد تحریک کا بڑا سرگرم ممبر ہے۔ لاہور کے جہادی طلباء کے سرحد کو فرار کے لئے خاص ذمہ داری اسی کی ہے۔ ان طلباء کے مفقودالخبر ہونے کے بعد خود بھی اچانک بڑی تیزی کے ساتھ آزاد علاقہ کو غائب ہوگیا۔ ہندوستانی متعصبوں میں اس کا بہت کافی اثر ہے۔
مجاہدین کی حال ہی میں چمرقند میں جو آبادی قائم ہوئی ہے۔ عبدالکریم کی غیر حاضری میں اس کے گورنر کے فرائض انجام دیتا ہے۔ کابل میں خاص سازشیوں سے اس کا رابطہ ہے۔

رئیس المجاہدین اور سردار نصراللہ خاں کے ایلچی کا کام کرتا ہے. کئی مرتبہ کابل جا چکا ہے
۱۹۱۵ء کی سرحدی جنگ میں حصہ لے چکا ہے. درحقیقت اسی شخص نے بنیر، صوات
کے قبائل کو اور مہمندوں کو برطانوی سرحد پر حملہ کے لئے اکسایا تھا. اس مقصد کے
لئے وہ سردار نصراللہ خاں سے روپیہ اور گولی بارود لایا تھا. اب سرحد پار کے علاقہ
میں قبائلیوں کو جہاد پر اکسانے میں سرگرمی سے مصروف ہے. جنود ربانیہ کی
فہرست میں میجر جنرل ہے.

۵۶۔ عبدالرحیم مولوی ساکن عظیم آباد

بہار و اڑیسہ کا ایک ممتاز وہابی اسی کنبہ کا ایک فرد معلوم ہوتا ہے. جس سے
اس کے پیشوا احمداللہ کا تعلق ہے. جس کو ۱۸۶۵ء میں وہابیوں کے مقدمات
میں عمر قید کی سزا ہوئی تھی. کہا جاتا ہے کہ اس کا باپ غدر میں پکڑا گیا تھا. بظاہر
بہت بوڑھا آدمی معلوم ہوتا ہے. عبدالرحیم اُن لوگوں میں سے ایک ہے جن سے ستمبر
میں ہندوستان سے سعودی عرب روانہ ہونے سے قبل محمود الحسن نے مشورہ طلب
کیا تھا. عبدالرحیم نے محمود الحسن کے اس ارادہ کی تائید کی تھی کہ وہ عربستان چلے جائیں
جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ کرنل ہے.

۵۷۔ عبدالرحیم مولوی ساکن رائے پور

دیکھئے رائے والا مولوی.

۵۸۔ عبدالرحیم شیخ صاحب ساکن حیدر آباد سندھ

جس کو ریشمی خطوط میں سے تشریحی خط بھیجا گیا تھا. بھگوان داس زمیندار کا لڑکا
ہے. ہندو سے مسلمان ہوا تھا. دوسرے باحیثیت ہندوؤں کو مسلمان کرنے کی
کوششوں کے باعث کافی بدنام ہے. پیشہ کے اعتبار سے درزی ہے.

حیدرآباد میں حکیم عبدالحکیم کے مکان کے قریب گاڑی احاطہ میں رہا کرتا تھا۔ شیخ ابراہیم سندھی ایم اے سابق پروفیسر حبیبیہ کالج اور عبدالمجید مدیر "الحق" حیدرآباد اور ایم عبیداللہ کا شریک کار ہے۔ عبیداللہ کے سفر کابل کا اہتمام کرنے میں ان کی مدد کی تھی۔ سازش کا ایک اہم رکن تھا۔ اور ایک مشہور متعصب ہے جو ہندوستان، حجاز اور کابل میں موجود سازشیوں کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ اس کا موجودہ پتہ معلوم نہیں۔ ممکن ہے عبیداللہ کے ساتھ کابل میں ہو۔

۵۹۔ عبدالرحمٰن

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ وہ عبدالرحمٰن ہے جو شیخ عبداللہ مہاجر کا بھائی۔ شیخ عبدالقادر سکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ میانوالی کا لڑکا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں گورنمنٹ کالج میں ایف اے کا طالب علم تھا جہادی طلبہ کے اسمس پہنچنے کے دس دن بعد ان سے جا ملا تھا اس وقت کابل میں ہے

۶۰۔ عبدالرحمٰن

محمد مسعود کے بیان میں اس کا تذکرہ ہے۔ کہ یہ مولانا محمود الحسن کے ان آدمیوں میں ہے۔ جن کو ۱۹۱۵ء میں سرحد پار بھیجا گیا تھا تاکہ آزاد قبائل کو جہاد کے لئے تیار کریں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پنجابی ہے۔ لیکن اس کا پتہ معلوم نہیں ہو سکا ممکن ہے یہ وہی عبدالرحمٰن ہو جس نے فضل ربی، فضل محمود وغیرہ کے ساتھ جون ۱۹۱۶ء میں کابل کا سفر کیا تھا۔ شاید اس وقت حاجی ترنگ زئی کے ہمراہ آزاد علاقہ میں ہے۔

۶۱۔ عبدالرحمٰن ساکن جالندھر

پہلا شخص ہے جو مولانا محمود الحسن اور ان کے رفقاء کے مکہ پہنچنے پر ان سے

ملا عبدالرحمٰن کا پتہ نشان اب تک یقینی طور پر معلوم نہیں ہوسکا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ دیوبند کے مدرسہ کا سابق طالب علم ہے۔ اور اس وقت مکہ کے مدرسہ صولتیہ میں پڑھ رہا تھا۔ بعد میں اس نے اس جماعت کے کھانے کے انتظامات میں خان محمد کی مدد کرنی شروع کر دی۔ ۳۵ برس عمر بتائی جاتی ہے ممکن ہے یہ کوٹ بادل خان ضلع جالندھر کا عبدالرحمٰن ہو جو ایک وقت میں دیوبند کا طالب علم تھا۔ اور اب اپنے گھر سے غائب ہے۔ یہ عبدالرحمٰن مولوی عبداللہ کا بھائی ہے جسے شاید عبداللہ ٹنڈا کہتے ہیں۔ محمد مسعود کے بیان میں اس کا ذکر ہے۔

٦٣۔ عبدالرحمٰن شیخ

گوجرانوالہ ضلع کا رہنے والا ایک سابق سکھ۔ کچھ عرصہ تک انارکلی بازار لاہور میں درزی کا کام کرتا رہا۔ تقریباً ٦ برس قبل ہندوستانی متعصبوں میں شامل ہو گیا۔ ہندوستان سے مجاہدین کے لئے چندہ لانے والا خاص ایجنٹ ہے۔ خیال ہے کہ مولوی احمد چکوالی اور رفاہِ عام پریس لاہور کے مولوی عبدالحق سے اکثر ملاقاتیں کر کے روپیہ لیا ہے۔

٦٤۔ عبدالرشید مہاجر

پسر حافظ عبداللطیف پلیڈر باشندہ لاہور جو مردان میں پریکٹس کرتا ہے۔ جہادی طلبا میں سے ایک ہے (گورنمنٹ کالج لاہور) جو فروری ۱۹۱۵ء میں فرار ہو کر مجاہدین میں پہنچ گئے تھے۔ شاید اب آزاد علاقہ میں اُس انقلابی پارٹی کے ہمراہ ہے جو ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء کو کابل سے سرحدی ملاؤں وغیرہ کے لئے سردار نصراللہ خاں کے خفیہ خطوط لے کر روانہ ہوئی تھی۔ جس میں اُن کے متحد ہونے اور برطانیہ کے خلاف جنگ کرنے کے واسطے کہا گیا تھا جنود ربانیہ میں کرنل ہے۔

٦٥۔ عبدالرزاق صاحب حکیم

پسر جان محمد عرف عبدالرحمٰن صاحب انصاری باشندہ غازی پور۔

صوبہ جات متحدہ۔ دلی کے ڈاکٹر انصاری کا بھائی مشہور حکیم ہے اور حیدر آباد دکن میں برسوں طبابت کی ہے۔ مولانا محمود الحسن کا پکا مرید ہے۔ اُن کو ہجرت کے لئے اُکسانے والے خاص لوگوں میں ہے۔ محمود الحسن کے سفر عرب کے تمام انتظامات کئے اور اُن کو رخصت کرنے بمبئی تک گیا۔ محمود الحسن کے کنبہ کے مصارف کے لئے پچاس روپیہ ماہانہ دے رہا ہے۔ بلاشبہ سازش کا ایک رکن تھا۔ ۱۰ ر نومبر ۱۹۱۶ء کو اس نے مولوی محمد مسعود کو حجاز روانہ کیا تاکہ مولانا محمود الحسن کو متنبہ کر دے کہ وہ ہندوستان نہ آئیں۔ اور انہیں اس ملک میں سازش کی پیش رفت سے آگاہ کرے۔ عبید اللہ نے حضرت مولانا کو جس خط میں مدہ کے بعد کے واقعات بیان کئے اُس میں حکیم صاحب کے الفاظ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے۔

۶۵۔ عبد السلام

پسر حاجی محمد اکبر صدر مدرسہ امدادیہ مراد آباد۔ یہ عربستان ہے۔ مکہ میں باغیان دیوبند کے مذاکرات جہاد میں حصہ لیا تھا۔ اس کے باپ کے ذریعہ مولانا محمود الحسن کو یہ اطلاع دی جاتی تھی کہ وہ ہندوستان آئیں یا نہیں۔ باپ بیٹا دونوں مدینہ میں محمود الحسن اور ہندوستان میں اس کے دوستوں اور رشتہ داروں کے درمیان خط و کتابت کے لئے واسطہ کا کام دیتے تھے۔

۶۶۔ علی محمد

پسر سید شرف الدین کا غذی ساکن موضع کینتھان تھانہ داسویا ضلع ہوشیارپور ٹیالہ کے ڈاکٹر غلام نبی کے ہمراہ بطور کمپونڈر کابل گیا تھا۔ اب تک حکومت افغانستان کا ملازم ہے۔ ریشمی خطوط لانے والے شیخ عبد الحق کا بیان ہے کہ کابل میں ہندوستان کے مہاجر طلباء اس کے ذریعہ اپنے رشتہ داروں سے خط و کتابت کرتے تھے۔ اور یہ خط و کتابت اب تک اس کے ذریعہ جاری ہے۔ مارچ ۱۹۱۶ء میں وہ رخصت پر

پنجاب آیا تھا۔ جاتے وقت عبداللہ، ظفر حسن، خوشی محمد اور عبدالحمید مہاجرین کے گھر سے کپڑے لے گیا تھا۔

٦٧۔ انیس احمد مولوی بی اے

پسر مولوی ادریس احمد آف علی گڈھ کالج جمعیۃ الانصار دیوبند کا اور بعد میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کا طالب علم رہا۔ ۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان میں ترکی کی مدد کے لئے اس نے بڑے جوش وخروش سے چندہ جمع کیا اور بڑے جوش وجذبہ کے ساتھ یورپی مال کے بائیکاٹ کی تحریک چلائی۔ اس نے خود بھی یورپی کپڑا پہننا چھوڑ دیا۔ اور گاؤں کا بنا ہوا موٹا کھدر پہننے لگا دیوبند میں خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ اور مولوی عبیداللہ کا نہایت مخلص ساتھی تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جہاد کے لئے روپیہ جمع کرنے میں اس نے محمد میاں کی بھی مدد کی ہے اس کا باپ ادریس احمد نظارۃ المعارف کمیٹی کا ممبر تھا۔ اور دلی کی مشہور وہابی فرم حاجی علی جان اینڈ کمپنی کے حاجی عبدالغفار کا دوست تھا مولانا محمود الحسن میں جہاد کا خیال پیدا کرنے اور اس کو تقویت دینے کی ذمہ داری میں اس کا بھی حصہ ہے شاید وہ سازش جہاد کا رکن تھا۔ آج کل وہ علی گڈھ میں دینیات کا پروفیسر ہے۔

٦٨۔ انور شاہ مولوی

مدرسہ دیوبند کا ایک استاد: کشمیری اور نامور عالم ہیں۔ دیوبند میں ان کا بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ جنگ بلقان کے زمانہ میں انہوں نے ہلال احمر کے لئے روپیہ جمع کرنے میں جمعیۃ الانصار کی بڑی سرگرمی سے مدد کی وہ غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کے بھی حامی تھے خیال ہے کہ ایم انور شاہ بھی سازش میں شریک تھے۔ وہ مولانا محمود الحسن کے ہمراہ جانے والے تھے لیکن آخر الذکر نے اپنے بعد ہندوستان میں قیام کرنے پر اصرار کر کے روک دیا۔

۶۹۔ عزیز گل

پسر شہید گل کا کاخیل پٹھان درگاتی شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں رہتا ہے۔ بڑا آتشیں مزاج ہے جب وہ دیوبند میں طالب علم تھا۔ اسی وقت سے مولانا محمود الحسن کا پکا مرید ہو گیا تھا۔ بڑا اہم سازشی ہے۔ ہجرت کا بڑا خواہش مند ہے۔ ان لوگوں میں سے ایک ہے جنہوں نے ہمیشہ مولانا کو اُکسایا ہے کہ وہ جہاد کے لئے ہجرت کر جائیں۔

وہ دیوبند میں خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا اور ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن کے ہمراہ عرب گیا تھا اس کے سفرِ حجاز سے قبل مولانا محمود الحسن نے اس کو آزاد علاقہ میں بھیجا تھا تاکہ حاجی صاحب، سیف الرحمن اور دوسرے منحرف لوگوں کو مطلع کر سکے کہ حضرت مولانا کا ارادہ ہندوستان سے ہجرت کرنے کا ہے۔ نیز لڑائی کا اور جہاد کی تیاریوں کا مشاہدہ کر سکے۔ وہ حضرت مولانا کے ہمراہ اس وقت بھی ٹھہرا رہا جبکہ ان کے اکثر پیرو اور مریدین ہندوستان کو واپس کروائے گئے۔ یہ کہا جاتا تھا کہ عزیز گل انور پاشا اور جمال پاشا کے فرمان لے کر عنقریب ہندوستان آئے گا۔ اور اس فرمان کو افغانستان لے جانا ہوگا۔ لیکن بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مکہ میں شریف مکہ کے حکم سے ۲ر دسمبر کو یا اس کے لگ بھگ گرفتار کر لیا گیا۔ اور جدہ بھیج دیا گیا۔ جہاں سے ۱۲ر جنوری ۱۹۱۷ء کو اسے مصر روانہ کر دیا گیا جنود ربانیہ کی فہرست میں موسوی عزیز گل کا نام لے کر اسے کرنل دکھایا گیا ہے۔

۷۰۔ عزیز الرحمن

مطلوب الرحمن کا سب سے بڑا بھائی۔ مدرسہ دیوبند میں مفتی کی حیثیت سے ملازم تھا۔ وہ مولانا محمود الحسن کا پکا معتقد تھا لیکن شاید اس سازش میں شامل نہ تھا۔

۷۱۔ بابرہ ملّا صاحب

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے۔ عبدالرحمن سالارزئی باجوڑہ

باجوڑ کا لڑکا ہے۔ سالارزئی اور مہمند قبائلیوں میں با اثر ہے۔ عمر ۶۶ سال ہے۔ بڑا فسادی سرکش مولوی ہے۔ ۱۹۱۵ء میں ابتداء میں جہاد سے انکار کیا۔ لیکن جب حاجی صاحب ترنگ زئی نے طعنہ دیا۔ تو دس ہزار مہمندوں کے ساتھ شب قدر پر ستمبر ۱۹۱۵ء میں حملہ آور ہوا۔ اس کو جان صاحب بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن اس پر جان صاحب باجوڑ کا شبہ نہ ہونا چاہیئے۔

۷۲۔ برکت اللہ مولوی بھوپالی

وہی بدنام مولوی برکت اللہ ہے جو ٹوکیو میں اُردو کا سابق پروفیسر تھا۔ مخالف برطانیہ پروپیگنڈہ کی وجہ سے جاپان میں مشہور ہو گیا۔ بھوپال کے منشی قدرت اللہ کا لڑکا ہے۔ ۱۹۱۴ء میں حکومت جاپان کی طرف سے برطرف کئے جانے کے بعد سان فرانسسکو چلا گیا اور وہاں غدر پارٹی کا سرگرم ممبر بن گیا۔ وہاں سے برلن پہنچا جہاں وہ انڈین نیشنل پارٹی کا ممبر بن گیا۔ بعد میں جرمن ترک مشن کے ہمراہ کابل کو روانہ کیا گیا۔

راجہ مہندر پرتاپ اور عبیداللہ کے ساتھ افغانستان میں ہے۔ اور بڑی سرگرمی کے ساتھ افغانستان کو برطانیہ کے خلاف جنگ پر اُکسانے میں مصروف ہے حضرت مولانا کے نام اپنے خط میں عبیداللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لفٹننٹ جنرل ہے۔ جس خط میں حکومت موقتہ ہندیہ کی تفصیل دی گئی ہے۔ اس میں بھی اس کا ذکر ہے۔

۷۳۔ دارالارشاد (الٰہیات کا مدرسہ)

مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۵ء میں کلکتہ میں قائم کیا۔ دیکھنے میں ایک تعلیمی ادارہ ہے۔ جو قرآن وحدیث کی ہدایات کے عین مطابق چلایا جاتا ہے۔ لیکن شرائط داخلہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقوف علم کے علاوہ اتحاد اسلامی کا فروغ اس کالج کا مقصد ہے۔ اس میں داخلہ کی بعض شرائط شری آرابند اگھوش کے مانک ٹولہ گارڈن

گیتا اسکول کی شرائط سے ملتی جلتی ہیں۔ کالج میں داخلہ تمام میٹرک پاس انڈر گریجویٹ اور گریجویٹ مسلمانوں کے لئے کھلا ہے۔ تمام طلباء پر چھ ماہ کی ٹریننگ کا کورس پورا کرنے کی پابندی ہے۔ اس کے بعد وہ آزاد ہیں چاہے دارالارشاد کے مقاصد کے لئے کام کریں یا کوئی پیشہ خود اختیار کرلیں۔ مولوی محی الدین عرف برکت علی ولد مولوی عبدالقادر پلیڈر قصور۔ محمد حسین زماں آف گوجرانوالہ جواب ٹریفک منیجر نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور کے دفتر میں کلرک ہے۔ ضلع سیالکوٹ کا محمد اکبر اور محمد یونس پسر شیخ محمد یوسف آف گجرات دارالارشاد کلکتہ کے طالب علم رہے ہیں۔ ڈیفنس ایکٹ کے تحت کلکتہ سے مولانا ابوالکلام آزاد کے اخراج کے بعد سے غالباً یہ ادارہ بند ہے۔

۷۴۔ فقیر شاہ

پسر غلام نبی آف کوہاٹ سٹی۔ کوہاٹ اسکول کا سابق طالب علم کوہاٹ کی جہادی پارٹی میں سے ایک ہے۔ لاہوری طلباء کے مفقود الخبر ہونے کے بعد آزاد علاقہ کو فرار ہو گیا تھا۔ غالباً اب کابل میں ہے۔

۷۵۔ فتح محمد سندھی

سابق ہندو جسے دین پور ریاست بہاولپور کے مولوی غلام محمد نے اس وقت مسلمان کیا جب وہ لڑکا تھا۔ تبدیل مذہب کے بعد رہنے کے لئے وہ امروٹ ضلع سکھر کو چلا گیا۔ جہاں چھ برس گذارے۔ شکارپور اور سکھر میں بیکری کی دوکانیں ہیں۔ گائے کی کھالوں کی بھی تجارت کرتا ہے۔ جولائی ۱۹۱۵ء میں مولوی عبیداللہ کے ہمراہ کابل گیا اور مارچ ۱۹۱۶ء میں عبیداللہ برکت اللہ وغیرہ کے خفیہ خطوط اس ملک کے چند سازشیوں کے نام لے کر واپس آگیا۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں اس کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا گیا۔ لیکن وہ مفرور ہو گیا۔ اور اب اس کا پتہ و نشان معلوم نہیں۔

۷۶۔ فضل الٰہی مولوی

پسر میراں بخش خرادی ریٹائرڈ سب دے انسپکٹر نارتھ ویسٹرن ریلوے۔
باشندہ محلہ خرادیاں وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ۔ تقریباً ۲۸ برس پہلے انٹرنس کا امتحان
پاس کیا۔ ایک مدت تک اس ریلوے کے انجنیرنگ ڈیپارٹمنٹ میں ملازم رہا۔
ذہنی رجحان کے باعث یہ ملازمت چھوڑ دی اور وہابی مولوی بن گیا۔ انتہائی
متعصب ہے۔ اور اس صوبہ کی جہادی تحریک کا ایک نہایت خطرناک لیڈر رہے
یہی شخص ہے جس نے چینیاں والی مسجد کے مولوی عبدالرحیم کے اشتراک و
تعاون سے لاہور کے جہادی طلباء کے فرار کا انتظام کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ اس
پارٹی کے ساتھ ہری پور ہزارہ تک گیا۔ اور اپنے بھائی محمد الٰہی کے ہمراہ جوہری پور
میں پرمننٹ دے انسپکٹر ہے انہیں اسمس روانہ کر دیا۔ بعد میں آزاد علاقہ میں خود
بھی مولوی عبدالرحیم سے جا ملا۔ اور قبائل کو آمادۂ جہاد کرنے میں مدد دی۔ کہا جاتا ہے
کہ اس نے شب قدر پر حملہ میں حصہ لیا تھا۔ فضل الٰہی نومبر ۱۹۱۵ء میں وزیر آباد واپس
آیا۔ اس کے بعد جلد ہی اسے گرفتار کر لیا گیا جہادی طالب علموں کے معاملہ سے تعلق
پیدا کرنے سے قبل ہی اس کا ہندوستانی متعصبوں سے رابطہ تھا۔ اور روپیہ کی وصولی
اور ترسیل کے لئے ان کے ایجنٹ کے طور پہ کام کرتا تھا۔ وزیر آباد کے گرد و نواح میں
اس کے پیروؤں کی تعداد کافی تھی۔ جن سے وہ زکوٰۃ اور قربانی کا روپیہ وصول کرنے
کے بہانے کافی رقوم اکٹھی کرتا تھا۔ ایم فضل الٰہی جمع شدہ رقوم کو وزیر آباد کے رمضان
حلوائی کے ذریعہ مجاہدین کو روانہ کرتا تھا۔ ایم ولی محمد متھوئی والا کا ذاتی معاون تھا۔ اور
اس کے گہرے تعاون کے ساتھ تحریک کے لئے کام کرتا تھا۔ مولوی فضل الٰہی
ہر اُس شخص میں جہاد کی روح پھونک دیتا تھا جو اُس سے ملتا تھا۔ اور حافظ عبدالمنان
کے شاگردوں کو منحرف کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔ جو وزیر آباد کی ایک مسجد میں
مذہبی درس دیا کرتے تھے۔ اسمس میں مجاہدین کا پریس جو جہاد کے پمفلٹ چھاپا

کرتا تھا اسے مولوی فضل الٰہی نے ہی مہیا کیا تھا۔ خیال ہے کہ وہ کا غذ وغیرہ بھی مہیا کیا کرتا تھا۔ اور اکثر کاپی نویس کو مجبور کرتا تھا کہ اس کے لئے کام کریں۔ اُس وقت وہ جالندھر جیل میں نظر بند ہے۔

۷۷۔ فضلین

حضرت مولانا کے نام عبید اللہ کے خط میں یہ نام آیا ہے یہ فضل کا تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اس سے اشارہ دو مہاجرین یعنی فضل ربی اور فضل محمود کی طرف ہے جن کا تذکرہ جنود ربانیہ کے افسروں میں ہے۔

۷۸۔ فضل محمود عرف مولوی محمود

شاید یہ ضلع پشاور کا رہنے والا ہے۔ مولانا محمود الحسن کا مرید ہے اس کو سیف الرحمٰن اور فضل ربی کے ساتھ سرحار پار بھیجا گیا تھا۔ تاکہ قبائلیوں کو برطانیہ کے خلاف جنگ کے لئے بھڑکا سکیں ۱۹۱۵ء میں قبائلیوں کی شورش کا بڑی حد تک ذمہ دار ہے۔ جون ۱۹۱۶ء کے لگ بھگ مولانا فضل ربی (انجمن حزب اللہ کے یاغستان میں وکیل) اور عبد العزیز کے ہمراہ حاجی ترنگ زئی کی طرف خفیہ مشن پر کابل گیا۔ کہ سردار نصر اللہ خاں سے ملاقات کرے۔ مشن کے دوسرے ممبروں کی واپسی کے بعد بھی کابل میں ٹھہرا رہا۔ جولائی ۱۹۱۶ء میں انقلابیوں کی پارٹی کے ساتھ آزاد علاقہ کو واپس آیا۔ جو ملاؤں اور خانوں کے لئے سردار نصر اللہ خاں کے خطوط ساتھ لائی تھی۔ وہ حاجی صاحب ترنگ زئی کے لئے خط لایا تھا۔ شاید ابھی تک آزاد علاقہ میں ہے جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ کرنل ہے۔

۷۹۔ فضل ربی

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ غالباً یہی ہے مولوی فضل ربی

عرف ابو الفتح ولد محمود آف باقہ تھانہ شنکیاری ضلع ہزارہ۔ پہلے حاجی ترنگ زئی کے قائم کردہ مدرسہ مقام غدر تحصیل مردان میں معلم تھا۔ ۱۹۱۵ء میں ایک جلسہ میں جسے غدر اسکول کے لئے روپیہ جمع کرنے کے واسطے طلب کیا گیا تھا۔ اس نے نہایت قابل اعتراض تقریر کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ فضل ربی حال ہی میں دیوبند کے مدرسہ کا متعلم تھا جہاں وہ مولانا محمود الحسن کا پکا مرید بن گیا تھا مولانا کے مکان پر خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا محمود الحسن نے اسے مولوی سیف الرحمٰن فضل محمود وغیرہ کے ہمراہ جہاد کی تبلیغ کے لئے آزاد علاقہ کو بھیجا تھا۔ ۱۹۱۵ء کی بہت سی لڑائیوں کے لئے ذمہ دار ہے۔ جون ۱۹۱۶ء میں فضل ربی، فضل محمود اور عبدالعزیز (یاغستان میں انجمن حزب اللہ کے نمائندہ) کے ہمراہ حاجی ترنگ زئی کی طرف سے خفیہ مشن پر سردار نصر اللہ سے ملاقات کرنے کابل گیا تھا۔ دس بارہ دن کے بعد واپس آگیا تھا۔ اس وقت شاید آزاد علاقہ میں ہے۔

۸۰۔ فضل اللہ میاں

ہندوستانی متعصبوں کے سابق امیر کا شاید بھتیجا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں موجودہ امیر نعمت اللہ سے جس کی کشمکش ہو رہی تھی۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔

۸۱۔ فضل الرحمٰن مولوی

مولوی سیف الرحمٰن کا بھتیجا ہے۔ اس کا باپ بہت عرصہ تک دلی میں رہا اور پھر ریاست ٹونک میں متوطن ہوگیا۔ اس نے فتح پوری کے مدرسہ اور نظارۃ المعارف القرآنیہ میں تعلیم پائی ہے۔ ۱۹۱۳ء میں پنڈت بھوج دت کے اسکول واقع آگرہ میں عربی کا استاد تھا۔ جہاں وہ مقامی ٹرکش ریلیف فنڈ کمیٹی کا ممبر بھی تھا۔ جنگ بلقان کے دوران اُس نے روپے جمع کرنے میں مدد کی تھی۔ پھر وہ نوا کھالی کے مدرسہ احمدیہ میں ہیڈ مولوی بن گیا۔ ۱۹۱۶ء میں دلی کے سینٹ اسٹیفن اسکول میں عربی کا استاد

بعد میں نظارۃ کے عملہ میں سیکنڈ مولوی مقرر ہوا۔ جہاں اس کی سازش جہاد کے ممبروں سے ملاقات رہتی تھی۔ لیکن یہ بات یقینی طور سے نہیں کہی جا سکتی کہ وہ خود سازش سے متعلق تھا یا نہیں۔

۸۲۔ غالب

جدہ کے بعد کی تفصیل بتاتے ہوئے عبید اللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا ہے اُس میں لفظ غالب سے مراد غالب پاشا ہے۔ جو حجاز کا ترک فوجی گورنر تھا۔ اس کی شہرت اس وقت ہوئی جب اس نے ہندوستانی زائرین سے اصرار شروع کیا کہ وہ اپنے ہم وطنوں میں جہاد کی تبلیغ کریں۔

۸۳۔ غالب نامہ

جدہ کے بعد کے واقعات بتاتے ہوئے عبید اللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا ہے۔ اس میں یہ لفظ آیا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے "غالب کی تحریر" یہاں اس کا اشارہ اس فرمان کی طرف ہے۔ جو مولانا محمود الحسن نے حجاز کے ترک فوجی گورنر غالب پاشا سے حاصل کیا تھا یہ عام سادہ کاغذ پر عربی فارسی اور ترکی زبانوں میں لکھا ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ترک برطانیہ عظمیٰ اور دوسرے ملکوں سے برسرِ جنگ ہیں۔ اور ہر جگہ کامیاب ہو رہے ہیں۔ فرمان لکھنے والے کی مولانا محمود الحسن صدر مدرس مدرسہ دیوبند سے ملاقات ہوئی۔ اس نے وہ سب باتیں سنیں جو مولانا نے بیان کیں۔ اسے ان پر پورا بھروسہ ہے۔ تمام مسلمان ان کو معتمد سمجھیں اور ان پر بھروسہ کریں۔ اور ان کی ہر ممکن امداد کریں۔ خصوصاً ترکوں کو ان کی مدد کرنی چاہیئے۔

محمد میاں عرف مولوی منصور جوان تیرہ منحرف لوگوں میں شامل ہے جو محمود الحسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عرب گیا تھا۔ اس کے بارہ میں خیال ہے کہ وہ غالب نامہ ساتھ لایا تھا اور ملک میں چند سازشیوں کو دکھانے کے بعد اسے کابل لے گیا تھا۔

۸۴۔ غلام حسین

شاید اس کا پورا نام راجہ غلام حسین ہے۔ مرحوم "کامریڈ" اخبار کا سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔

۸۵۔ غلام محمد کشمیری

مولوی انور شاہ استاذ مدرسہ دیوبند کا رشتہ دار ہے۔ جب مولانا محمود الحسن عرب پہنچے تو اسے وہاں رہتے ہوئے کافی مدت ہو چکی تھی۔ خان محمد کو کھانے کے انتظام میں مدد دیا کرتا تھا مطلوب الرحمٰن اکتوبر ۱۹۱۵ء میں اسے ہندوستان واپس لایا تھا۔ یقینی طور پر کہنا مشکل ہے۔ کہ وہ مولانا محمود الحسن کی جہاد کی سازش میں شامل تھا یا نہیں۔ لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسے غالب پاشا سے مولانا کی ملاقات کا پورا علم تھا۔

۸۶۔ غلام محمد صاحب مولانا آف بہاولپور

پسر حاجی نور محمد۔ یہ خاندان ابتداء میں ضلع جھنگ کے مقام اٹھا میں رہتا تھا۔ لیکن پچاس برس گذرے ریاست بہاولپور میں متوطن ہو گیا تھا۔ مولوی غلام محمد دین پور علاقہ بہاولپور میں ۱۸۔ ۱۹ برس سے مقیم ہے۔ وہ ایک بااثر پیر ہے۔ اس کے پیرو کافی زیادہ تعداد میں مغربی پنجاب، سندھ اور بہاولپور میں ہیں غلام محمد اور عبید اللہ دونوں، مرحوم پیر محمد صادق آف برچھندی ضلع سکھر (سندھ) کے مرید ہیں۔ مولوی غلام محمد پیر محمد صادق کا بھی خلیفہ ہے۔ مولوی عبد اللہ سندھی جو مارچ ۱۹۱۶ء میں عبید اللہ اور بعض دوسرے ہندوستانی سازشیوں کے خطوط لے کر ہندوستان آیا تھا۔ اس کو ہدایت تھی کہ پیر غلام محمد کو افغانستان لائے۔ لیکن آخر الذکر سفر کی مشکلات اور دشواریوں کی وجہ سے یہ سفر نہیں کر سکا۔ لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے امیر کو خط لکھا تھا کہ اس نے حلف

لے لیا ہے اور جب بھی ہندوستان پر حملہ ہوگا۔ وہ ہر امکانی مدد کرے گا۔ بلوچستان میں ۱۹۱۵ء میں جو جنگ ہوئی۔ وہ اس کی کوششوں کا نتیجہ بیان کی جاتی ہے۔ لیکن اس بات کی تصدیق نہیں ہو سکی ہے۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں اس کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ کچھ عرصہ تک اسے جالندھر کے گاؤں نور محل میں پابند رکھا گیا تھا۔ اب وہ بہاولپور کے مقام دین پور میں ہے جہاں اس کی نقل و حرکت پر پابندی ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے۔

۸۷۔ غلام نبی

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ کرنل ہے۔ اس شخص کے بارہ میں ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

۸۸۔ غلام رسول مولوی

مدرسہ دیوبند میں معلم ہے۔ خیال ہے کہ مولانا محمود الحسن کی سازش کا رکن ہے۔ وہ مولانا کے ساتھ عرب جانے پر بالکل تیار تھا۔ لیکن آخر الذکر نے اسے ہندوستان ٹھہرنے پر مجبور کیا۔

۸۹۔ حبیب اللہ غازی

حضرت مولانا کے نام عبید اللہ کے خطوط میں یہ نام آیا ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر ہے۔ کاکوری یوپی کا باشندہ ہے۔ اس کو غازی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے جنگ بلقان میں ترکوں کی طرف سے حصہ لیا تھا جب مولانا محمود الحسن مکہ پہنچے تو یہ مکہ میں تھا کیونکہ بے وسیلہ تھا' اس لئے طے پایا کہ وہ کھانا تیار کرنے میں مدد دے۔ جس کے بدلہ میں اسے مفت کھانا دیا جائے۔ بعد میں وہ مولانا کا معتقد اور پیرو ہوگیا۔ مکہ و مدینہ میں خفیہ مٹنگوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔

غالباً اس وقت شام میں ہے۔ اور ترکی فوج میں بھرتی ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔

۹۰۔ حبیب الرحمٰن مولوی

نائب مہتمم دیوبند مدرسہ۔ مطلوب الرحمٰن کا بھائی۔ ان تیرہ منحرف اشخاص میں شامل ہے جو مولانا محمود الحسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عرب گئے تھے۔ حبیب الرحمٰن ایم عبید اللہ اور ایم محمود الحسن کی اسکیموں میں شامل نہیں ہوا۔ اس کو وفادار سمجھا جا سکتا ہے۔

۹۱۔ ہادی حسن سید

دیکھئے سید ہادی کے تحت

۹۲۔ حاجی صاحب ترنگ زئی

حضرت مولانا کے نام عبید اللہ نے اپنے خط میں صرف حاجی لکھ کر اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لفٹننٹ جنرل ہے۔ اس کا اصلی نام فضل واحد ہے۔ لیکن حاجی صاحب ترنگ زئی کے نام سے مشہور ہے۔ لڑکا ہے فضل احمد حاجی خلیل محمد پیرزادہ آف عمرزئی آف ترنگ زئی نزد چارسدہ ضلع پشاور کا۔ مرحوم ملا ہڈا کے پیروؤں میں اور پشاور ضلع کے اکثر دیہات میں نہایت با اثر ہے۔ نہایت متعصب ہے۔ اور حکومت کے خلاف سخت مخالفانہ جذبات رکھتا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں دیوبند کے مولانا محمود الحسن کے ایما پر آزاد علاقہ میں چلا گیا تھا۔ جہاں سیف الرحمٰن اس سے جا ملا تھا۔ اس کے بعد سے مہمند بونیروال اور دوسرے قبیلوں کو علم جہاد بلند کرنے پر اکسانے میں نہایت سرگرم رہتا ہے۔ شب قدر کے حملہ کے لئے خاص طور سے ذمہ دار ہے۔ کابل کے سازشیوں سے رابطہ ہے۔ اور پانی پت کے ایم حمد اللہ اور صوفی مسجد لاہور کے مولوی احمد کے ذریعہ دیوبند پارٹی سے امداد حاصل کی ہے۔

۹۳۔ حکیم جمیل

جدہ کے بعد کے واقعات بیان کرتے ہوئے عبید اللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا ہے اس میں اس کا تذکرہ ہے۔

حکیم جمیل الدین آف دیوبند، بلیا میں طبابت کرتا ہے۔ شمس العلماء حافظ محمد احمد مدرسہ دیوبند کے وفادار پرنسپل کا معتقد ہے۔ شاید آج کل جون پور میں ہے۔

۹۴۔ حکیم صاحب

جدہ کے بعد کے واقعات کے بیان میں جو خط عبید اللہ نے حضرت مولانا کو لکھا ہے۔ اس میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ حکیم عبد الرزاق انصاری ہے جو ڈاکٹر انصاری کا بھائی ہے۔

۹۵۔ حمد اللہ مولوی آف پانی پت

شیخ عبد الرحیم آف حیدر آباد سندھ کے نام عبید اللہ کے تشریحی خط میں نیز جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل کی حیثیت سے یہ نام آیا ہے۔ ولد سراج الدین ذات شیخ آف پانی پت ضلع کرنال۔ ابتدائی تعلیم پانی پت و کانپور میں حاصل کی۔ بعد میں دیوبند کے مدرسہ میں شامل ہوا۔ جہاں وہ تقریباً تین برس تک رہا۔ تکمیل تعلیم کے بعد کرنال، چھتاری ریاست وغیرہ مقامات میں ۱۹۱۲ء تک رہا۔ اس کے بعد ترجمہ قرآن میں مولانا محمود الحسن کی مدد کرنے کے لئے دیوبند کے مدرسہ میں پھر شامل ہو گیا۔ وہ مولانا کا پکا مرید بن گیا۔ اور عبید اللہ ایم ابو احمد، ایم احمد علی وغیرہ کا شریک ہو گیا۔ جن کے بارہ میں اب معلوم ہوا ہے کہ وہ اتحاد اسلامی کے لئے جہاد کے بڑے اہم مبلغ ہیں۔ جنگ بلقان کے دوران ترکی کی مدد کے لئے ایک ہزار روپے جمع کئے۔ دیوبند کی خفیہ ٹنگوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔ بعد میں وہ خورجہ کے مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں معلم

کے طور پر مقرر ہو گیا۔ اس ذریعہ سے وہ دیوبند کے اسفار کے اخراجات پورے کرتا تھا۔
اس کا ارادہ مولانا محمود الحسن کے ہمراہ عرب جانے کا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کو پیچھے
چھوڑ دیا تاکہ وہ مولانا محمود الحسن کے ہمراہ حجاز جانے والے سازشی ساتھیوں کے کنبوں
کی دیکھ بھال کرے اور سرحد پار کی پارٹی کو روپیہ بھیجے۔ نیز ہندوستان میں کام کی پیش رفت
سے مولانا کو باخبر رکھے۔ نیز مولانا اور سرحد پار کے لوگوں کے درمیان خط و کتابت
کے رابطہ کا کام دے۔ اس ساری مدت میں اس نے مولانا کی بڑے وفادار ساتھی کی
طرح خدمت کی ہے اور اس کو خاص آدمی کہا جاتا ہے نومبر ۱۹۱۵ء میں یار محمد
کابلی کے ذریعہ اس نے دو سو تیس روپے مجاہدین کے ایک ایلچی کے ذریعہ روانہ کئے
کابل سے ایم عبد اللہ سندھی جو خطوط لایا تھا ان میں سے ایک خط اور جہاد کے دو
فتاویٰ ایم حمد اللہ کے واسطے تھے۔ بلاشبہ محمود الحسن نے جب وہ ہندوستان میں
تھے اس کو چندہ جمع کرنے کے لئے ملازم رکھا تھا۔ ایم حمد اللہ اس وقت موگا ضلع
فیروز پور میں ہے اور اس کی نقل و حرکت پر پابندی ہے۔

۹۶۔ حنیف مولوی

جدہ کے بعد کے واقعات کے بیان میں عبید اللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا
ہے اس میں یہ نام آیا ہے۔ مولوی محمد حنیف مولانا محمود الحسن کے بھتیجے اور داماد
ہیں۔ دیوبند کا ایم محمد مسعود جسے حکیم عبد الرزاق انصاری نے نومبر ۱۹۱۶ء میں مولانا کو یہ
بتانے کے لئے عرب بھیجا تھا کہ وہ ہندوستان نہ آئیں۔ اس کا بھائی ہے۔ متھرا کے
گورنمنٹ ہائی اسکول میں ٹیچر ہے۔ مولانا نے مکہ روانہ ہوتے وقت گھر کا انتظام اس کے
سپرد کر دیا تھا۔

۹۷۔ حرمت اللہ

عبید اللہ نے جدہ کے بعد کے واقعات بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا کو جو خط

معائنہ کیا ہے۔ اس میں یہ نام آیا ہے۔ یہ شخص قازان روسی ترکستان کا باشندہ ہے کچھ عرصہ تک وہ اپنے ایک ہم وطن احمد جان کے ہمراہ دیو بند میں زیر تعلیم رہا۔ تقریباً دو برس ہوئے یہ دونوں مولانا حسین احمد مدنی کے ہمراہ دیو بند سے حجاز چلے گئے۔ اور خیال ہے کہ اب وہیں ہیں۔

۹۸۔ ہرنام سنگھ عرف ارجن سنگھ

پسر بھاگ سنگھ مہاجن موضع کھوٹا ضلع راولپنڈی ایس ایس کوماگاٹو مارو جہاز کے جاپان جیسے دور دراز ملک تک کے سفر اور واپسی میں گردیت سنگھ کا نائب خاص تھا وہ ماشیما مارو نامی جہاز کے ذریعہ بیر سنگھ کے ہمراہ ہندوستان واپس آیا۔ جو کوماگاٹو مارو مہم کا جوائنٹ سکریٹری تھا۔ عرشہ جہاز پر مسافروں کو بھڑکانے کی اس نے سرگرم کوششیں کیں۔ اور پھر ندہن سنگھ کی پارٹی کے ہمراہ نانڈیڑ چلا گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے خالصہ کالج امرتسر میں تعلیم پائی ہے۔ سکھ غدر سازش کا انکشاف ہونے پر جب لاہور میں گرفتاریاں کی گئیں۔ تو وہ ڈاکٹر متھرا سنگھ کے ہمراہ سرحد پار کر کے تیرہ میں بھاگ گیا۔ اور وہاں سے پشتی ملک پہنچا جہاں افغان حکام نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا۔ اور حراست میں کابل پہنچا دیا۔ انہیں جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں سردار نصر اللہ خاں نے راجہ مہندر پرتاپ کی سفارش پر ان کو رہا کر دیا اس کے بعد سے یہ لوگ وہاں پر برطانیہ کے خلاف غدر پارٹی کے سرگرم اور باضابطہ ممبر بن گئے کابل سے ہرنام سنگھ اور متھرا سنگھ نے مشترکہ طور پر مردان میں گائڈس کے رسالہ کے دفعدار ہرچرن سنگھ کو اور راولپنڈی کے بھائی ہرنام سنگھ کو باغیانہ خطوط لکھے۔ جن میں ہندوستانی فوجیوں کو بغاوت کے لئے بھڑکانے کی تلقین کی گئی تھی۔ ہرنام سنگھ ۱۹۱۶ء میں بھیس بدل کر ہندوستان آنے والا تھا تاکہ بعض ہندوستانی مہاراجاؤں کے نام قیصر جرمنی کے جو خطوط راجہ مہندر پرتاپ لایا تھا وہ مکتوب الیہم کو پہنچائے جاسکیں۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس مقصد کے لئے اس نے واقعتاً

ہندوستان کا سفر کیا یا نہیں۔ شاید وہ اس وقت کابل میں ہے۔

۹۹۔ ہاشم

یہ شخص عرب سے دسمبر ۱۹۱۶ء میں ہندوستان آنے والا تھا تاکہ رتھیرٹی کے سید نورالحسن سے وہ فرمان لے کر کابل پہنچا دے۔ جو ایس ہادی حسن ایس ایس نامی جہاز کے ذریعہ لاتے تھے۔ ہندوستان میں اس شخص کو نہیں دیکھا گیا۔ نہ ہی ٹھیک سے اس کی شناخت کی جا سکی ہے۔ محمد مسعود کی ملاقات اس سے مکہ میں ہوئی تھی۔ جہاں کہ وہ مولانا محمود الحسن سے ملاقات کرنے کے لئے اکثر آیا کرتا تھا۔ اسے حیدرآباد (غالباً دکن) کا باشندہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ ترکی ٹوپی پہنتا ہے۔ تقریباً ۳۰ سال کا ہے۔ درمیانہ قد ہے۔ گٹھا ہوا بدن ہے۔ گندمی رنگ ہے۔ لمبوترا چہرہ ہے۔ چھوٹی سی ڈاڑھی ہے۔ نئے فیشن کا لباس پہنتا ہے اور اردو خوب بولتا ہے۔

۱۰۰۔ حسرت موہانی

حضرت مولانا کے نام جدہ کے بعد کے واقعات بیان کرتے ہوئے عبیداللہ نے اپنے خط میں یہ نام لکھا ہے۔ اور اسے جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل لکھا ہے۔

فضل الحسن عرف حسرت موہانی بی اے پسر اظہر حسین آف علی گڈھ (یو' پی) بنام صحافی، تحریک سودیشی کا حامی ہے۔ ابوالکلام آزاد، عبیداللہ، محمد علی (آف کامریڈ) اور شوکت علی کا بے تکلف ساتھی ہے۔ مرحوم اردوئے معلّی کا ایڈیٹر تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سازش میں شامل تھا اور کابل میں ایم عبیداللہ سے ابوالکلام آزاد کیساتھ جاکر ملنے والا تھا۔ ملک سے براہ کوئٹہ ان کی روانگی کے تمام انتظامات مکمل تھے لیکن اپریل ۱۹۱۶ء میں حسرت کی گرفتاری سے سارا منصوبہ ناکام ہوگیا۔

۱۰۱۔ حزب اللہ

یہ ادارہ ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۳ء میں کلکتہ میں قائم کیا تھا۔ بیرونی

طور پر ہر وقت سرگرم سفر رہنے والے مسلم مبلغین کا اصلاحی و تبلیغی ادارہ ہے۔ لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی اصل غرض و مقصد حکومت دشمنی ہے۔ ابوالکلام آزاد نے یہ اسکیم ۱۹۱۳ء میں تیار کی تھی جب کہ جنگ بلقان جاری تھی۔ اس کے اپنے الفاظ میں یہ ادارہ ایسے آدمیوں کی جماعت ہوگی جو راہ خدا میں جہاد کریں۔ جو دنیاوی فلاح کی توقعات، امنگیں، تعلقات اور رشتے ختم کر دیں۔ اپنے قلوب کو زندگی کی راحتوں اور آسانیوں سے پاک کر لیں اور اپنی زندگیاں مذہب اور عقیدہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیں اور خدا اور اس کے فرشتوں کو اپنے ایثار و قربانی کا گواہ بنا لیں۔ لاہور میں اس سوسائٹی کی شاخ ہے جس کا انتظام حامد علی چشتی کے سپرد ہے۔ دوسرے صوبوں میں بھی ایسی ہی شاخیں ہیں۔ ممبروں کی تعداد کئی ہزار ہے ہمیں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ یہ سب لوگ اتحاد اسلامی کے پروپیگنڈے میں مصروف ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حزب اللہ کا ایک وفد جس میں ایک ممتاز عبدالعزیز ہے۔ جو جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۵ء میں سرحد پار روانہ کیا تھا۔ وہ آزاد علاقہ میں قبائل کو جہاد کے لئے بھڑکانے کا ایک حد تک ذمہ دار ہے۔ لاہور کی شاخ اب تقریباً ختم ہو چکی ہے۔

۱۰۲۔ حضرات یاغستان

جدہ کے بعد کے واقعات بیان کرتے ہوئے عبیداللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا ہے۔ اس میں یہ آیا ہے۔ غالباً سیف الرحمٰن۔ حاجی ترنگ زئی۔ فضل ربی۔ فضل محمود وغیرہ وغیرہ مراد ہیں۔

۱۰۳۔ حسین حیدر

اس کو حیدر حسین بھی کہا گیا ہے۔ مکہ میں تسبیحیں بناتا ہے۔ اس کو ہندوستانی بتایا ہے۔ لیکن ابھی تک ٹھیک نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ کون ہے۔ حسین حیدر مکہ میں جہاد

سے متعلق دھرمپور رباط کی خفیہ بات چیت میں شریک ہوا کرتا تھا۔ اور اسے خاص
مینگوں میں بھی مدعو کیا جاتا تھا۔ مولانا محمود الحسن کی غالب پاشا سے ملاقات کرانے
میں بھی اس نے مدد کی تھی۔ غالباً یہی شخص پاشا سے غالب نامہ لایا تھا۔

۱۰۴۔ حسین

واقعات بعد جدہ بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا کو عبید اللہ نے جو خط لکھا ہے۔
اس میں یہ نام آیا ہے۔ یہ حسین احمد مدنی ہے جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل
ہے۔ یہ خاندان اصل میں ضلع فیض آباد یو' پی کا ہے۔ لیکن ۱۸۹۹ء میں حجاز کو ہجرت
کر گیا تھا۔ مولوی حسین احمد مدنی مدینہ کے مفتی تھے۔ ہندوستان سے جانے
سے پہلے وہ دیوبند میں مدرس تھے مولانا محمود الحسن کا پکا مرید اور جہاد کا
زبردست مبلغ ہے۔ دو سال ہوئے اپنے بھتیجے وحید کے ساتھ جو اس کے مرحوم بھائی
ایم صدیق احمد کا لڑکا ہے۔ ہندوستان آیا تھا اور دیوبند میں مولانا محمود الحسن کے
مکان میں چند ماہ قیام کرنے کے بعد وحید کو مدرسہ میں طالب علم کی حیثیت سے
چھوڑ کر عرب کو واپس ہو گیا تھا مدینہ میں مولانا محمود الحسن اس کے مکان میں ٹھہرے
تھے۔ شریف مکہ کے حکم سے ۔۔ دسمبر ۱۹۱۶ء کو یا اس کے لگ بھگ اسے مکہ
میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اور جدہ بھیج دیا گیا تھا۔ جہاں سے لے ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء
کو مصر روانہ کر دیا گیا تھا۔

۱۰۵۔ حسین احمد مدنی

دیکھئے حسین

۱۰۶۔ عمادی

عبداللہ عمادی سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر زمیندار ساکن جونپور صوبہ جات

متحدہ) ظفر علی خاں اور اتحاد اسلامی کے دوسرے حامیوں کا بے تکلف ساتھی۔ مارچ ۱۹۱۶ء میں مولوی عبداللہ سندھی کابل سے جو خطوط اور جہاد کے فتاویٰ لایا تھا۔ ان میں ایک خط مولوی عبداللہ عمادی کے لئے تھا جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔

۱۰۷۔ جلیل

یہی شخص محمد جلیل ہے۔ کیرانہ ضلع مظفر نگر صوبہ جات متحدہ کے محمد اسمعیل کا لڑکا اور دیوبند کے مدرسہ میں طالب علم۔ وہ محمود الحسن کے مکان میں ملازم کی حیثیت سے بھی کام کرتا تھا۔ محمد جلیل کو سازش کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے لیکن اس کا سازش میں شامل ہونا مشتبہ ہے۔

۱۰۸۔ جماعت

حضرت مولانا کے نام خطوط میں یہ لفظ اکثر آیا ہے لغوی معنی ہیں انجمن یا دستوں کا گروہ۔ ان خطوط میں یہ اشارہ ہے سازش میں ملوث لوگوں کی طرف جن کے نام زیر غور خطوط میں لے گئے ہیں۔

۱۰۹۔ جمیعۃ الانصار (انجمن طلباء قدیم) دیوبند

ایم عبید اللہ کی نظامت اور چھ سات ممبروں پر مشتمل مجلس منتظمہ کے ساتھ ۱۹۰۹ء میں قائم ہوئی۔ یہ انجمن دیوبند میں تعلیم پائے ہوئے مولویوں کی انجمن کے طور پر قائم کی گئی تھی۔ تاکہ (ا) مدرسہ دیوبند کا انتظام کرے اور اس کو بہتر بنائے (ب) مدرسہ کے لئے رقم کا انتظام کرے (ج) دیوبند میں جن عقائد کی تعلیم دی جاتی ہے ان کی تبلیغ کرنے اور انہیں فروغ دے۔ اور (د) دوسرے مقامات پر ایسے ہی مدرسے قائم کرے۔ تجویز یہ تھی کہ تمام مدارس اسلامیہ کو

جمعیۃ الانصار کے تحت کر دیا جاتے۔ اور دیوبند کے فارغ التحصیل مدرسوں کو بیشتر نام مدرسوں میں بھیجا جاتے۔ اس کے قواعد و ضوابط باضابطہ تیار کئے گئے تھے۔ اور اس کے سالانہ جلسے مراد آباد اور میرٹھ میں ہوئے۔ تاکہ جمعیۃ الانصار کے مقاصد کی تبلیغ کی جاسکے۔ لاہور کی صوفی مسجد کے ایم ابو احمد نے نائب ناظم کی حیثیت سے الانصار میں چند ماہ کام کیا ابتدا میں دیوبند کے مدرسہ کی ساری مجلس منتظمہ جمعیۃ الانصار کے حق میں تھی جلد ہی عبید اللہ نے انگریزی پڑھے ہوئے نوجوانوں کو طالب علم بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ اس پر اس ادارہ نے نیم سیاسی نوعیت اختیار کر لی جب جنگ بلقان شروع ہوئی اور دیوبند کے ذمہ داروں نے ترکی کی مالی امداد کے جواز کا فتویٰ جاری کر دیا تو اچانک جمعیۃ الانصار اپنے اصلی رنگ میں آگئی۔ اور انتہائی متعصب سیاسی جماعت بن گئی۔ مولوی، طلباء اور دوسرے لوگ مبلغ بنا کر بھیجے جانے لگے۔ اور ترکی کی مدد کے لئے ہلال احمر کے فنڈ میں بڑی بڑی رقمیں جمع کی جانے لگیں۔ غیر ملکی سامان کے بائیکاٹ کی تبلیغ بڑے شد و مد سے کی گئی۔ اس کی شاخ قاسم المعارف نے کلکتہ میں چندہ جمع کرنے کے سلسلہ میں بہت کافی سرگرمی دکھائی۔ اس پر مدرسہ کے عملہ کے سنجیدہ لوگ چوکنے ہوتے اور ایسے اختلافات پیدا ہوئے کہ عبید اللہ کو ۱۹۱۳ء میں استعفیٰ دینا پڑ گیا۔ جلد ہی اس ادارہ کا وجود ختم ہو گیا۔

۱۱۰۔ جمیل الدین حکیم

دیکھئے حکیم جمیل

۱۱۱۔ جان صاحب باجوڑ

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے۔ اس کا عرف ڈوڈا جان یا جان صاحب ڈوڈا ہے۔ والدین کے بارہ میں کچھ معلوم نہیں ڈوڈا کا اور باجوڑ میں لکرو کلی کا سید حکومت کا سخت مخالف ہے۔ باٹرہ ملا کے مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہے

۱۹۱۵ء میں جب مہمند قبائل نے شب قدر میں برطانوی فوجیوں پر حملہ کیا تو اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ مئی ۱۹۱۶ء میں اس کا رویہ بدل گیا اور وہ حکومت کی خدمت کرنے پر تیار ہو گیا۔

۱۱۲۔ کالا سنگھ عرف گوجر سنگھ

پسران سنگھ آف اکھاڑہ تھانہ جگراؤں ضلع لدھیانہ می شیما مارو جہاز کے مسافروں میں شامل ہے۔ جنہوں نے عذر برپا کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شنگھائی میں دوکاندار ہے۔ پنجاب میں ۱۹۱۴-۱۵ء کے موسم سرما کی انقلابی تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا ہے۔ فیروز پور شہر کے قاتلوں میں سے ایک ہے۔ جب گرفتاریاں شروع ہوئیں تو وہ بھاگ کر آزاد علاقہ میں پہنچ گیا۔ مردان و بنیر ہوتا ہوا اسمس پہنچا۔ جبکہ لاہوری طلباء اور مجاہدین وہاں موجود تھے۔ کالا سنگھ نے ۱۹۱۵ء کی سرحدی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ کہاجاتا ہے کہ لڑائی شروع ہونے سے فوراً پہلے وہ مردان پہنچا۔ اور وہاں پر مامور سکھ رجمنٹ کے سپاہیوں کو ورغلانے کی کوشش کی۔ جون ۱۹۱۶ء میں مولوی عبدالرحیم عرف بشیر اور ڈاکٹر صدرالدین کے ہمراہ کابل پہنچا کہاجاتا ہے کہ راجہ مہندر پرتاپ نے اسے کچھ خفیہ پیغامات دے کر واپس بھیجا تھا۔ اس کے بعد وہ کابل لوٹ گیا۔ اس وقت غالباً کابل میں ہے۔

۱۱۳۔ کریم بخش

جنود ربانیہ کی فہرست میں کیپٹن ہے یہ شخص غالباً وہی کریم بخش ہے جو کابل کے محکمہ تعلیم میں ملازم ہے۔ لاہور کا رہنے والا ہے۔

۱۱۴۔ قاسم المعارف

دیوبند کی جمعیۃ الانصار (انجمن طلباء قدیم) کی شاخ کلکتہ۔ دلی کے شیخ محمد شفیع

جو کلکتہ میں تاجر ہیں اس کے ناظم تھے۔ اور شیر کوٹ کے مولوی ظہور الدین کچھ مدت تک اس کے سفیر رہے تھے۔ وہ تقریریں کرتے تھے اور چندہ وصول کرتے تھے جنگ بلقان کے زمانہ میں اس سوسائٹی نے ترکی انجمن ہلال احمر کے لئے چندہ جمع کرنے میں کافی سرگرمی دکھائی۔

(نوٹ) یہ ادارہ اسی نام کے اس دوسرے ادارہ سے بالکل مختلف ہے جو ایم عبید اللہ نے کراچی میں قائم کیا تھا۔

۱۱۵۔ کاظم بے

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے ایک ترک فوجی افسر ہے۔ جس کو قسطنطنیہ سے ترک جرمن مشن کے ساتھ انور پاشا نے خاص طور سے روانہ کیا تھا۔

۱۱۶۔ خلیل احمد مولانا

عرف خلیل الرحمن آف مدرسہ اسلامیہ سہارنپور۔ ایک بہت معزز و محترم مولوی جس کے مریدوں کی تعداد ہندوستان بھر میں بہت زیادہ ہے۔ موضع انبیٹھہ ضلع سہارنپور کا رہنے والا ہے۔ اور مولوی محمد میاں عرف مولوی منصور کا قریبی رشتہ دار ہے۔ ہندوستانی علماء میں شاید یہ واحد شخص ہے جو مولانا محمود الحسن سے ہجرت کے سوال پر متفق تھا۔ ایس ایس جہاز کے ذریعہ عرب گیا۔ ستمبر ۱۹۱۵ء کے شروع میں وہاں پر قیام کے دوران یہ مولانا محمود الحسن کی سیاسی سازش میں شامل ہو گیا اور غالب پاشا کے معاملہ میں بھی شامل رہا۔ یہ بھی یقین کیا جاتا ہے کہ وہ محمد حسن کے رباط میں جہاد سے متعلق مذاکرات میں شامل ہوا کرتا تھا۔ جب انور پاشا اور جمال پاشا ترک افواج کی کامیابی کے لئے دعا کرنے مدینہ آئے تو مولوی خلیل احمد بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ پاشاؤں نے اس کو نذر پیش کی۔ ۸ر ستمبر ۱۹۱۶ء

واپس ایس ایس اکبر نامی جہاز کے ذریعہ ہندوستان واپس ہوا۔ بمبئی میں اُترتے ہی گرفتار کر لیا گیا۔

۱۱۷۔ خان محمد حاجی

یہ سرحدی ہے۔ غالباً ضلع پشاور کا باشندہ ہے۔ اس نے دیو بند میں تعلیم پائی اور مولانا محمود الحسن کا مرید ہو گیا۔ مولانا محمود الحسن کی سازش جہاد میں شامل تھا۔ خان محمد ان تیرہ منحرف اشخاص میں شامل ہے جو مولانا کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عرب گئے تھے۔ وہ خوراک کا منتظم تھا۔ مکہ میں وفات پائی۔

۱۱۸۔ خدا بخش

جدہ کے بعد کے واقعات کے بیان میں حضرت مولانا کے نام عبید اللہ کے خط میں یہ نام آیا ہے۔ شاید یہ وہی خدا بخش ہے جو ناگور جودھپور ریاست کا رہنے والا ہے اور مولانا محمود الحسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عرب گیا تھا۔

۱۱۹۔ خدام

حضرت مولانا کے نام خطوط میں یہ لفظ بار بار آیا ہے۔ یہ لفظ خادم کی جمع ہے جس کے لغوی معنی ہیں خدمت کرنے والا۔ (ملازم) اس کا اطلاق زیارت گاہوں اور مقدس عمارتوں کے انتظام کرنے والوں پر اکثر ہوتا ہے۔ یہاں اس سے مراد مولانا محمود الحسن کی پارٹی کے لوگ ہیں۔

۱۲۰۔ خوشی محمد مہاجر

پسر جان محمد ساکن موضع سلولی۔ ضلع جالندھر لاہور کے میڈیکل کالج میں تھرڈ ایئر کا طالب علم تھا۔ جب اس نے دوسرے جہادی طلباء کے ہمراہ فروری ۱۹۱۵ء

میں سرحد پار کی۔ وہ کابل میں مخالف برطانیہ پارٹی کے ساتھ سرگرمی کے ساتھ شامل رہا۔ مارچ ۱۹۱۶ء میں راجہ مہندر پرتاپ اور مولوی برکت اللہ نے زار اور تاشقند کے روسی گورنر جنرل کے نام خط دے کر اسے ڈاکٹر متھرا سنگھ کے ہمراہ روانہ کیا۔ جون ۱۹۱۶ء میں یہ سفارت واپس آگئی تھی۔ خوشی محمد ابھی تک کابل میں ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ گورنر جنرل ہے۔

۱۲۱۔ کوہستانی ملّا

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے۔ صوات میں سندا کی ملّا اور دوسرے مقامات میں کوہستانی ملّا یا فقیر کے نام سے مشہور ہے۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں صوات میں برطانوی فوجوں پر حملہ کرنے کے لئے اس نے صواتی لوگوں کا لشکر جمع کر لیا تھا۔

۱۲۲۔ مدرسہ

حضرت مولانا کے نام خطوط میں یہ لفظ آیا ہے۔ یہ دیوبند کے عربی مدرسہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو دیوبند ضلع سہارنپور میں قائم ہے۔ اسے مولانا محمد قاسم نے قائم کیا تھا۔ دیوبند کا ایک مشہور تعلیمی ادارہ ہے۔ جس کی ہندوستان بھر میں شہرت ہے جبکہ ایک طرف افغانستان سمرقند اور بخارا اور دوسری طرف مدراس اور مشرقی بنگال جیسے دور دراز مقامات سے اس میں طالب علم آتے ہیں۔ حیدرآباد کے نظام اور بھوپال کی بیگم اس ادارہ کو فیاضی سے امداد دینے والوں میں شامل ہیں۔ علوم مشرقی اور اسلامی دینیات کی تعلیم کے لئے وقف ہے۔ مدرسہ کے پرنسپل شمس العلماء مولوی حافظ محمد احمد ہیں جو اس ادارہ کے مرحوم بانی کے فرزند ہیں وہ وفادار اور شریف آدمی ہیں۔ ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن صدر مدرس تھے جو ریشمی خطوط کے مکتوب الیہ ہیں۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں وہ ہجرت کر کے حجاز چلے گئے۔ ریشمی خطوط کی سازش میں جو مولوی شامل ہیں۔ تقریباً وہ سب اس مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں

بعد میں یہ مدرسہ اتحاد اسلامی اور جہاد کے حامیوں کا گڑھ اور مولانا محمود الحسن نے اپنے زمانہ صدر مدرسی میں جہاد کی جو تحریک شروع کی تھی اس کا مرکز بن گیا۔

۱۲۳۔ مدرسہ صولتیہ

مکہ کا مشہور عربی مدرسہ جس کے مصارف ہندوستان سے بھیجے گئے چندہ سے پورے ہوتے ہیں اس کے کچھ مدرس اور طالب علم جو زیادہ تر ہندوستانی ہیں۔ ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن کے جہاد کے پروپیگنڈہ میں شامل ہو گئے تھے۔

۱۲۴۔ محبوب خاں ساکن سہارنپور

ان تیرہ منحرف اشخاص میں سے ایک جو مولانا محمود الحسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عرب گئے تھے۔ کھانا پکانے اور پارٹی کے سامان کی حفاظت کرنے میں یہ خان محمد کی معاونت کرتا تھا۔ مکہ میں اپنے ہاتھوں سے تیار کردہ پھول پیش کرنے کے بہانے، والی اور شریف سے ملاقات کی لیکن یہ ممکن ہے کہ اس نے اپنا تعارف اس لئے کرایا ہو کہ مولانا محمود الحسن کے پیغامات پہنچا سکے۔ مولانا کا مرید ہے۔

۱۲۵۔ مہندر پرتاپ راجہ

حضرت مولانا کے نام عبید اللہ کے خط میں اور دوسرے خط میں جس میں "حکومت موقتہ ہندیہ" کی تفصیلات دی گئی ہیں۔ یہ نام لیا گیا ہے۔ ضلع علی گڑھ کے مقام مرسان کے راجہ دت پرشاد سنگھ بہادر کا بھائی اور جیند کے راجہ رنبیر سنگھ کا برادر نسبتی ہے۔ راجہ مہندر پرتاپ پرانے حکمران خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ہاتھرس اور مرسان میں کافی اراضی کا مالک ہے۔ اس نے ایم اے او کالج علی گڑھ میں تعلیم پائی جہاں ہندو مسلم اتحاد کا جذبہ اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے بندرابن میں ہندوؤں مسلمانوں اور عیسائیوں نیز سکھوں

شتمل منتظمہ کمیٹی بنا کر پریم مہا ودیالیہ قائم کیا۔ راجہ کو امید تھی کہ اس اسکول کے ذریعہ
تحدہ ہندوستان کی اساس پر قومی اتحاد کی تحریک شروع کرے گا۔ وہ سفر کا بڑا
شوقین تھا کہا جاتا ہے کہ اس نے دو بار ساری دنیا کا سفر کیا تھا۔ امریکہ میں اس کی
ملاقات ہردیال اور غدر پارٹی کے دوسرے ممبروں سے ہوئی۔ اور اس میں انقلابی
خیالات نے جوش و خروش پیدا کر دیا۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہندوستان سے مارسلیز
روانہ ہوا۔ جہاں سے وہ سوئزرلینڈ اور جرمنی پہنچ کر برلن کی انڈیا سوسائٹی میں
شامل ہو گیا۔ ۱۹۱۵ء میں امیر کابل اور ہندوستانی والیان ریاست کے لئے
قیصر اور سلطان ترکی کے خطوط اور جہاد کے فتاویٰ دے کر اسے ترک جرمن مشن
کے ہمراہ افغانستان بھیجا گیا۔

کابل کے قیام میں اس نے حکومت موقتہ ہندیہ قائم کی جس کا صدر وہ خود
بنا۔ برکت اللہ وزیر اعظم اور عبید اللہ وزیر داخلہ بنائے گئے۔ اس نے مہاجر طلبا
کی بہت سی سفارتیں منظم کیں۔ جو روس چین جاپان برلن اور قسطنطنیہ بھیجی گئیں۔

۱۲۶۔ محمود حسن صوفی

صوفی محمد حسن آف مدرسہ اسلامیہ سہارنپور، مولانا خلیل احمد آف سہارنپور
کا معتقد اور شاید مولانا محمود الحسن کا مرید ۱۹۱۵ء میں ان کی عرب کو ہجرت کے موقعہ
پر ان کے ساتھ بمبئی تک گیا تھا۔ مولوی محمد مبین کے ساتھ واپس آ گیا۔

۱۲۷۔ محمود الحسن مولانا

حضرت مولانا بھی کہا جاتا ہے۔ ریشمی خطوط کے مکتوب الیہ مدرسہ اسلامیہ
دیوبند کے صدر مدرس پارسائی اور تقدس کے لئے مشہور۔ ان کے مرید جن میں سرکردہ
مسلمان بھی ہیں ہندوستان بھر میں ہیں۔ عبید اللہ کے اثر میں آنے سے ان کے خیالات
تبدیل ہوئے۔ دیوبند میں ان کا مکان اتحاد اسلامی کے سازشیوں کا گڑھ تھا۔

اسی شخص نے سیف الرحمن، فضل الٰہی، فضل محمود وغیرہ کو سرحد پار قبائلیوں کو جہاد پر بھڑکانے کے واسطے بھیجا۔ ایس ایس اکبر جہاز کے ذریعہ وہ خود بھی زمرہ منحرف اشخاص کے ساتھ ۱۸ ستمبر ۱۹۱٦ء کو ہجرت کر کے عرب کو روانہ ہو گیا۔ .... عرب میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے پے درپے اس بات کی کوشش کی کہ ہندوستان میں جہاد کے مقصد کے لئے حکومت ترکی کی ہمدردیاں حاصل کریں۔ انور پاشا، جمال پاشا اور غالب پاشا سے ملاقاتیں کیں اور فرمان حاصل کئے جن میں سے ایک فرمان محمد میاں عرف مولوی منصور کے ذریعہ، ہندوستان اور آزاد علاقہ کے سازشیوں کو دکھائے جانے کے بعد کابل پہنچا یا گیا۔

ہندوستان میں اتحاد اسلامی کی سازش میں مولانا کی رہنمایانہ قائدانہ شخصیت بڑی سرکردہ ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ جنرل ہیں۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۱٦ء کو شریف مکہ کے احکام سے ان کو گرفتار کر لیا گیا اور جدہ بھیج دیا گیا۔ جہاں سے انہیں ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء کو مصر روانہ کر دیا گیا۔

۱۲۸۔ مسعود

حضرت مولانا کے نام خط میں یہ نام آیا ہے۔ شاید یہ شخص مولوی محمد مسعود ہے جو دیوبند کے منشی منظر حسین کا لڑکا ہے۔ مولانا محمود الحسن کا بھتیجا اور داماد ہے۔ اور مولوی حنیف کا بھائی ہے۔ دیوبند کے مدرسہ میں ملازم ہے۔ حکیم عبد الرزاق انصاری وغیرہ نے ستمبر ۱۹۱٦ء میں اسے عرب بھیجا تھا تاکہ محمود الحسن کو ہندوستان کے واقعات سے مطلع کرے اور اس ملک میں واپس آنے کے خلاف متنبہ کرے۔

۱۲۹۔ متھرا سنگھ ڈاکٹر

عرف سردارا سنگھ عرف سندر سنگھ عرف شمشیر سنگھ پسر ہری سنگھ کھتری ساکن موضع ڈھڈیال تحصیل چکوال ضلع جہلم۔ یہ شخص پہلے محض ایک کمپونڈر تھا۔ لیکن اس نے

خود کو ڈاکٹر کہنا شروع کر دیا۔ پہلے یہ راولپنڈی صدر میں ڈاکٹر جگت سنگھ کی دوکان میں کام کرتا تھا اور پھر ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۲ء تک نوشہرہ چھاؤنی میں ایچ ڈی ٹھاکر داس کیمسٹ اینڈ ڈرگسٹ کی دوکان میں شریک رہا۔ غبن کا شبہ ہونے پر اس نے اس دوکان سے اپنا تعلق توڑ لیا۔ اور فروری ۱۹۱۳ء میں نوکری کی تلاش میں سمندر پار چلا گیا۔ وہ رنگون پینانگ سنگاپور، ہانگ کانگ جاپان وغیرہ مقامات کو گیا اور جولائی ۱۹۱۳ء میں سان فرانسسکو گیا۔ جہاں اس کی ملاقات ہردیال سنگھ اور اس کی انقلابی پارٹی سے ہوئی۔ جنہوں نے اس میں برطانیہ کے خلاف خیالات بھڑکائے۔ اسے افغانستان بھیجا گیا۔ تاکہ اس حکومت سے طے کرے کہ آئندہ جو انقلابی بھاگ کر افغانستان جائیں ان کا تحفظ کیا جائے سان فرانسسکو میں ایک ماہ قیام کرنے کے بعد وہ شنگھائی، جاپان، ہانگ کانگ، ریاست ہائے ملایا اور برما ہوتا ہوا اور ان ملکوں میں انقلاب پسندوں سے ملاقات کرتا ہوا مارچ ۱۹۱۴ء میں مدراس پہنچا۔ کسی نامعلوم وجہ سے وہ جولائی ۱۹۱۴ء میں شنگھائی واپس گیا۔ جنگ شروع ہونے کے بعد نومبر ۱۹۱۴ء میں وہ پھر ہندوستان آیا اور سیدھا پنجاب پہنچا۔ اس کے بعد بے چینی کے دور میں معلوم ہوا کہ وہ امرتسر اور دوسرے مقامات پر بم بناتا رہا۔ جب لاہور میں کچھ گرفتاریاں کی گئیں تو وہ ہرنام سنگھ عرف ارجن سنگھ ساکن کٹھوعہ کے ہمراہ سرحد پار کر کے تیراہ بھاگ گیا اور وہاں سے پیش بلک پہنچ گیا افغان حکام نے ان کو وہاں گرفتار کر لیا۔ اور حراست میں کابل پہنچا دیا۔ دونوں کو جیل میں رکھا گیا۔ لیکن راجہ مہندر پرتاپ کی سفارش پر سردار نصراللہ خاں نے ان کو رہا کر دیا۔ اس کے بعد سے وہ کابل میں انٹی برٹش پارٹی کے سرگرم اور مستقل ممبر بن گئے۔ متھرا سنگھ نے وہاں سے ہندوستانی فوجیوں کو بغاوت پر اکسانے کے لئے خطوط، مردان میں مامور گائڈس کیویلری کے دفعدار ہرچرن سنگھ کو اور راولپنڈی میں بھائی ہرنام سنگھ کے نام روانہ کئے۔ مارچ ۱۹۱۶ء میں ڈاکٹر متھرا سنگھ اور لاہور کا ایک جہادی طالب علم خوشی محمد راجہ مہندر پرتاپ سنگھ کا ایک خط گورنر تاشقند کے لئے اور دوسرا خط جو سونے کی طشتری میں زار روس کے لئے تھا۔ اپنے ساتھ لے کر خفیہ مشن پر روانہ ہوئے جن میں

حکومت روس سے درخواست کی گئی تھی کہ اگر افغانستان ہندوستان پر حملہ آور ہو تو روس غیر جانب دار رہے۔ یہ مشن مئی ۱۹۱۶ء میں ہندوستان واپس آگیا۔ متھرا سنگھ شیخ عبدالقادر کے ہمراہ جولائی ۱۹۱۶ء میں راجہ مہندر پرتاپ اور ایم برکت اللہ کے خطوط چین کے ڈاکٹر سن یات سین اور جاپان کے شاہ میکاڈو اور کاؤنٹ اوکاما کے نام لے کر روانہ ہوئے ان کے پاس گیارہ ہزار پونڈ کے چیک تھے۔ کچھ چیک نیو یارک کے رمش بینک (جرمن بینک) اور کچھ چیک جاپان کے اسپینی بینک کے نام تھے۔ اور باقی ماندہ چیک سان فرانسسکو کے انٹرنیشنل بنکنگ کارپوریشن کے نام تھے یہ چیک چین اور جاپان میں مقامی بینکوں کی معرفت کیش کرانے تھے متھرا سنگھ اور عبدالقادر نے روسی ترکستان کے راستے سے سفر کیا لیکن روسی علاقہ میں پہنچنے کے کچھ دیر بعد ان کو روسی حکام نے گرفتار کرلیا۔ ان کو مشہد لے جا کر برطانوی قونصل جنرل کے حوالہ کردیا گیا۔ بالآخر ان کو لاہور پہنچا دیا گیا۔ ایک اسپیشل ٹریبونل نے متھرا سنگھ کے خلاف مارچ ۱۹۱۷ء میں مقدمہ کی سماعت کی۔ اس کو ضابطۂ فوجداری کی دفعات (۱۲۱) (۱۲۱ الف اور $\frac{302}{109}$ کے تحت اور دوسرے جرائم کا مجرم قرار دے دیا گیا۔ اور موت کا حکم سنادیا گیا جس پر عملدرآمد کے لئے ۲۱ مارچ کا دن مقرر کیا گیا۔

۱۳۰۔ مطلوب

حضرت مولانا کے نام خط میں اس کا ذکر آیا ہے۔ مطلوب الرحمٰن بھائی ہے حبیب الرحمٰن کا جو مدرسہ دیوبند کے نائب مہتمم ہیں دوسرے بھائی یہ ہیں۔ مفتی عزیز الرحمٰن، شبیر احمد (جو دیوبند کے مدرسہ میں مدرس ہیں) وہ کان پور کے ایگریکلچرل ڈیپارٹمنٹ میں ملازم ہے۔ مولانا محمود الحسن کا پکا مرید ہے۔ اور جہاد کا سرگرم حامی ہے۔ دیوبند کے خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں محمود الحسن کے ہمراہ عرب گیا۔ اور پہلے ہی جہاز سے یہ معلوم کرنے کے لئے واپس آگیا کہ کیا مولانا کی واپسی کے لئے ہندوستان محفوظ ہے۔

سازشیوں کے تیار شدہ منصوبے کے مطابق مطلوب الرحمٰن اور محمد میاں

عرف منصور کو حجاز سے واپسی پر جہاد کے لئے زبردست کوششیں کرنی تھیں۔

۱۳۱۔ مطلوب الرحمٰن

دیکھئے مطلوب

۱۳۲۔ مولانا سیف

دیکھئے سیف الرحمٰن مولوی صاحب

۱۳۳۔ مولوی احمد چکوالی

دیکھئے ابو محمد احمد مولوی ساکن لاہور

۱۳۴۔ مولوی احمد ساکن رام پور

دیکھئے رام پوری مولوی

۱۳۵۔ مولوی محمود

دیکھئے فضل محمود

۱۳۶۔ مولوی شائق

دیکھئے شائق احمد مولوی

۱۳۷۔ مظہر الدین مولوی

شیر کوٹ ضلع بجنور (صوبہ جات متحدہ) کے شیخ علی بخش کا لڑکا، دیوبند اور مدرسہ الٰہیات کانپور میں تعلیم پائی ہے۔ تکمیل درس کے بعد اس نے آخر الذکر

اداں کے لئے بہت کافی تقریریں کیں اور چندہ جمع کیا آخر میں اسے اس مدرسہ میں منیجر مقرر کر دیا گیا۔ بعد میں مولانا عبید اللہ نے اس کی خدمات حاصل کر لیں۔ اور جمعیۃ الانصار کا سفیر مقرر کر دیا۔ اس جماعت کی جانب سے اس نے ملک میں بہت زیادہ سفر کیا۔ جنگ بلقان کے وقت کلکتہ میں قاسم المعارف سے بحیثیت مولوی وابستہ رہا۔ جو کلکتہ میں جمعیۃ الانصار کی شاخ تھی جہاں اس نے ہلال احمر کے لئے روپیہ جمع کیا۔ جمعیۃ الانصار کے خاتمہ کے بعد وہ دیوبند سے چلا گیا اور بعد میں یعنی اکتوبر ۱۹۱۴ء میں اسے نظارۃ المعارف القرآنیہ دلی کا سفیر مقرر کر دیا گیا۔ ۱۹۱۵ء میں اس نے اس عہدہ کو چھوڑ دیا جبکہ عبید اللہ مفقود الخبر ہو گیا تھا۔ اور اس نے کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے تحت دارالارشاد میں بحیثیت استاد اور "البلاغ" میں بحیثیت ایڈیٹر ملازمت قبول کر لی۔ وہ مولانا محمود الحسن کا مرید ہے اور دیوبند کے خفیہ جلسوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔ جب ڈیفنس ایکٹ کے تحت مولانا ابوالکلام آزاد کو کلکتہ سے نکال دیا گیا تو مظہر الدین نے مختصر مدت تک ادیب اور رسالت کے شعبہ ادارت میں کام کیا۔

۱۳۸۔ محی الدین خاں مولانا

محی الدین عرف   برکت علی بی۔ اے پسر عبدالقادر پاپڑ بر ساکن قصور۔ محمد علی بی اے سابق پرنسپل جیبیہ کالج کابل اس کا بھائی ہے۔ قصور و لاہور میں تعلیم پائی۔ اسلامیہ کالج لاہور سے ڈگری لی۔ کچھ عرصہ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ میں ہیڈ ماسٹر رہا۔ بعد میں وہ   دارالارشاد کلکتہ میں طالب علم رہا۔ جس کے بعد اس نے "اقدام" شروع کیا۔ عبید اللہ، ابوالکلام آزاد اور کلکتہ کے نجم الدین احمد کا گہرا دوست ہے قاضی ضیاء الدین ایم اے، خواجہ عبدالحئی، عبدالکریم عرف ڈاکٹر صدرالدین، ایم احمد علی، ایس ایم سعید ساکن قصور وغیرہ وغیرہ اس کے ساتھیوں میں ہیں۔ ڈاکٹر صدرالدین سرحد پار کے علاقہ سے واپسی میں محی الدین کے پاس قصور میں ٹھہرے

تھے۔ (عبید اللہ سندھی کابل سے جو خط اور فتاوی مولانا ابو الکلام آزاد کے لئے لائے تھے وہ اس کے ذریعہ سے پہنچائے گئے تھے) ستمبر ۱۹۱۶ء میں محی الدین کو گرفتار کیا گیا تھا۔ اب داسو یا ضلع ہوشیار پور میں ہے۔ یہاں اس کی نقل و حرکت پر پابندی ہے جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹنٹ جنرل ہے۔

۱۳۹۔ محی الدین نواب

دیکھئے قاضی صاحب

۱۴۰۔ محی الدین قاضی

دیکھئے قاضی صاحب

۱۴۱۔ محسن مولوی

واقعات ما بعد جدہ کے بیان میں جو خط حضرت مولانا کے نام عبید اللہ نے لکھا ہے اس میں یہ نام آیا ہے مولوی محمد محسن مولانا محمود الحسن کا چھوٹا بھائی ہے۔ دیوبند میں وہ کسی جگہ امام ہے۔ سید نور الحسن رتھیڑی ضلع مظفر نگر کا دوست ہے۔

۱۴۲۔ مہاجر

جمع مہاجرین۔ حضرت مولانا کے نام عبید اللہ کے خط میں یہ لفظ آیا ہے۔ لغوی معنی میں ہجرت کرنے والا۔ اس کا تاریخی اطلاق پیغمبر صاحب اور ان کے صحابہ پر ہوتا ہے جو مکہ والے مخالفوں سے پناہ لینے کے لئے ۶۲۲ء میں مدینہ روانہ ہوئے تھے اس کیلنڈر کا آغاز اسی وقت سے ہوتا ہے۔ اب مہاجر کا اطلاق اس مسلمان پر ہوتا ہے جو کافروں کے مقبوضہ ملک سے ترک وطن کرے۔ اس ضمن میں اس کا

اطلاق اُن مسلم طلباء پر ہوتا ہے جو فروری ۱۹۱۵ء میں لاہور سے ترک وطن کر کے افغانستان یا آزاد علاقہ کو چلے گئے تھے جن میں سیف الرحمٰن فضل ربی فضل محمود وغیرہ بھی شامل ہیں۔ جو فرداً فرداً یا اجتماعی طور پر ان کے پیچھے پہنچے۔

۱۴۳۔ محمد عبداللہ انصاری مولوی

دیکھئے عبداللہ انصاری مولوی

۱۴۴۔ محمد احمد حافظ شمس العلماء

(۱) پسر محمد قاسم بانیٔ مدرسہ دیوبند۔ یہ مدرسہ کا مہتمم یا پرنسپل ہے اور وفادار ہے۔

۱۴۵۔ محمد اکبر حاجی

(۱) صدر امداد یہ مدرسہ مراد آباد، یہ مکہ کیساتھ تاجروں سے کاروبار کرتا ہے۔ جہاں اس کا لڑکا عبدالسلام شاید اس کا نمائندہ ہے۔ اپنے بیٹے کے واسطے سے یہ مولانا محمود الحسن اور ہندوستان میں اس کے رشتہ داروں اور دوستوں میں خط و کتابت کا ذریعہ بن گیا۔ مطلوب الرحمٰن کو اسی کے ذریعہ مولانا کو اطلاع دینی تھی کہ وہ ہندوستان آئے یا نہ آئے۔

۱۴۶۔ محمد علی

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے۔ محمد علی ایم اے رام پور ریاست صوبہ جات متحدہ کا ہے۔ اور دلی کے اخبار "کامریڈ" کا بدنام ایڈیٹر ہے۔ اتحاد اسلامی کا آتش بیان حامی ہے ترکوں سے زبردست ہمدردی رکھتا ہے۔ شوکت علی کا بھائی، ڈاکٹر انصاری کا گہرا دوست ہے۔ عبیداللہ کا قریبی ساتھی ہے صوبہ جات متوسط میں ۱۹۱۵ء میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔

۱۴۷۔ محمد علی بی اے آف قصور

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ عبدالقادر پلیڈر قصور کا لڑکا ہے اور محی الدین عرف برکت علی کا بھائی ہے۔ ڈگری لینے کے بعد سول سروس کا امتحان دینے انگلینڈ گیا تھا۔ لیکن امتحان پاس نہ کر سکا اور ۱۹۱۴ء میں ہندوستان واپس آگیا۔ ایم عبیداللہ کی سفارش سے ۱۹۱۵ء میں حبیبیہ کالج کابل کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسے اور شیخ ابراہیم سندھی کو عبیداللہ نے خاص طور سے کابل طلب کیا تھا۔ تاکہ وہ نوجوان افغان کو جہاد کے لئے تیار کر سکیں۔ سازش کا سرگرم رکن تھا۔ سول لائنز کابل میں جرمن مشن کے ساتھ خفیہ ملاقاتوں میں نمایاں طور سے شریک ہوتا تھا۔ حکومت موقتہ ہندیہ کے بانیوں میں سے ایک ہے۔ تجویز تھی کہ محمد علی اور شیخ ابراہیم سندھی کو جرمنی اور ترکی روانہ کیا جائے۔ تاکہ پچاس ہزار نفری پر مشتمل جرمن ترک بھیجنے کی درخواست کریں جو ہندوستان پر حملہ کے وقت افغان فوج کی رہنمائی کرے۔ لیکن راجہ مہندر پرتاپ اور نان ہنیٹگ میں اختلاف کے باعث یہ تجویز ختم کر دی گئی جون ۱۹۱۶ء میں اسے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء کو سرحد پار کے تمام ملاؤں اور خانوں کے لئے سردار نصراللہ خاں کے خطوط لے کر انقلابی پارٹی کے ہمراہ آزاد علاقہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ جن میں ان سے متحد ہونے اور برطانیہ کے خلاف جنگ کرنے پر اصرار کیا گیا تھا۔ اس وقت شاید ثمرقند میں ہے۔

۱۴۸۔ محمد علی آف سندھ

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر ہے۔ یہ شخص شاید محمد علی پسر شیخ حبیب اللہ سکنہ بابو چک ضلع گوجرانوالہ ہے۔ یہ شخص ایم احمد علی نائب ناظم نظارۃ المعارف القرآنیہ دلی کا بھائی ہے۔ جولائی ۱۹۱۵ء میں عبیداللہ کے ہمراہ کابل چلا گیا تھا۔ اور شیخ عبدالحق

حامل ریشمی خطوط کے ہمراہ کسی خفیہ مشن پر واپس آیا تھا. اس نے ایم احمد علی کو کچھ اہم اطلاعات بھی پہنچائی تھیں مولوی ابو احمد سے صوفی مسجد میں ملاقات کی تھی. اور انہیں ایم عبد الرحیم کا ایک زبانی پیغام دیا تھا کہ چندہ وصول نہیں ہو رہا. ایم احمد علی سے بھی ملاقات کی تھی اور پھر ان کے ہمراہ دلی آیا تھا اور پھر وہاں سے بندرابن گیا تھا. تاکہ راجہ مہندر پرتاپ کا ایک خط ان کے قائم کردہ اسکول پریم مہاودیالیہ کے ایک ہندو ٹیچر کو دے سکے. یہ خط راجہ مہندر پرتاپ کے بھائی کو دکھا کر ان سے روپیہ لینا تھا. راجہ مہندر پرتاپ نے کافی روپیہ مانگا تھا. لیکن محمد علی کو صرف ایک ہزار روپیہ دیا گیا. اور دو سو روپے اس کے مصارف کے واسطے دیئے گئے. اس روپیہ سے وہ دلی واپس آیا. دوسرے دن پانی پت کو روانہ ہو گیا تاکہ حمد اللہ سے محمد میاں کے گھر والوں کے بارے میں معلومات حاصل کرے. اس کے بعد وہ کابل چلا گیا.

۱۴۹. محمد اسلم

قصہ خوانی بازار پشاور کا ایک عطار اور سرحد پار مولوی عبد الرحیم عرف بشیر، فضل محمود اور دوسرے جہادیوں کا شریک کار. اس کے ذمہ تھا کہ پنجاب اور ملک کے زیریں حصہ کے آدمیوں کو سرحد پار کے علاقوں میں پہنچاتے ستمبر ۱۹۱۵ء میں اسے گرفتار کر لیا گیا.

۱۵۰. محمد حنیف مولوی

دیکھئے حنیف مولوی

۱۵۱. محمد حسن بی اے

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ کرنل ہے. محمد حسین خاں بی اے

پسر چودھری غلام محمد خاں کورٹ انسپکٹر پولیس سکنہ تلونڈی رائیکی ضلع لدھیانہ۔ لاہور کے جہادی طلباء میں سے ایک ہے (لا کالج لاہور) طلباء کی اصل جماعت کے ہمراہ روانہ ہونے کے ایک دن بعد ہری پور پہنچا اور لاہور واپس آنا مناسب خیال کیا۔

۱۵۲۔ محمد حسن مولوی آف مراد آباد

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ بھوپال اسٹیٹ کونسل کا ممبر ہے۔ مولانا محمود الحسن کی جماعت کے سربرآوردہ وابستگان میں سے ہے۔ دیوبند کمیٹی کا بھی ممبر ہے۔

۱۵۳۔ محمد حسن مہاجر

پسر غلام نبی کاتب پیسہ اخبار لاہور۔ فروری ۱۹۱۵ء میں جب لاہور کے جہادی طلباء کے ساتھ فرار ہو کر سرحد پار مجاہدین میں پہنچا تو اسلامیہ کالج کا طالب علم تھا ۱۰ رجولائی ۱۹۱۶ء کو سرحد کے ملاؤں وغیرہ کے لئے سردار نصر اللہ خاں کے خفیہ خطوط لے کر کابل سے روانہ ہوا۔ جن میں زور دیا گیا تھا کہ متحد ہو کر برطانیہ کے خلاف جنگ کریں۔ ابھی تک آزاد علاقہ میں ہے۔

۱۵۴۔ محمد حسن خیاط آف حیدر آباد (سندھ)

حیدر آباد کے شیخ عبد الرحیم (۱) کا ساتھی جس کے نام تشریکی ریشمی خط روانہ کیا گیا تھا۔ صدر بازار کے قریب کا چوا لاہود' اسٹریٹ میں رہتا ہے۔ شیخ عبدالرحیم نے اسے دین پور ریاست بہاولپور بھیجا تھا۔ تاکہ وہ ریشمی خطوط لے آئے جو شیخ عبدالحق نے کابل سے روانہ کئے تھے۔ لیکن وہ اتنی تاخیر سے پہنچا کہ انہیں حاصل نہ کر سکا۔ کیونکہ یہ خطوط خان بہادر رب نواز خاں کے حوالہ کر دیئے گئے تھے۔

۱۵۵۔ محمد حسین

واقعات بعد از جدہ کے بیان حضرت مولانا کے نام عبید اللہ کے خط میں اس کا تذکرہ ہے شاید یہ وہی حافظ محمد حسین ہے جو راندیر ضلع سورت کے حافظ محمد اسمٰعیل کا لڑکا ہے۔ دیوبند میں تعلیم پائی ہے۔ مولانا محمود الحسن نے عرب روانہ ہونے سے قبل ان کی مدد کی کہ کافی روپیہ جمع کر سکیں۔ مولانا کے رخصت کرنے کے لئے بمبئی تک گیا۔ جب مولانا محمد میاں اور اُن کی پارٹی مکہ سے واپس ہوئی تو استقبال کرنے کے لئے یہ بمبئی گیا تھا۔

۱۵۶۔ محمد الٰہی ریل کی پٹریاں جمانے والا

پسر میراں بخش خرادی ریٹائرڈ سب دے انسپکٹر محلہ خرادیاں وزیر آباد۔ برادر مولوی فضل الٰہی وزیر آباد احمدی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں ہری پور میں پرمانںٹ دے انسپکٹر تھا۔ اس نے جہادی طلباء کو سرحد پار کرنے میں مدد دی تھی اب اس کا تبادلہ سکھر ضلع میں کر دیا گیا ہے۔

۱۵۷۔ محمد اسمٰعیل خاں حکیم سید اجمیری بمبئی

خیال ہے کہ اس کا خاندان اصل میں گنگوہ ضلع سہارنپور (صوبہ جات متحدہ) کا ہے۔ بعد میں وہ اجمیر میں متوطن ہو گئے۔ پھر وہ بمبئی میں بس گئے جہاں محمد اسمٰعیل بہت مشہور طبیب ہے جب مولانا محمود الحسن عرب جا رہے تھے۔ تو محمد اسمعیل ریلوے اسٹیشن بمبئی پران کا استقبال کرنے آیا تھا۔ مولوی مرتضیٰ حسن قاضی محی الدین آف بھوپال اور اُن کی جماعت کے کچھ لوگ اس کے مکان پر ٹھہرے جہاں اس نے ان کی ضیافت کی یہ شخص اُن لوگوں میں سے ایک ہے جن سے مولانا محمود الحسن نے کہا تھا کہ وہ جن لوگوں کو پیچھے چھوڑے جا رہے ہیں ان کی دیکھ بھال کریں۔ کہا جاتا ہے

اسے مولانا سے بڑا لگاؤ تھا۔ لیکن جب مطلوب الرحمٰن نے عرب سے واپسی میں اس سے کہا کہ وہ بمبئی میں غالب پاشا کی جہاد کی اسکیم کے نمایندہ کے طور پر کام کرے تو اس نے اس جماعت سے کسی بھی قسم کا تعلق رکھنے سے انکار کر دیا۔ وہ محلہ کھرالے میں رہتا ہے

۱۵۸۔ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی

وہابی تحریک کا بدنام مولوی اسمٰعیل دہلوی جو غدر کے وقت اپنے گھر سے فرار ہو گیا۔ اور جس نے مجاہدین کی بستی قائم کی انتہائی کٹر اور متعصب تھا۔ اس نے ایک کتاب سوانح احمدی تالیف کی جس میں مختلف بادشاہوں اور امیروں سے اس کی خط و کتابت شامل ہے۔ جس میں انہیں سکھوں کے خلاف جہاد کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ کتاب نایاب بتائی جاتی ہے۔ یہ بھی خبر تھی کہ زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔ صوفی اکبر پریس پنڈی بہاء الدین ضلع گجرات میں اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ سی آئی ڈی اس کا کوئی نسخہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ مولوی نعمت اللہ جو اس وقت ہندوستانی متعصبوں کا رئیس ہے۔ ایم اسمٰعیل کا پوتا ہے۔

۱۵۹۔ محمد مسعود مولوی

دیکھئے مسعود

۱۶۰۔ محمد میاں مولوی عرف مولوی منصور

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے۔ تشریحی ریشمی خط بنام شیخ عبدالرحیم حیدر آباد سندھ میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ مولوی محمد میاں، مولوی عبداللہ پروفیسر دینیات ایم۔ اے۔ او کالج علی گڈھ کا لڑکا اور شمس العلماء حافظ احمد پرنسپل مدرسہ دیوبند کا بھانجا ہے۔ وہ انبیٹھہ ضلع سہارنپور کا باشندہ ہے۔ اس نے دیوبند میں تعلیم پائی ہے۔ جب مولوی ابو احمد جمعیۃ الانصار کے نائب ناظم تھے۔

تب وہ وہاں پر طالب علم تھا۔ تکمیل تعلیم کے بعد وہ کچھ عرصہ تک نگینہ میں ملازم رہا۔ بعد میں دارالعلوم دیوبند میں ملازم رکھ لیا گیا۔ جہاں وہ مولانا محمود الحسن کا مرید ہو گیا اسے ان سے گہری وابستگی ہے۔ وہ سازش کا اہم رکن ہے۔ دیوبند میں خفیہ جلسوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن کے ہمراہ حجاز گیا۔ جماعت کے خازن کے طور پر کام کیا اپریل ۱۹۱۶ء میں غالب نامہ ساتھ لے کر واپس آیا۔ جو ہندوستان میں اور آزاد علاقہ میں سازشیوں کو دکھانے کے بعد وہ کابل لے گیا جہاں وہ جون ۱۹۱۶ء میں پہنچا۔ ابھی تک وہ عبید اللہ وغیرہ کے ساتھ کابل میں ہے شاید حضرت مولانا کے نام خط اسی نے تحریر کیا ہے

۱۶۱۔ محمد محسن مولوی

دیکھئے محسن مولوی

۱۶۲۔ محمد مبین مولوی

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ دیوبند کے حاجی محمد مومن کا لڑکا ہے۔ مدرسہ اسلامیہ سہارنپور میں تعلیم پائی ہے۔ جہاں مولوی خلیل احمد کا شاگرد تھا۔ تکمیل درس کے بعد اسے مدرسہ اسلامیہ انبالہ میں مدرسی کی ملازمت مل گئی۔ اسی وقت سے وہاں پر کام کر رہا ہے۔ اگرچہ وہ مولوی خلیل احمد کا مرید ہے۔ لیکن مولانا محمود الحسن کے عرب جانے سے چھ ماہ پہلے ان کا سخت معتقد ہو گیا۔ اس کی سازش کا ایک رکن بن گیا۔ دیوبند کی خفیہ میٹنگوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ مولانا محمود الحسن کے سفر حجاز کے لئے میرٹھ، دلی، راندیر، کلکتہ، رنگون وغیرہ سے رقوم جمع کیں۔ محمود الحسن کی روانگی کے وقت ستمبر ۱۹۱۵ء میں محمد مبین کو کلکتہ روانہ کیا گیا تاکہ مولانا ابوالکلام آزاد کو مولانا کی ہجرت کا سبب بتا سکے۔ اور وہاں سے ان کا جواب مولانا کو بمبئی پہنچائے محمد میاں عرف مولوی منصور نے غالب نامہ لے کر کابل روانہ ہونے سے پہلے اس

سے انبالہ میں ملاقات کی۔

(نوٹ) محمد مبین خطیب کے نام سے بھی مشہور ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ نماز عیدین کے خطبہ پڑھنے والا حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے خط میں خطیب کا جو لفظ آیا ہے۔ شاید اس کا اشارہ اسی کی طرف ہو۔

۱۶۳۔ محمد صادق مولوی آف سندھ

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ سندھ کے انتہائی کٹر وہابیوں میں شامل ہے۔ شیخ ابراہیم ایم اے سابق پروفیسر حبیبیہ کالج کابل اس کا بھتیجا ہے۔ جنگ چھڑنے کے بعد سے یہ شخص روپوش رہ کر جہاد کے لئے پروپیگنڈہ کر رہا ہے۔ عبیداللہ پیر جھنڈے والا اور دوسرے منحرف سرہندی سندھی پیروں کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ ۱۹۱۵ء میں اور ۱۹۱۶ء کے شروع میں قلات (بلوچستان) کی شورشوں میں اس کا ہاتھ ہے۔ اب وہ کاروار میں نظر بند ہے۔

۱۶۴۔ محمد سہول مولوی

مولوی محمد سہول آف پرینی ضلع دربھنگہ بہار کانپور میں مولانا احمد حسن کی نگرانی میں تعلیم پائی اور دیوبند میں مولانا محمود الحسن سے تعلیم حاصل کی۔ لیکن آخر الذکر مقام پر وہ پانی پت کے ایم حمداللہ کا ہم درس تھا۔ وہ مولانا رشید احمد گنگوہی کا مرید تھا۔ تکمیل درس کے بعد مولوی سہول نے دیوبند کے مدرسہ میں چند سال تک مدرس کی حیثیت سے کام کیا۔ جس کے بعد وہ مدرسہ عالیہ عربیہ کلکتہ کے اسٹاف میں شامل ہو گئے۔ جہاں اب وہ سینیر مدرس ہیں۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن کے ہمراہ عرب چلا گیا تھا اور محمد میاں و مرتضیٰ حسن کے ہمراہ واپس آیا تھا۔ شاید سازش جہاد میں شامل تھا۔ دیوبند اور مکہ میں خفیہ جلسوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔

ستمبر ۱۹۱۶ء میں بدست محمد مسعود مولانا محمود الحسن کو روپیہ بھی روانہ کیا تھا۔

۱۶۵۔ محمد سعید مولوی

مدرسہ صولتیہ مکہ کے عملہ سے تعلق رکھتا ہے۔ غالباً یہ ہندوستانی ہے مکہ میں دھرم پور رباط میں مولانا محمود الحسن کے خفیہ مشوروں میں شامل ہوا کرتا تھا۔

۱۶۶۔ محمد سلیم

جنود ربانیہ کی فہرست میں کپتان ہے۔ اس شخص کی شناخت نہیں ہو سکی۔

۱۶۷۔ محمد طرزی

مدیر "سراج الاخبار" کابل و خسر پرنس عنایت اللہ جان۔ اتحاد اسلامی کا زبردست حامی ہے۔ اس نے ایم عبید اللہ کا تعارف پرنس عنایت اللہ سے کرایا تھا اور دوسرے طریقوں سے بھی اس کی اسکیموں میں مدد کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ محمد طرزی، ابوالکلام آزاد اور محی الدین عرف برکت علی قصوری کا گہرا دوست ہے۔

۱۶۸۔ محمد یوسف مولوی گنگوہی

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ مولوی محمد یوسف گنگوہی. مولانا رشید احمد گنگوہی کا نواسہ ہے۔ جو مولانا محمود الحسن کا پیر ہے۔ اٹاوہ کے کنال ڈیپارٹمنٹ میں ضلعدار ہے۔ جنگ بلقان کے موقعہ پر ڈاکٹر انصاری کے ہمراہ ترکی گیا تھا۔ مولانا محمود الحسن سے اس کا تعلق ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ مرید ہے یا نہیں۔

۱۶۹۔ مجاہدین

مجاہدین لفظ مجاہد کی جمع ہے۔ مجاہد کے معنی وہ شخص جو مقدس جنگ کرے

مجاہدین یا ہندوستانی متعصبین ایک اصطلاح ہے. جس کا اطلاق ہندوستان خصوصاً وادی گنگا سے ترک وطن کرنے والوں کی کالونی پر ہوتا ہے۔ جو بریلی کے مولوی سید احمد شہید کی قیادت میں سرحد پار کے یوسف زئی کے علاقہ میں ۱۸۲۳ء میں قائم کی گئی تھی. سید احمد شہید نے عرب کا سفر کیا تھا. جہاں اس پر نجدیوں کی وہابی کٹرپن کی تحریک کا رنگ چڑھ گیا. ہندوستان میں وہ وہابی تحریک کے بانیوں میں سے ہے مجاہدین کی بستی قائم کرنے سے ان کا اصل مقصد "بے دین" سکھوں کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانا تھا. جو اس وقت پشاور تک پنجاب کے حکمران تھے۔ اس بستی کے قیام کے بعد سے اس کے باشندوں اور ہندوستانی وہابیوں کے درمیان بہت قریبی تعلق رہا ہے. ۱۸۵۷ء کے غدر میں ہندوستانی متعصبوں نے انتہائی کوشش کی کہ سرحد پر عام جنگ کی آگ بھڑک اُٹھے۔

۱۸۶۵ء میں وہابیوں کے خلاف مقدمات سے ظاہر ہوتا ہے. کہ ہندوستانی متعصبوں کا ہندوستان میں اپنے بھائیوں کے ساتھ گہرا تعاون رہا ہے. گذشتہ کئی برسوں کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانی متعصب ہر وقت سرحدی لڑائیوں میں مصروف رہے ہیں. ہندوستان سے نئے بھرتی ہونے والوں کی وجہ سے ان کی تعداد برقرار رہتی ہے. اس طرح ہندوستانی کا اصل مفہوم (یعنی ہندوستان کے لوگ) الہٰم اب بھی صادق آتا ہے. پچھلے برسوں میں ان کی شرانگیزی کی طاقت میں کافی کمی ہوگئی تھی. لیکن ۱۹۱۵ء میں ان کی سرگرمیاں پھر نمایاں طور سے مشاہدہ میں آئیں. ہندوستانی متعصبوں کی اس قیام گاہ کو ہندوستان کو فرار ہونے والے اکثر پناہ گاہ کے طور پر استعمال کرنے لگے۔

لاہور کے جن جہادی طلباء نے فروری ۱۹۱۵ء میں سرحد پار کی تھی اور بعض دوسرے منحرف لوگ جنہوں نے ان کی پیروی کی تھی. یعنی (مولوی عبدالرحیم عرف بشیر، ایم ولی محمد فتوحی والا. برکت علی برطرف شدہ سب جج لائل پور وغیرہ) ان سب نے پہلے مرحلہ میں مجاہدین کے پاس پناہ لی. بعض صورتوں میں پنجاب میں غدر

پارٹی کی شورشوں کے بعد سکھوں نے ان متعصب لوگوں میں پناہ لی۔ ہندوستانی اور پنجاب، دلی، بہار، بنگال اور سندھ کے وہابیوں کے درمیان بڑا گہرا رابطہ ہے۔ اور اس بات کا یقین کرنے کی کافی وجوہات ہیں کہ ان صوبہ جات سے نقد روپے اور والنٹیروں کے ذریعہ ان کی زبردست امداد کی جاتی ہے۔ امیر بھی ان کو دو ہزار روپے سالانہ کی امداد دیتا ہے۔

ان متعصبوں کی عددی طاقت مختلف اندازوں کے مطابق چھ سو اور دو ہزار کے درمیان ہے۔ ان میں سے چار سو جنگ کے قابل ہیں۔ جو مُنہ کی طرف سے بھری جانے والی بندوقوں۔ جدید ترین قسم کی چند توڑے دار بندوقوں سے لیس ہیں۔ ان کا ہیڈ کوارٹر اسمس میں ہے۔ جو مداخیل کے علاقہ میں دربند سے تیس میل شمال مغرب میں ہے۔ کسی کسی وقت یہ لوگ فوجی مشقیں کرتے ہیں۔ ورنہ زیادہ تر کاہلی کی زندگی گذارتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ اکیلے ہیں۔ ان میں بہت ہی کم لوگوں کے بیوی بچے ان کے ساتھ ہیں۔ متعصبوں کے لیڈر کو امیر یا رئیس کہا جاتا ہے۔ مولوی نعمت اللہ اس وقت ان کا امیر ہے۔ جو عبداللہ کا لڑکا اور دلی کے مشہور مولوی اسمٰعیل کا پوتا ہے جو غدر کے وقت اپنے گھر سے مفقود الخبر ہو گئے تھے۔ ان کا قریب ترین پڑوسی امب کا نواب ہے۔ جس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ مولوی نعمت اللہ کا شاگرد ہے۔ سردار نصر اللہ خاں جو کابل میں ہے۔ ان کی ضرورتوں اور معاملات میں بڑی دلچسپی لیتا ہے۔ مولوی عبدالرحیم عرف بشیر مجاہدین کا وکیل ہے۔ اور ان کے اور نائب السلطنت کابل کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔ وہ گولی بارود اور روپیہ لانے کے لئے اکثر اس جگہ کا دورہ کرتا رہتا ہے۔

۱۹۱۶ء میں ہندوستانی متعصبوں نے افغان سرحد پر مقام چمرقند میں اپنی بستی کی ایک شاخ قائم کی۔ تاکہ کابل سے قریبی رابطہ قائم رکھ سکیں۔ مولوی عبدالکریم سابق فوجی کمانڈر اسمس اس ذیلی بستی کا امیر ہے۔ اسمس میں ایک پریس بھی لگایا گیا ہے۔ تاکہ جہاد کے فرامین، اعلانات اور باغیانہ پمفلٹ وغیرہ بھی چھاپ سکے۔

سرحد میں سیف الرحمٰن اور دوسرے لوگوں کی سرگرمیوں کا متعصبوں سے گہرا تعلق ہے۔ ان سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ ہندوستان میں بعض خطرناک متعصب گروہوں نے جو اگرچہ وہابی عقیدوں کے پوری طرح پابند نہیں عمداً ہندوستان میں اور سرحد پر اس پرانی تحریک کو اتحاد اسلامی اور برطانیہ دشمنی کے مقاصد کے لئے پھر زندہ کر دیا ہے۔

۱۵ اگست ۱۹۱۵ء کو مقام رستم میں جو لڑائی ہوئی اس کے لئے مہاجرین ذمہ دار ہیں اور بعض متعصبوں نے برطانوی فوجیوں کے خلاف کارروائی میں حصہ بھی لیا

۱۷۰۔ مُنیر بے

(۱) یہ ترک ڈاکٹر کابل کے سول اسپتال کا انچارج ہے۔ اس کی چشم پوشی کے باعث کابل میں اسپتال کی عمارت میں جرمن مشن کے ممبروں سے ایم عبیداللہ محمد علی بی اے، شیخ ابراہیم ایم اے اور لاہور کے دوسرے جہادی طلبا۔ کی ملاقاتیں اور مشورے ہوا کرتے تھے۔

۱۷۱۔ مرتضیٰ احسن مولوی

دیکھئے مرتضیٰ مولوی

۱۷۲۔ مرتضیٰ مولوی

واقعات ما بعد میں بیان کرتے ہوئے عبیداللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ نام آیا ہے۔ یہ اور مولوی سید مرتضیٰ حسن پسر حکیم بنیاد علی ساکن چاندپور ضلع بجنور صوبہ جات متحدہ ایک ہی شخص ہیں۔ دیوبند میں تعلیم پائی اور بعد میں بحیثیت مدرس مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں نیز مدرسہ دیوبند میں کام کرتا رہا۔ اس نے طبیب کا کام بھی کیا ہے۔ مولانا محمود الحسن کا پکا معتقد اور سازش جہاد کا

سربرآوردہ ممبر ہے۔ دیو بند کے خفیہ مشوروں میں شریک ہوا کرتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن کے ساتھ عرب گیا تھا۔ محمد میاں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ فروری ۱۹۱۶ء میں واپس آیا تھا۔ مولانا محمود الحسن اسے ساری پارٹی میں سب سے زیادہ لائق اور چالاک سمجھتے تھے۔ مولانا کے تحت وہ سب سے بڑا افسر تھا صوبہ جات متحدہ کی سی آئی ڈی نے جب اسے گرفتار کیا تو وہ مراد آباد کے کسی مدرسے میں مدرس تھا۔

۱۷۳۔ مشتاق احمد مولوی

مولوی احمد کا لڑکا جو یو، پی کا مشہور مولوی ہے۔ تقریباً گذشتہ سات برس سے وہ مدرسہ صولتیہ کے مدرّسوں میں شامل ہے۔ دیوبند کے سازشیوں کے خفیہ اجتماعات میں شامل ہوا کرتا تھا۔ جو مکہ میں دھرم پور رباط میں ہوا کرتے تھے۔

۱۷۴۔ نادر شاہ

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ ہے۔ یہ شخص لاہور ڈسٹرکٹ پولیس کا سابق لائن ہیڈ کانسٹبل نادر شاہ ہے۔ جو اپنے خسر خلیل الرحمٰن سابق ہیڈ کانسٹبل پولیس کو ۱۲ مارچ ۱۹۱۵ء کو قتل کرنے کے بعد مفرور ہو گیا تھا۔ یہ لڑکا ہے محمد شاہ قریشی کا جو موضع پائل تھانہ نوشہرہ ضلع شاہ پور کا باشندہ ہے۔ اس کا بھائی حسین شاہ گائڈس میں دفعدار ہے۔ اور ۱۹۱۵ء میں ہز ایکسیلنسی وائسرائے کے باڈی گارڈ میں خدمت انجام دے رہا تھا۔ نادر شاہ فروری یا مارچ ۱۹۱۶ء میں کابل پہنچا۔ جہاں اس کا تعلق لاہور کے جہادی طلباء اور دوسرے ہندوستانی انقلاب پسندوں سے قائم ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ برطانیہ کے خلاف منگل قبائل کی بغاوت میں اس نے حصہ لیا ہے جو ۱۹۱۵ء میں سرحد پر ہوئی تھی۔ اس نے ایک انگریز افسر اور ایک انگریز کرنل کو ہلاک کیا تھا جن کی تلواریں اب تک اس کے قبضہ میں ہیں۔

۱۰ ار جولائی ۱۹۱۶ء کو اس جماعت کے ہمراہ روانہ ہوا جو قبائلی ملاؤں وغیرہ کے لئے سردار نصر اللہ خاں کے خطوط لے کر آئی تھی۔ ان میں متحد ہو کر برطانیہ کے خلاف جنگ کرنے کے واسطے کہا گیا تھا۔ شاید اب تک آزاد علاقہ میں ہے

۱۷۵۔ نصیر احمد حافظ دہلوی

دہلی میں یہ ایک بڑا پیر بنا ہوا تھا۔ مولانا محمود الحسن کے ساتھ سازش میں یہ اچھی طرح شریک تھا۔ ایم حمد اللہ اور ایم ظہور محمد اس سے اچھی طرح واقف تھے جو اس سے اکثر ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔

۱۷۶۔ نظارۃ المعارف القرآنیہ دلی

ایک مشہور ادارہ ہے جسے ایم عبید اللہ نے جمعیۃ الانصار دیوبند سے رابطہ منقطع کرنے کے بعد یکم نومبر ۱۹۱۳ء کو قائم کیا تھا نظارۃ المعارف کا ظاہری مقصد یہ تھا کہ وہ انگریزی خواں مسلمانوں میں عربی تعلیم کا شوق پیدا کرے لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کو مشنری کی ٹریننگ دینے کا ادارہ تھا اور ان کے ذہن میں سخت متعصبانہ خیالات پیدا کرتا تھا۔ اس کام میں عبید اللہ کے خاص ساتھی ایم احمد علی قاضی ضیاء الدین ایم اے۔ اصطفیٰ کریم بی اے۔ انیس احمد بی اے وغیرہ تھے۔ جبکہ مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، محمد علی آف کامریڈ، مرحوم شبلی نعمانی، نواب مشتاق حسین وغیرہ اس کے پرجوش ہمدرد تھے۔ مصارف دو سو روپیہ مہینہ کی دربار بھوپال کی امداد، ڈاکٹر انصاری کا پچاس روپیہ ماہانہ کا چندہ اور سفیروں کے ذریعہ جمع ہونے والی رقوم سے پورے ہوتے تھے بسنہ ۱۹۱۴ء میں تجویز تھی کہ نظارہ کو کلکتہ کے دار الارشاد میں ضم کر دیا جاتے لیکن بعد میں اسے رد کر دیا گیا۔ حال ہی میں نظارہ کو اتحاد اسلامی کے منصوبوں کی تیاری کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ نیز آزاد علاقہ کو جانے والے اور وہاں سے واپس آنیوالوں

کے لئے قیام گاہ کا کام دیتا ہے۔ عبیداللہ کے فرار کابل کے بعد ایم احمد علی نے کچھ دنوں تک اس ادارہ کا انتظام چلایا۔ ۲۵ رجون ۱۹۱۶ء سے اس کا وجود ختم ہو گیا۔

۱۷۷۔ ناظم مولانا

حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے سارے خط میں یہ لفظ آیا ہے۔ شاید یہ خود عبیداللہ کی طرف اشارہ ہے جس نے یہ خط لکھا ہے۔ اور عام طور پر ناظم صاحب کہلاتا ہے۔ یعنی ناظم نظارۃ المعارف القرآنیہ۔

۱۷۸۔ نذیر احمد کاتب

پسر محمد حسین کاتب راجپوت ساکن موضع مٹیان والا ضلع گجرات۔ وہ حافظ عبدالمنان کا شاگرد ہے۔ جو وزیر آباد کا مشہور وہابی مولوی ہے۔ اسی کے ذریعہ اس کا تعارف مولوی فضل الٰہی خرادی سے ہوا۔ جس نے جہاد کا جذبہ اس کے اندر بھر دیا۔ بعد میں وہ وہابی بن گیا۔ اور فضل الٰہی نے اسے اسمس جانے پر ابھارا۔ جہاں وہ چھ ماہ مقیم رہا۔ اور جہادی پمفلٹ چھاپنے میں معاون ہوا۔ اب اپنے گاؤں میں ہے۔ اور اس کو باہر جانے کی اجازت نہیں۔

۱۷۹۔ نعمت اللہ

موجودہ امیر مجاہدین (پسر عبداللہ دلی کے مشہور مولوی اسمٰعیل کا پوتا۔ جو غدر کے وقت اپنے گھر سے فرار ہو گئے تھے۔ اور جنہوں نے اسمس میں مجاہدین کی بستی کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس کا چھوٹا بھائی رحمت اللہ اس کا نائب ہے۔

۱۸۰۔ نور الحسن سید

دیکھئے سید نور

۱۸۱. عبید اللہ

اس نے ریشمی خطوط پر دستخط کئے ہیں. پہلے سکھ تھا اس کا اصلی نام بوٹا سنگھ ہے
چیانوالی ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا ہے. اوائل عمر میں اسلام قبول کر لیا تھا.
ابتدائی تعلیم سندھ میں پائی. پھر مدرسہ دیوبند میں داخل ہوا. تکمیل درس کے بعد اس
نے بارہ برس سندھ میں گذارے. جہاں پیر جھنڈا اور نواب شاہ میں مدرسے قائم
کئے. ۱۹۱۲ء میں دیوبند واپس آگیا. جہاں جمعیۃ الانصار قائم کی. جنگ بلقان میں
بڑے پیمانہ پر ہلال احمر فنڈ کے لئے روپیہ جمع کیا اور غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کی
تبلیغ کر کے اہمیت و شہرت حاصل کر لی. بعد میں وہ دلی میں مقیم ہو گیا جہاں اس نے
نظارۃ المعارف القرآنیہ قائم کر دیا جس کا وہ اب بھی ناظم ہے. وہ مولانا ابوالکلام
آزاد، قاضی ضیاء الدین، مولوی احمد چکوالی، حسرت موہانی، محمد علی آف کامریڈ،
شوکت علی، مولوی عبدالرحمٰن عرف مولوی بشیر، مولوی غلام محمد، عبدالقادر
ساکن دین پور (ریاست بھاولپور) شیخ عبدالرحیم ساکن حیدر آباد سندھ وغیرہ وغیرہ
کا شریک کار رہا ہے.

فروری ۱۹۱۵ء میں جب لاہور کے جہادی طلبا فرار ہو کر ہندوستانی متعصبوں
کے پاس پہنچے تو وہ لاہور میں موجود تھا. مولانا محمود الحسن کا پکا مرید ہے. اس نے
حضرت مولانا پر اثر ڈالا اور بالآخر انہیں اتحاد اسلامی کا اتنا زبردست مبلغ بنا دیا.
وہ دیوبند کے خفیہ مشوروں میں شریک ہوتا تھا. قصور کے محمد علی بی اے
اور مولوی ابراہیم سندھی ایم اے جو حبیبیہ کالج کابل میں عبیداللہ کی سازش
سے پروفیسر مقرر کئے گئے تھے. فی الحقیقت، وہاں پر انقلابی کام کے لئے زمین
ہموار کرنے کے واسطے بھیجے گئے تھے. جولائی ۱۹۱۵ء براہ کوئٹہ قندھار،
افغانستان کے لئے روانہ ہو گیا. مولوی عبداللہ سندھی، فتح محمد اور محمد علی برادر احمد علی
کو اپنے ہمراہ لے گیا. اکتوبر ۱۹۱۵ء میں کابل پہنچا. پرنس عنایت اللہ جان، سردار

نصراللہ خان، اور امیر سے ملاقاتیں کیں۔ حاجی عبدالرزاق سے قریبی تعلقات قائم کئے جو نائب السلطنت کا پیش کار تھا۔ محمد طرزی مدیر سراج الاخبار نیز تارا خاں سے ملا جو امیر کی افواج کا کمانڈر انچیف تھا تعلق پیدا کیا سول سپتال کابل میں جرمن مشن کے ممبروں سے خفیہ ملاقاتیں کیں۔ عبیداللہ اور مولوی عبدالرحیم نے آزاد علاقہ کے بعض حصوں کا دورہ مشن کے جرمن و سٹرین ممبروں کو کرایا۔ وہ علم جہاد بلند کرنے کے لئے اور سارے افغانستان کو بھڑکا کر برطانیہ کے خلاف جنگ کرانے کے ارادہ سے ہندوستان سے گیا تھا۔ فروری ۱۹۱۶ء میں اس نے عبداللہ سندھی اور فتح محمد کو کابل سے جہاد کے فتوے اور خطوط دے کر اپنے خاص خاص شرکار کار کے پاس ہندوستان روانہ کیا۔ جولائی ۱۹۱۶ء میں اس نے شیخ عبدالحق کے ہاتھ حیدرآباد کے شیخ عبدالرحیم کو ریشمی خطوط روانہ کئے ان خطوط کا پتہ چل گیا۔ اور یہ حکومت کے قبضہ میں آگئے جنود ربانیہ کی فہرست میں کابل میں قائم مقام سالار ہے۔

۱۸۲۔ پاچا ملا عبدالخالق

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ پاچا کی زیارت گاہ کا نگراں اور محافظ ہے۔ جو نیر میں گدے زئی کے علاقہ کی اہم زیارت گاہ ہے۔ بظاہر عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتا۔ لیکن دوسرے اہم ملاؤں جیسے سند کی ملا وغیرہ کی آؤ بھگت کرتا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں حاجی صاحب ترنگ زئی کا ایک خط اسے ایک ہندوستانی متعصب کے ذریعہ پہنچا تھا۔

۱۸۳۔ پشاور جہادی پارٹی

اس کا اطلاق اُن چار مہاجرین پر ہوتا ہے جو ۱۹۱۵ء کے آخر میں جہاد کے لئے پشاور سے کابل پہنچے تھے۔

۱۔ فقیر محمد سکنہ مورت لکی ضلع بنوں۔ یہ کوہاٹ میں ڈسٹرکٹ اسسٹنٹ تھا

عبدالوحید فضل قادر شیر علی، طلبائے اسلامیہ ہائی اسکول پشاور
یہ لوگ شاید اب کابل میں ہیں۔

۱۸۴۔ پیر بخش

ولد علی مردان بار بر کوہاٹ سٹی۔ کوہاٹ اسکول کا ایک سابق طالب علم
یہ کوہاٹ کی جہادی جماعت کا ایک رکن تھا۔ جو لاہوری طلباء کے غائب
ہونے کے کچھ عرصہ بعد بھاگ کر آزاد علاقہ میں پہنچے تھے۔ اب شاید کابل میں ہے۔

۱۸۵۔ قاضی صاحب

واقعات مابعد جدہ بیان کرتے ہوئے عبیداللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا
ہے۔ اس میں یہ نام آیا ہے۔ یہ شخص اور قاضی محی الدین احمد خاں قاضی ریاست بھوپال
ایک ہی ہیں۔ مراد آباد (یو۔پی) کے نواب شیر علی خاں کا لڑکا ہے۔ اس کو
نواب محی الدین بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اور مولانا محمود الحسن دیوبند میں ہم سبق تھے۔
اس وقت ان کے درمیان بڑی گہری دوستی ہے۔ ایم محمود الحسن کی باغیانہ
سرگرمیوں سے اس کا بڑا گہرا تعلق تھا اور سازش جہاد کا رکن تھا۔ جب مولانا مکہ
روانہ ہوئے تو ان کو رخصت کرنے بمبئی گیا تھا۔

۱۸۶۔ رب نواز خاں، خان بہادر

ریٹائرڈ رسالدار میجر اور ملتان شہر کا آنریری مجسٹریٹ۔ مکمل وفادار شخص ہے۔
اس کے دو لڑکے اللہ نواز خاں اور شاہ نواز خاں لاہوری طلباء کی جہادی پارٹی میں
شامل ہیں۔ جو فروری ۱۹۱۵ء میں آزاد علاقہ کو بھاگ گئی تھی۔ تیسرا لڑکا پنجاب پولیس
سب انسپکٹر ہے۔ شیخ عبدالحق نے ریشمی خطوط خان بہادر کے حوالے کئے تھے۔

۱۸۷. رحمت علی مہاجر

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ کرنل ہے کرم الٰہی کلرک آفس فنانشل کمشنر لاہور کا لڑکا ہے۔ ان لاہوری طلباء (میڈیکل کالج لاہور) میں شامل ہے جو فروری ۱۹۱۵ء میں سرحد کو بھاگ گئے تھے۔ گوجرانوالہ کا باشندہ ہے۔

۱۸۸. رائے والا مولوی

حضرت مولانا کے نام عبید اللہ کے خط میں اس کا تذکرہ ہے۔ یہ غالباً رائے پور ضلع سہارنپور (یو، پی) کے مولوی عبد الرحیم ہیں۔ جو مولانا رائے پوری کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ مولانا محمود الحسن کی جہاز کی اسکیموں میں شریک تھے۔ لیکن ہندوستان سے ہجرت کے مخالف تھے۔ یہ دیوبند کے مدرسہ کی کمیٹی میں بھی شامل ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمود الحسن کی عدم موجودگی میں اسے نائب نمایندہ کے طور پر روپیہ جمع کرنا اور اسے حمد اللہ کو پہنچانا تھا۔

۱۸۹. رام پوری مولوی

جدہ کے بعد کے واقعات کے بیان میں حضرت مولانا کے نام عبید اللہ نے اپنے خط میں تذکرہ کیا ہے۔ رام پور کے مولوی احمد یہی ہیں حکیم ہیں۔ یہ مولانا محمود الحسن کے شاگرد اور مدرسہ دیوبند کی کمیٹی کے ممبر ہیں خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ مولانا محمود الحسن کے سفر حج پر ان سے ملنے دیوبند آئے۔ اور سفر حج کے لئے تین سو روپے دیئے۔ لیکن مولانا نے ان سے کہا کہ روپیہ اپنے پاس رکھیں اور جب ضرورت ہو تو حمد اللہ کو دے دیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس تحریک سے الگ ہو گیا اور روپیہ دینے سے انکار کر دیا۔

۱۹۰۔ رمضان آف پانی پت

محمد رمضان پسر شبراتی موضع راک سرائے تھانہ سمبھلکا ضلع کرنال۔ آج کل موضع ببارا ضلع کرنال میں مقیم ہے۔ پانی پت سہارنپور اور دلی میں مذہبی تعلیم حاصل کی ہے۔ ذات کا بنکر ہے۔ لیکن جہاں بھی جگہ مل جائے۔ امامت کرتا ہے۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں ایس ایس جہاز کے ذریعہ حج کو گیا۔ جس میں اس کی ملاقات دیوبند کے محمد مسعود اور پانی پت کے محمد لطیف سے ہوئی۔ نومبر ۱۹۱۶ء میں وہ واپس آگیا۔ مولانا محمود الحسن سے وہ حمد اللہ کے لئے ایک خط لایا تھا۔ یہ خط اصلی حالت میں برآمد ہوگیا۔

۱۹۱۔ رشید احمد انصاری مولوی

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ مولوی رشید احمد انصاری محمد میاں عرف مولوی منصور کا برادر نسبتی ہے۔ ایم اے او کالج علی گڈھ میں ملازم ہے۔ پہلے وہاں پریس میں کام کرتا تھا۔

۱۹۲۔ رشید اللہ پیر جھنڈے والا

مشہور سندھی پیر ساکن موضع گوٹھ پیر جھنڈا تحصیل ہالا ضلع حیدرآباد بہت متعصب اور جنونی ہے۔ سندھ کاٹھیاواڑ، بلوچستان، ریاست بھاولپور وغیرہ میں ۶ لاکھ مرید ہیں۔ اور بالعموم اپنے معتقدین کے درمیان گشت کرتا رہتا ہے۔ اپنے گاؤں میں ایک مدرسہ دارالارشاد مذہبی تعلیم دینے کے لئے قائم کیا ہے۔ ایم عبید اللہ اس ادارہ کا ۱۹۰۹ء تک کئی برس ہیڈ مولوی اور ناظم رہا ہے۔ پیر رشید اللہ کٹر وہابی بیان کیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس نے مجاہدین کو ایک موقعہ پر ان کے ایک نمائندہ کے ذریعہ روپیہ بھیجا تھا۔ انگلینڈ کا سفر کر چکا ہے عبید اللہ کا خاص شریک کار بیان کیا جاتا ہے۔ جس کو اس نے کابل جانے میں مدد

دی ہے۔ مولوی عبیداللہ سندھی اور فتح محمد کابل سے جو خطوط لاتے تھے۔ ان میں عبیداللہ کی طرف سے ایک خط پیر جھنڈے والا کے لئے تھا۔ جس میں پیر سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ جہاد کے لئے مدد کرے ریشمی خطوط لانے والا شیخ عبدالحق عبیداللہ کی طرف سے ایک خط اس پیر کے واسطے بھی لایا تھا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ ایم احمد علی کے ذریعہ ایک ہزار روپے (غالباً مولانا محمود الحسن کو) بھیجے جو حج کے لئے جانے والا ہے۔ جنگ شروع ہونے سے چھ سات برس پہلے وہ مذہبی جنون کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اور اپنے بیان کے مطابق انگریزی تہذیب اور مذہب عیسوی کی برائیوں کی مذمت کیا کرتا تھا۔ جنگ چھڑ جانے کے بعد اس نے آزادی کے ساتھ جرمنوں کی فتح اور جب ترکی بھی جنگ میں شامل ہو گیا۔ تو ترکی کی کامیابیوں کی باتیں شروع کر دیں۔ شاید عبیداللہ کے خراب اثر سے وہ یہ غلط باتیں کرتا تھا۔ اور اب عبیداللہ کے چلے جانے کے بعد وہ اظہار خیال میں محتاط ہو گیا ہے بعد کی تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ پیر رشیداللہ کا رابطہ دیوبند کے سازشیوں سے بھی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جھنڈے والے پیر اپنے مریدوں سے جہاد کی بیعت لیتے تھے۔

۱۹۳۔ رئیس المجاہدین

مجاہدین کا سربراہ یا امیر۔ مولوی نعمت اللہ ولد عبداللہ بدنام مولوی اسمٰعیل کا پوتا۔ آج کل امیر ہے۔ مولوی اسمٰعیل غدر کے وقت اپنے گھر سے غائب ہو گیا تھا۔

۱۹۴۔ رضوان شاہ

کابل کا باشندہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ ایک خوشحال شخص ہے۔ اور وہاں کئی باغات وغیرہ کا مالک ہے۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں وہ اسی جہاز سے حجاز گیا جس جہاز سے مولانا محمود الحسن اور ان کی جماعت کے لوگ گئے تھے۔ مکہ میں وہ مولانا سے

بہت بے تکلف ہو گیا۔ اور اُس نے آخر الذکر کو بتایا کہ امیر پر اس کا بہت اثر ہے اور اس بات کا اہتمام کر سکتا ہے کہ ساری پارٹی کا کابل میں بڑے اعزاز سے خیر مقدم کیا جائے۔ مولانا محمود الحسن نے اس کو روپیہ دیا اور وہ مطلوب الرحمٰن کے ہمراہ ایس ایس کویت سے اکتوبر ۱۹۱۵ء میں کابل جا کر استقبال کرانے کے واسطے جہاز سے واپس آ گیا۔ اس کی دیانت کے بارے میں شک ہے۔ ممکن ہے وہ دھوکہ باز ہو۔

۱۹۵۔ صدر الدین

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ یہی شخص عبدالکریم برلاسی عرف صدر الدین ولد امیر علی سکنہ سہسرام (بہار) ہے۔ ۱۹۱۰ء تک بنارس کے کسی اسپتال میں کمپونڈر تھا جبکہ اسے آگرہ میڈیکل کالج میں کمپونڈر اسٹوڈنٹ کے طور پر داخل کر لیا گیا۔ لیکن ۱۹۱۳ء میں طلباء کی ہڑتال سے تعلق کی بنا پر اسے نکال دیا گیا۔ آگرہ میں اس نے طرابلس اور بلقان کی لڑائیوں میں بڑی دلچسپی لی۔ ترکی کی مدد کے لئے چندہ جمع کرنے میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ ۱۹۱۵ء میں سرحد میں قبائلیوں کی بغاوت کے بعد ابوالکلام آزاد نے لڑائی میں زخمی ہونے والے قبائلیوں کی دیکھ بھال کے لئے روانہ کیا۔ وہاں سے وہ عبدالرحیم کے ساتھ ۱۹۱۶ء میں کابل چلا گیا۔ تاکہ افغان حکومت کی ملازمت کر سکے۔ لیکن اسے ملازمت دینے سے انکار کر دیا گیا۔ کابل میں ایک ماہ قیام کے بعد وہ ہندوستان واپس آ گیا۔ اثنائے سفر میں اس نے لاہور میں قیام کیا۔ اور صوفی مسجد میں مولوی ابو احمد سے اور رفاہِ عام پریس کے ایم عبدالحق سے ملاقات کی پھر وہ قصور چلا گیا۔ اور محی الدین عرف برکت علی ولد عبدالقادر پلیڈر کے ہمراہ مقیم ہوا۔ یہ جولائی ۱۹۱۶ء کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد وہ دلی پہنچا اور محی الدین کا تعارفی خط دکھا کر نظارۃ المعارف کے ایم احمد علی سے ملاقات کی۔ دلی کے بعد وہ ملک میں آگے کی طرف گیا۔ شاید اپنے گھر بھی گیا۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد سے بھی ملاقات کی اگست ۱۹۱۶ء میں وہ پھر احمد علی

کے پاس پہنچا اور اس کے ذریعہ حمد اللہ سے روپیہ حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ سرحدی علاقہ کو واپس جا سکے۔ ناکام رہنے پر وہ بنارس واپس آگیا جہاں بالآخر اُس کو گرفتار کر لیا گیا۔

۱۹۶۔ سیف الرحمٰن مولوی صاحب

ولد غلام خاں ساکن متھرا تھانہ شنکرگڈھ شمالی مغربی سرحدی صوبہ۔ مولانا محمود الحسن نے جہاد کی جو سازش تیار کی تھی اس میں ایک اہم ترین شخص ہے۔ سیف الرحمٰن درّانی خاندان کا ہے۔ اس کا خاندان کابل سے ترک وطن کر کے پشاور آیا اور اسی ضلع میں سکونت پذیر ہو گیا۔ علی گڈھ میں مولوی لطیف اللہ سے مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سیف الرحمٰن بالآخر شاہجہانپور کے اسلامیہ اسکول کا ہیڈ ماسٹر بن گیا۔ اس کے بعد وہ ریاست ٹونک پہنچا اور ایک ریاستی اسکول میں ملازمت اختیار کر لی۔ تقریباً ۵ برس ہوئے سیف الرحمٰن دلی چلا گیا۔ اور مسجد فتحپوری کے اسکول کا ہیڈ ماسٹر بن گیا۔ جون ۱۹۱۵ء تک وہ دلی میں رہا۔ جبکہ مولانا محمود الحسن عبید اللہ اور ابو الکلام آزاد کی اسکیموں کے تحت سرحد پار کر گیا۔ وہ حاجی صاحب ترنگزئی پر اثر ڈال کر اُن سے غلط اقدامات کراتا رہا۔ جن کا وہ خود ہی سکریٹری بن گیا تھا۔ سیف الرحمٰن کے اثر سے حاجی صاحب ہمیشہ آزاد قبائل اور مجاہدین میں تعصب کا جوش پیدا کرنے میں سرگرمی سے مصروف رہتا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں سرحد پر جو لڑائیاں ہوئیں ان کی ذمہ داری بڑی حد تک اس پر ہے اب وہ کابل میں ہے
جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ حضرت مولانا کے نام عبید اللہ کے خطوط میں بھی اس کا ذکر ہے۔

۱۹۷۔ سید نور

یہ نام حضرت مولانا کے نام عبید اللہ کے اس خط میں آیا ہے جس میں واقعات

مابعد جدہ کی تفصیل دی گئی ہے۔ یہی شخص رتھیڑی ضلع مظفر نگر (یو۔ پی) کا سید نورالحسن ہے۔ یہ سید ہادی حسن کا چچا ہے۔ یہ امیر آدمی ہے۔ اور مولانا محمود الحسن کا پکا مرید ہے جب وہ دیوبند تھے۔ تو یہ برابر آتا رہتا تھا۔ سازش کا ایک اہم ممبر ہے۔ محمود الحسن کے مکان پر جو خفیہ مشورے ہوتے تھے۔ ان میں بڑا حصہ لیتا تھا۔ مولانا محمود الحسن نے جب حجاز گئے تھے تو اپنی عدم موجودگی میں اسے ہندوستان میں اسلحہ اور ہتھیاروں کا نگراں بنایا تھا۔ مولانا کے ہمراہ بمبئی تک گیا تھا۔ جہاں وہ مولانا کے سفر کے تمام انتظامات کا ذمہ دار اور نگراں تھا۔ مولانا محمود الحسن نے انور پاشا جمال پاشا اور غالب پاشا سے جو چھ فرمان حاصل کئے تھے اور سید ہادی حسن کی نگرانی میں جنہیں ہندوستان بھیجا تھا۔ وہ ڈاکٹر حاجی شاہ بخش کے ذریعہ ایس نور الحسن کو پہنچاتے جاتے تھے۔ ایک شخص احمد مرزا کو ان کا فوٹو لینا تھا۔ اور ان میں سے دو ایک خاص ایلچی کے ذریعہ جس کا نام ہاشم تھا۔ کابل لے جائے جانے تھے۔ ہاشم اسی مقصد کے لئے عربستان سے آنے والا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے پشاور میں عبدالرحیم (شاید آزاد علاقہ کے ایم بشیر) کو دو سو روپے بھیجے تھے۔

۱۹۸۔ سلیم خاں

(۱) پسر جہانگیر خاں کابل کا پناہ گزیں ہے سراجاہ پشاور میں رہتا ہے۔ اس کا باپ کابل سے مرحوم سردار ایوب خاں کے ہمراہ آیا تھا۔ آزاد علاقہ میں سلیم خاں کی کچھ زمین ہے۔ جس کا وہ اکثر دورہ کرتا رہتا ہے۔ مولوی عبدالرحیم عرف بشیر، فضل محمود اور سرحد پار کے دوسرے جہادی طلباء کا شریک کار ہے۔ پشاور میں وہ محمد اسلم عطار کے اشتراک و تعاون سے پنجاب زیریں ملک کے آدمیوں کو سرحد پار پہنچایا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اب آزاد علاقہ میں ہے۔

۱۹۹۔ ثناء اللہ مولوی

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ یہی شخص مولوی ثناء اللہ امرتسری ہے

انجمن اہل حدیث پنجاب کا صدر ہے۔ ہندوستان میں شاید سب سے ممتاز وہابی ہے۔ امرتسر سے شائع ہونے والے ہفت روزہ اردو اخبار اہل حدیث کو مرتب کرتا ہے۔ مولوی ثناء اللہ مولانا محمود الحسن کا شاگرد ہے اور شاید ۲۰، ۲۵ برس گذرے ان سے حدیث پڑھی تھی۔ وہ ایم ابراہیم سیالکوٹی کا بڑا گہرا اور مخلص دوست ہے۔

۲۰۰۔ شبیر احمد مولوی

مطلوب الرحمٰن کا بھائی ہے۔ اور دیوبند کے مدرسہ میں ملازم ہے۔ دوسرا بھائی یعنی حبیب الرحمٰن اور مفتی عزیز الرحمٰن بھی مدرسہ کے عملہ میں شامل ہیں۔ پہلے وہ فتحپوری اسکول دہلی میں مولوی فضل الرحمٰن کے ساتھ تھا لیکن ان کا ساتھ نہیں نبھ سکا۔ چنانچہ شبیر احمد دیوبند کے مدرسہ میں آگیا۔ وہ بڑا فاضل مولوی ہے۔ اس نے ترکی کی امداد کے لئے چندہ جمع کرنے میں جنگ بلقان کے دوران بڑی سرگرمی سے حصہ لیا اور اسلامی سیاست میں وہ زبردست دلچسپی لیتا ہے وہ مولانا محمود الحسن کی جہاد کی اسکیم کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے۔ اور اگر اسے حبیب الرحمٰن اور مفتی عزیز الرحمٰن نہ روکتے تو وہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا کے ساتھ ہجرت کرنے والوں میں ضرور شامل ہو جاتا۔ شبیر احمد شروع میں مولانا عبید اللہ کے ساتھ دوستی رکھتے تھے لیکن بعد میں سخت دشمن ہو گئے۔ اور دیوبند سے ان کے اخراج کے خاص ذمہ دار وہی ہیں۔

۲۰۱۔ شفیق الرحمٰن حکیم ساکن رام پور (یو۔پی)

(۱) انور پاشا اور جمال پاشا ترک افواج کی کامیابی کے لئے جب دعا مانگنے کے واسطے مدینہ آتے تو یہ وہاں موجود تھا۔ اور اس نے دونوں جنرلوں کی تعریف میں اُس وقت ایک قصیدہ پڑھا تھا۔ وہ جہاد کا زبردست حامی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے مدینہ

میں وہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی جمع کیں جن میں جہاد کی تلقین کی گئی ہے۔ اور پھر انہیں طبع کرنے کے لئے شام کو بھیج دیا تاکہ انہیں تقسیم کیا جا سکے۔

۲۰۲۔ سیف الدین مولوی ساکن بجنور (یو، پی)

کئی برس سے عرب میں مقیم ہے۔ مکہ میں دھرم پور رباط میں جہاد سے متعلق محمود الحسن کے خفیہ مشوروں میں شریک ہوا کرتا تھا۔

۲۰۳۔ شاہ بخش حاجی ڈاکٹر سندھی

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ کرنل ہے۔ حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے خط میں بھی یہ نام آیا ہے۔ ڈاکٹر حاجی شاہ بخش ولد امام بخش لشاری بلوچ ٹھورو نواچاری شہر حیدر آباد سندھ۔ یہ گھڑی ساز اور بہت چھوٹا زمیندار ہے۔ کچھ طب یونانی کا کام بھی کرتا ہے۔ یہ اسی جہاز میں عرب گیا تھا جس جہاز میں سہارنپور کے مولانا خلیل احمد اور ان کی پارٹی نے ستمبر ۱۹۱۵ء میں سفر کیا تھا اور ایس ایس اکبر نامی جہاز سے ستمبر ۱۹۱۶ء میں ہندوستان واپس آیا تھا۔ مولوی خلیل احمد بھی اسی جہاز سے لوٹے تھے مولوی عبیداللہ اور حکیم عبدالقیوم اور شیخ عبدالرحیم (جس کے نام تشریحی ریشمی خط روانہ کیا گیا تھا) ساکن حیدر آباد سندھ کا نہایت مخلص ساتھی ہے۔ مولانا محمود الحسن کی سازش جہاد کا رکن تھا۔ حجاز سے ہندوستان پہنچنے پر اس نے فوراً حکیم عبدالقیوم اور شیخ عبدالرحیم کو تار دیا کہ اس سے حیدر آباد میں ملیں۔ یہ ممکن ہے وہ مولانا محمود الحسن کے پیغامات لایا ہو۔ محمود الحسن نے انور پاشا جمال پاشا اور غالب پاشا سے عرب میں جو چھ فرمان حاصل کئے تھے وہ حاجی شاہ بخش اور ایس ہادی حسن کی مشترکہ نگرانی میں ہندوستان بھیجے گئے تھے تاکہ سید نور الحسن ساکن رتھیڑی (یو، پی) کے حوالہ کئے جا سکیں۔

۲۰۴۔ شاہ نواز خاں

پسر خان بہادر رب نواز خاں آنریری مجسٹریٹ ملتان۔ اللہ نواز خاں جہاجمہ

طالب علم کا بڑا بھائی اپنے بھائی کے اصرار پر لاہور کے جہادی طلبائے کے ساتھ ہو گیا تھا پہلے وہ برج ہری سنگھ پر پشاور میں ملازم تھا اس انقلابی پارٹی کا ایک فرد تھا جو ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء کو کابل سے سردار نصر اللہ خاں کے خفیہ خطوط قبائلی ملاؤں وغیرہ کے نام لے کر روانہ ہوئی تھی۔ ان خطوط میں ان سے متحد ہونے اور انگریزوں کا مقابلہ کرنے کو کہا گیا تھا۔ اسے نادر شاہ اور مولوی عبدالرحیم کے ہمراہ پہلے تو یہ خطوط آزاد علاقہ میں پہنچانے تھے پھر عبدالرحیم کے ہمراہ انہیں ذاتی طور پر نواب امب اور مہتر چترال کے پاس لے جا کر انہیں پیش کرنا تھا وہ جنود ربانیہ میں میجر ہے۔

۲۰۵۔ صادق احمد مولوی

(۱) مولوی شائق کے نام سے بھی مشہور ہے۔ بھاگلپور بہار کا باشندہ ہے
(۲) پہلے وہ عبید اللہ کی جمعیۃ الانصار دیوبند کی تشکیل میں اس کا خاص معاون تھا۔ نظارۃ المعارف دلی کے عملہ میں ان کے ساتھ تھا۔ لیکن بعد میں اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ علیحدہ ہو گیا۔

۲۰۶۔ شوکت علی مولوی

مولوی شوکت علی ساکن رام پور (یو۔پی) اتحاد اسلامی کا مشہور حامی بدنام محمد علی ایم اے آف کامریڈ کا بھائی وہ ایکسائز ڈیپارٹمنٹ کا سابق ملازم ہے۔ عبید اللہ کا مخلص ساتھی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے سفر کابل میں اس کو مالی امداد دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ شوکت علی نے عبید اللہ کی درخواست پر مولوی سیف الرحمن کو جب وہ سرحد پار جا رہے تھے پانچ سو روپے دیئے تھے۔ وہ انجمن خدام کعبہ کا اس وقت تک سکریٹری رہا۔ جب تک کہ وہ اور اس کا بھائی ۱۹۱۵ء میں سی۔ پی میں نظر بند کئے گئے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لفٹنٹ جنرل ہے۔

۲۰۷۔ شجاع اللہ مہاجر

پسر حبیب اللہ خواجہ ریٹائرڈ فورمین گورنمنٹ سنٹرل پریس شملہ ساکنہ محلہ

مصری مل لاہور شہر۔ ڈاکٹر اللہ جوایا کا دور کا رشتہ دار ہے۔ ایک بھائی شیخ ولی اللہ محکمہ موسمیات شملہ میں ملازم ہے۔ اور دوسرا بھائی شیخ عظیم اللہ لاہور میں پلیڈر ہے۔ فروری ۱۹۱۵ء میں دیگر جہادی طلباء کے ساتھ اس کو فرار ہونے سے پہلے لاہور کے میڈیکل کالج کا طالب علم تھا۔ جہاں اب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ملاقات ایم عبداللہ پشاوری سے ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مولوی کی آتش بار خطابت نے اس کے خیالات کو متاثر کیا اور وہ بڑے زور وشور کے ساتھ ہجرت کے منصوبہ میں شریک ہو گیا۔ کابل میں ایک موقعہ ایسا آیا کہ اسے اپنی حالت پر بہت افسوس ہوا اور اس نے ہندوستان آنے کی کئی بار ناکام کوشش کی۔ بالآخر اس کا تعلق عبیداللہ، مہندر پرتاپ، برکت اللہ اور زمان ہٹنگ سے ہو گیا۔ جون ۱۹۱۶ء میں اسے عبدالباری کے ہمراہ انور پاشا اور جرمن چانسلر کے لئے مہندر پرتاپ کے خط دے کر خفیہ مشن پر قسطنطنیہ اور برلن بھیجا گیا۔ ایران میں اسے گرفتار کر کے ہندوستان لایا گیا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ کرنل ہے اور حکومت موقتہ ہندیہ کا نائب وکیل ہے۔

۲۰۸۔ سراج الدین میر ساکن ریاست بہاول پور

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ یہ اور میر سراج الدین جج چیف کورٹ ریاست بہاولپور ایک ہی شخص ہیں۔ خان بہادر شمس العلما سید محمد لطیف مولف "انگلش ہسٹری آف پنجاب" کا چھوٹا بھائی ہے۔ یہ خاندان بہت مشہور ہے اور میر سراج الدین بھی بہت وفادار بتایا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ان اشخاص میں شامل ہے جن سے دریافت کئے بغیر ان کو جنود ربانیہ میں عہدے دیئے گئے تھے۔

۲۰۹۔ سلیمان سید ندوی

مولوی شبلی نعمانی کا پیرو اور اُن کے ادارہ ندوۃ العلماء کا پرجوش حامی۔ اس نے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں سید مرتضیٰ حسن ساکن چاندپور (یوپی) کے تحت تعلیم پائی ہے۔ پھر

وہ پونہ کالج میں پروفیسر ہوگیا تھا. جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے

۲۱۰۔ سید احمد حاجی ساکن انبیٹھہ

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے۔ انبیٹھہ کا باشندہ ہے، محمد میاں عرف مولوی منصور کا چھوٹا بھائی ہے مولانا محمود الحسن اور اُن کے رفقاء مکہ پہنچے تو یہ وہاں موجود تھا کیونکہ بیوی سے کسی جھگڑے کے باعث دو برس قبل وہاں چلا گیا تھا۔ احمد میاں کے ذریعہ محمود الحسن سے متعارف ہو سکا.

۲۱۱۔ سیّد ہادی

عبید اللہ نے واقعات مابعد جدہ کے بیان میں جو خط مولانا کو لکھا ہے اس میں اس کا تذکرہ ہے. وہی سید ہادی حسن ہے جو مہدی حسن ساکن خان جہان پور ضلع مظفر نگر یو. پی کا لڑکا ہے اور رتھیڑی کے سید نور الحسن کا بھتیجا ہے. مولانا محمود الحسن کے عرب چلے جانے کے بعد ان کے پیچھے روپیہ اور اسلحہ ان کی سپردگی میں رہتا تھا. ہادی حسن مولانا رشید احمد گنگوہی اور مدرسہ دیوبند کے مفتی عزیز الرحمٰن کا مرید ہے۔ سازش کا ایک رکن تھا. ستمبر ۱۹۱۵ء میں ایم محمود الحسن کے ہمراہ عرب گیا تھا اور ستمبر ۱۹۱۶ء میں ایس ایس اکبر جہاز سے واپس آگیا تھا. سہارنپور کے مولانا خلیل احمد بھی اسی جہاز سے لوٹے تھے. مولانا محمود الحسن نے انور بے جمال پاشا اور غالب پاشا سے جو چھ فرمان حاصل کئے تھے وہ ایس ہادی حسن اور حاجی ڈاکٹر شاہ بخش کی سپردگی میں سید نور الحسن ساکن رنھیٹری کو پہنچانے کے لئے ہندوستان بھیجے گئے تھے. کہا جاتا ہے مگر ہادی حسن ان فرمانوں کے علاوہ ایم محمود الحسن کا ایک خط بھی لایا تھا جو اس کے لحاف میں سلا ہوا تھا۔ پہلی تلاشی میں یہ پولیس کی نظر میں نہ آسکا لیکن جب ایم خلیل احمد کو اس کا علم ہوا تو اس کو فوراً ضائع کر دیا۔

۲۱۲۔ تاج محمد مولانا ساکن سندھ

شاید یہی مولوی تاج محمد ساکن امروٹ سکھر سندھ ہیں. سندھ میں دوسرے

نمبر پر اس کا زبردست اثر ہے. جو صرف مولوی ہمایوں کے اثر سے کم ہے. وہ کمشدہ کراچی کے مولوی محمد صادق کا دوست ہے. جواب کاروار میں نظر بند ہے. خیال ہے کہ اس نے مولوی عبیداللہ کے فرار افغانستان میں اس کی مدد کی تھی. اس کے ہزاروں پیرو ہیں جن میں بڑے بڑے زمیندار، پلیڈر اور سرکاری ملازمین شامل ہیں. جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے.

۲۱۳- وحید

مولوی عبیداللہ نے واقعات مابعد جدہ کے بیان میں جو خط لکھا ہے اس میں یہ نام آیا ہے وحید، ایم صادق احمد مرحوم کا لڑکا ہے. جو پہلے فیض آباد یو، پی میں رہتے تھے. ان کا سارا خاندان ۱۸۹۹ء میں عرب کو ہجرت کر گیا تھا. مولانا حسین احمد مدنی اس کے چچا ہیں. دو برس ہوتے وہ اپنے چچا ایم حسین احمد کے ہمراہ ہندوستان آیا تھا اور آخرالذکر کی واپسی کے بعد بطور طالب علم مدرسہ دیوبند میں ٹھہرا رہا. مولانا محمود الحسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں حجاز کو چلا گیا.

۲۱۴- ولی احمد مولوی

ولد شیخ محمد صاحب موضع ہڑیاں تھانہ حسن ابدال ضلع اٹک وہ حسن پور ضلع مراد آباد (یو پی) کے ایک مدرسہ میں بحیثیت مدرس ملازم ہے ستمبر ۱۹۱۶ء میں الیس الیس حجاز کے ذریعہ حج کو گیا تھا. اسی میں مولوی محمد مسعود بھی گیا تھا. نومبر میں اسی جہاز سے واپس آ گیا. مولوی محمد مسعود بھی اسی جہاز سے لوٹ آیا مولوی ولی احمد، مولانا محمود الحسن کے لئے ان کی اہلیہ کا ایک خط لے گیا تھا. نیز ہادی حسن کا پیغام بھی مولوی محمود الحسن کو پہنچایا. کہ ہادی حسن اور سندھ کے ڈاکٹر شاہ بخش کی سپردگی میں جو چھ فرمان بھیجے گئے تھے وہ سلامتی کے ساتھ پہنچ گئے ہیں.

۲۱۵- ولی محمد مولوی

(۱) جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ یہی مولوی محمد عرف مولوی موسیٰ
ساکن موضع فتوحی والا تھانہ گنڈا سنگھ والا ضلع لاہور ہے۔ نہایت متعصب وہابی
مولوی ہے۔ جو سرگرمی سے جہاد کے نظریہ کی تبلیغ کرنے اور اس مقصد کے لئے روپیہ
اور آدمی جمع کرنے میں مصروف ہے۔ لاہور۔ فیروزپور، گوجرانوالہ اور سیالکوٹ اضلاع
میں اس کے بہت سے پیرو ہیں۔ جہاں سے وہ ہندوستانی متعصبوں کے لئے روپیہ
اور آدمی خفیہ طور سے جمع کرتا رہتا ہے۔ ایم ولی محمد یہ انٹی برٹش کام گذشتہ کئی برسوں سے
کر رہا ہے۔ وہ جو روپیہ جمع کرتا ہے اور جتنے آدمی اکٹھے کرتا ہے ان کو یا تو خود یا دوسرے
نمایندوں کے ذریعہ سرحد کے پار پہنچا دیتا ہے۔ وہ ۱۹۱۵ء کی وہابی اور سرحدی سازشوں
میں بہت زیادہ ملوث تھا لیکن گرفتاری سے بچتا رہا۔ اور اس کو فرار ہو گیا۔ جہاں اس نے
مولوی موسیٰ کا نام اختیار کر لیا۔ ولی محمد اور اس کے والنٹروں نے سرحد پار کی لڑائیوں
میں حصہ لیا ہے۔ ریشمی خطوط کی سازش کی تفتیش سے معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی مولانا
محمود الحسن سے وابستہ اور اُن کی سازش میں ملوث تھا اور کبھی کبھی دیوبند جایا کرتا تھا۔ اس کا
ابوالکلام آزاد سے بھی رابطہ تھا۔ غالباً اب وہ آزاد علاقہ میں ہے۔

۲۱۶۔ یار محمد ساکن کابل

(۱) سرحد پار کا پٹھان اور شاید افغانستان کا باشندہ وہ ۱۹۰۸ء میں ہندوستان
آیا تھا۔ دیوبند کے مدرسہ کا پرانا طالب علم ہے۔ کچھ تعلیم مدرسہ مسجد فتحپوری میں بھی حاصل
کی تھی جہاں وہ بعد میں مولوی سیف الرحمٰن کے ماتحت فقہ کا استاد مقرر ہو گیا تھا وہ
اس کے ہمراہ ۱۹۱۵ء میں کابل کو فرار ہو گیا تھا۔ یار محمد حنفی فرقہ کا ہے۔ سیف الرحمٰن اور
حاجی صاحب کے ساتھ بلاناغہ رہتا ہے۔ شاید اس نے رستم کی لڑائی میں حصہ
لیا تھا۔ نومبر ۱۹۱۵ء میں وہ واپس آیا تھا اور پانی پت کے حمداللہ سے ابواحمد کے ذریعہ

۲۳۰ روپے سیف الرحمن کے واسطے لے گیا تھا۔ شاید اب آزاد علاقہ میں ہے۔

۲۱۷۔ ظفر علی

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے۔ یہ وہی ظفر علی خاں ہے جو اتحاد اسلامی کا بدنام حامی اور مرحوم زمیندار اخبار کا ایڈیٹر ہے۔ اتحاد اسلامی کے تمام انتہا پسند حامیوں کا دوست اور ساتھی ہے۔ اب اپنے گاؤں کرم آباد نزد وزیر آباد ضلع گوجرانوال میں نظر بند ہے۔

۲۱۸۔ ظفر حسن مہاجر

(۱) پسر حافظ عظیم الدین ارائیں ساکن کرنال فروری ۱۹۱۵ء میں سرحد کو فرار ہونے والے طلبا میں سے ایک ہے (گورنمنٹ کالج لاہور) جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ کرنل ہے۔

۲۱۹۔ ظفر محمد مولوی

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ کرنل ہے۔ عبید اللہ نے واقعات مابعد جدہ بیان کرتے ہوتے مولانا محمود الحسن کو جو خط لکھا اس میں بھی اس کا تذکرہ ہے یہی مولوی ظہور محمد ساکن سہارنپور ہے جو پہلے مدرسہ اسلامیہ انبالہ میں مدرس تھا اور اب عربی اسکول رڑکی میں ٹیچر ہے وہ ایم محمود الحسن کی جہادی سازش کا ایک نہایت پرجوش رکن تھا۔ اور بلا ناغہ دیوبند آکر خفیہ مشورہ میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ایم محمود الحسن کے سفر عرب کے لئے بجنور نگینہ اور نواحی علاقہ سے روپیہ جمع کیا تھا۔ اس سے کہا گیا تھا کہ محمد میاں کی واپسی تک جو مولانا کے ساتھ گیا تھا روپیہ جمع کرتا رہے اس انتظام کے تحت ظہور محمد نے رڑکی اور گردونواح کے دیہات سے جمع شدہ چندہ کی رقم سے ایم حمد اللہ کی مدد کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے وہاں اس غرض سے

سیکڑوں اشخاص کی ایک سوسائٹی قائم کرلی تھی۔ محمد میاں، مرتضیٰ حسن، مولوی منہول وغیرہ کو جب وہ عرب سے لوٹ رہے تھے تو ان کا خیر مقدم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ایم محمود الحسن اسے "عجب چپ آدمی" کہا کرتے تھے۔ اور اکثر اس کی تعریف کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ بڑا گہرا آدمی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بے دھڑک آدمی تھا۔

۲۲۰۔ ظہور صاحب مولوی

دیکھئے ظہور محمد مولوی

۲۲۱۔ ضمیر الدین احمد نواب

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے   شاید یہی نواب ضمیر الدین احمد وہابی مولوی ہے۔ جو دلی میں ضمیر مرزا کے نام سے مشہور ہے۔ وہ نواب لوہارو کا بھائی ہے ۱۹۱۶ء تک وہ اہل حدیث کانفرنس کے صدر رہے جبکہ خرابی صحت کی بنا پر مستعفی ہوگئے ایسا ظاہر نہیں ہوتا کہ اسے عبید اللہ کی سازش کا علم تھا یا اس میں شامل تھا شاید یہ بھی انہیں لوگوں میں ہے جن سے دریافت کئے بغیر ان کو عہدے دیدیئے گئے تھے۔

۲۲۲۔ ضیاء الدین احمد قاضی

قاضی ضیاء الدین ایم اے ساکن چکوال ضلع جہلم۔ صوفی مسجد لاہور کے مولوی ابو احمد کا بھتیجا۔ اس کا باپ یا اس کے چچاؤں میں سے ایک مولوی احمد دین   مولوی عبد اللہ کا استاد تھا۔ جو کھڈہ کراچی کے بدنام متعصب وہابی محمد صادق کا باپ تھا پہلے وہ چکوال کے ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی اسکول کا ہیڈ ماسٹر تھا۔ لیکن بعد میں دیوبند میں جمعیۃ الانصار میں شامل ہوگیا۔ جہاں   وہ مولانا محمود الحسن کے مکان پر خفیہ مشوروں میں شامل ہوا کرتا تھا۔   جب عبید اللہ نے نظارۃ المعارف القرآنیہ دلی میں قائم کیا تو ضیاء الدین اس ادارہ میں ٹیچر بن گیا۔ لیکن عبید اللہ کے فرار کابل سے کچھ پہلے اس نے یہ جگہ چھوڑ دی اور چکوال اسکول میں اپنی سابقہ جگہ پر چلا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۶ء کے شروع میں امیر سے ملازمت کے لئے درخواست کی تھی۔ لیکن کسی طریقہ سے اس کو کابل جانے سے باز رکھا گیا۔ اب وہ اسلامیہ اسکول گوجرانوالہ کا ہیڈ ماسٹر ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔

تتمّہ

اس فہرست میں اُن لوگوں کے نام دیئے گئے ہیں جن کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے یا تو مولانا محمود الحسن کے جہاد کے پروپیگنڈے کی تائید کی یا اُس میں مدد دی۔ اس فہرست کو مکمل نہیں کہا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ فہرست میں شامل بعض لوگ اس سازش سے بالکل بے خبر ہوں گے۔ اور ان کا نام صرف مولانا محمود الحسن سے عقیدت کی وجہ سے اس فہرست میں شامل کر لیا گیا ہوگا۔

۱۔ علی گڑھ — مولوی انیس احمد
۲۔ کالی دیوریا — مولوی احمد میاں
۳۔ میرٹھ شہر — خواجہ عبدالحیٔ
۔ // — مولوی حافظ کفایت اللہ
// — مولانا عاشق الٰہی
// — مولانا احمد علی
// — مولانا عبدالمومن
// — حافظ فصیح الدین
// — حاجی وجیہہ الدین
// — شیخ رشید احمد
// — مولوی محمد ابراہیم
// — لال کرتی کا ایک قصائی
— معرفت مولانا احمد علی
۔ سورت — مولانا غلام محمد
// — مولانا محمد حسین
۱۵۔ // شاملات [مولانا محمد احمد، مولانا محمد احمد
۱۶۔ // — مولانا محمد اعظم
۔ // — قاری محمد شفیع آف کیرانہ
— مدرس مدرسہ سملک
۔ کلکتہ — مولانا مرتضیٰ حسن
۔ — حافظ محمد اسمٰعیل مرچنٹ
— بھتیجا پیش امام مرغی ہٹہ مسجد
۔ // — نواب عبدالستار
// — حاجی اللہ بخش وحبیب بخش
— ہاشم مصطفیٰ
// — مولانا نذیر حسین

۲۴۔ کلکتہ — ابوالکلام
۲۵۔ // — عبدالرحیم ولد بخش الٰہی مرچنٹ
۲۶۔ گیا — مولوی ولایت علی
۲۷۔ // — مولوی رحمت اللہ
۲۸۔ // — ولایت حسین صاحب
۲۹۔ رنگون — مولوی محمد ابراہیم
۳۰۔ کٹیہار — حکیم محمد اسحاق
۳۱۔ مظفر نگر — سید نور الحسن رئیس تھیٹری
۳۲۔ // — مولوی حافظ عبدالحیٔ
۳۳۔ کنجپورہ — مولوی مشتاق آف انبیٹھہ
۳۴۔ ضلع کرنال — ملازم نواب صاحب
۳۴۔ دلّی — مولانا کفایت اللہ
۳۵۔ // — مولوی محمد امین الدین
۳۶۔ // — حافظ نسیم الدین
۳۷۔ // — مولوی احمد علی ناظم نظارۃ
۳۸۔ // — حاجی احمد الدین اہل حدیث
۳۹۔ // — ڈاکٹر انصاری
۴۰۔ // — حسن نظامی
۴۱۔ // — حکیم عبدالرزاق
۴۲۔ // — مولوی امیر الدین
۴۳۔ پرتاب گڑھ — مولوی محمد یعقوب (سفیر)
۴۴۔ لکھنؤ — مولوی محمد علی وصغیر
۴۵۔ — مولوی مطلوب الرحمٰن کے دوست
۴۶۔ // — مولوی وارث حسن پیر
۴۷۔ دربھنگہ — عبدالحفیظ
۴۸۔ // — عبدالوہاب

نمبر	مقام	نام
۴۸	دربھنگہ	مولوی پہلوان
۴۹	نگینہ بجنور	مولوی بشیر احمد
۵۰	″	مولانا شوکت علی
۵۱	″	مولوی انوار الحق
۵۲	″	مولوی محمد امین صاحب مجید الدین
۵۳	″	حکیم جمیل الدین
۵۴	″	مولوی محمد یٰسین
۵۵	بجنور	حکیم رحیم اللہ
۵۶	″	حافظ مشیت اللہ
۵۷	پٹنہ	حاجی عبد الرحیم اہل حدیث
۵۸	شملہ	مولوی احمد حسن آف کیرانہ پیش امام
۵۹	اجمیر	مولوی عزیز احمد صاحب سکریٹری سکول
۶۰	″	قاسم جی محمد جمال مرچنٹ
۶۱	″	ملا کریم اللہ
۶۲	″	مولوی قمر الدین صاحب
۶۳	بیادر	حاجی شمس الدین و قاضی عبد الحی
۶۴	علیگڈھ	مولوی انیس احمد و مولوی احمد میاں
۶۵	نہٹور بجنور	مولوی حامد حسن
۶۶	″	رحمت اللہ
۶۷	قصور	مولوی برکت علی
۶۸	کیرت پور	حافظ علی حسن (البھرا)
۶۹	بمبئی	مولوی نسیم اللہ — مدرس
۷۰	″	مولوی محمد عیسیٰ — مدرسہ
۷۱	″	مولوی ظہور — مسجد زکریا
۷۲	″	حکیم احمد جی محمد میر علی
۷۳	سہارنپور	حافظ محمد یعقوب آف نگینہ
۷۴	″	حاجی احمد جان مرچنٹ
۷۵	رائے پور	مولانا عبد الرحیم
۷۶	″	ملاجی
۷۷	″	شاہ زاہد حسن
۷۸	انبیٹھہ	پیرجی ظہور احمد
۷۹	″	حافظ مشیت اللہ
۸۰	″	مولوی احمد رئیس
۸۱	سیالکوٹ	ماسٹر غلام نبی و غلام حبیب کنٹریکٹر
۸۲	مراد آباد	قاضی محی الدین
۸۳	انبالہ شہر	حافظ محمد صدیق دیبا نجی
۸۳	مراد آباد	حاجی محمد اکبر صاحب مرچنٹ
۸۵	پشاور	مولوی عبد الرحیم
۸۶	″	صاحب زادہ صاحب
۸۷	″	مولوی غلام رسول صاحب
۸۸	بھاگلپور	مولوی سہول صاحب
۸۹	″	مولوی شایق
۹۰	لاہور	مولوی عبد الحق صاحب
		مولوی حمد اللہ وغیرہ معرفت گاڑی والا
۹۱	حیدرآباد سندھ	مولوی محمد ابراہیم
۹۲	″	پیر محفوظ صاحب
۹۳	پورٹ دیراول	مولوی محمد ابراہیم صاحب
۹۴	خورجہ	عبد اللہ خاں
۹۵	″	عبد الرحمٰن خاں صاحب
۹۶	″	حافظ مشیت اللہ
۹۷	″	عبد اللہ
۹۸	″	حکیم اللہ خاں صاحب انسپکٹر
۹۹	چکوال جہلم	مولوی احمد صاحب
۱۰۰	جودھ پور	مولوی عبد الحی
۱۰۱	″	ایک اور آدمی
		مولوی عبد الغنی صاحب اہل حدیث
۱۰۲	″	مولوی محمد ابراہیم صاحب
۱۰۳	بھوپال	مولوی سعید الدین صاحب
۱۰۴	″	مولوی سعید احمد صاحب
۱۰۵	″	مرزا عبد الصمد صاحب
۱۰۶	رڑکی	حافظ امداد حسین
۱۰۷	″	مولوی حافظ اسمعیل
۱۰۸	″	نائب مدرس تحصیلی
۱۰۹	سرونج ٹونک	مولوی مہر علی
۱۱۰	″	عبد الکریم
۱۱۱	″	مرزا صاحب
۱۱۲	″	صاحب زادہ عبد الرحیم
۱۱۴	″	مفتیان ریاست ٹونک
۱۱۴	بیپڑ جودھپور	مولوی ظہور احمد تجلی آفتاب منزل
۱۱۵	گنگوہ	حافظ محمد یعقوب صاحب
۱۱۶	″	مولانا حکیم مسعود احمد شاہ

مزید سات اشخاص کے نام دوسرے لوگوں کے ساتھ اس فہرست میں آئے ہیں اس طرح ناموں کی تعداد ۱۲۳ ہو جاتی ہے

نمبر شمار	نام	نمبر صفحہ	نمبر شمار	نام	نمبر صفحہ
۱۷۶	نظارۃ المعارف القرآنیہ	۷۵	۱۹۹	ثناء اللہ مولوی	۸۵
۱۷۷	ناظم مولانا	۷۶	۲۰۰	شبیر احمد مولوی	۸۶
۱۷۸	نذیر احمد کاتب	۷۶	۲۰۱	شفیق الرحمٰن حکیم ساکن رام پور یوپی	۸۶
۱۷۹	نعمت اللہ	۷۶	۲۰۲	سیف الدین مولوی ساکن بجنور یوپی	۸۷
۱۸۰	نور الحسن سید	۷۶	۲۰۳	شاہ بخش حاجی ڈاکٹر سندھی	۸۷
۱۸۱	عبید اللہ	۷۷	۲۰۴	شاہ نواز خاں	۸۸
۱۸۲	باچا ملا	۷۸	۲۰۵	صادق احمد مولوی	۸۸
۱۸۳	پشاور جہادی پارٹی	۷۸	۲۰۶	شوکت علی مولوی	۸۸
۱۸۴	پیر بخش	۷۹	۲۰۷	شجاع اللہ مہاجر	۸۸
۱۸۵	قاضی صاحب	۷۹	۲۰۸	سراج الدین میر ساکن ریاست [illegible]	۸۹
۱۸۶	رب نواز خاں خان بہادر	۷۹	۲۰۹	سلیمان سید ندوی	۸۹
۱۸۷	رحمت علی مہاجر	۸۰	۲۱۰	سید احمد ہادی ساکن انبیٹھہ	۹۰
۱۸۸	رائے والا مولوی	۸۰	۲۱۱	سید ہادی	۹۰
۱۸۹	رام [illegible] مولوی	۸۰	۲۱۲	تاج محمد مولانا ساکن سندھ	۹۱
۱۹۰	رمضان آف پانی پت	۸۱	۲۱۳	وحید	۹۱
۱۹۱	رشید احمد انصاری مولوی	۸۱	۲۱۴	ولی احمد مولوی	۹۱
۱۹۲	رشید اللہ پیر جھنڈے والا	۸۱	۲۱۵	ولی محمد مولوی	۹۲
۱۹۳	رئیس المجاہدین	۸۲	۲۱۶	یار محمد ساکن کابل	۹۳
۱۹۴	رضوان شاہ	۸۲	۲۱۷	ظفر علی	۹۳
۱۹۵	صدر الدین	۸۳	۲۱۸	ظفر حسن مہاجر	۹۳
۱۹۶	سیف الرحمٰن مولوی صاحب	۸۴	۲۱۹	ظفر محمد مولوی	
۱۹۷	سید نور	۸۴	۲۲۰	ظہور صاحب	
۱۹۸	سلیم خاں	۸۵	۲۲۱	ضمیر الدین	

۲۲۲۔ ضیاء الدین احمد قاضی ۹۴